باب نمبر1

مشرقی پاکستان کا بحران

EAST PAKISTAN CRISIS

تعارف:

Introduction

مشرقی پاکستان ہمارا بازو تھا پھر یہ 1971ء میں ہم سے جدا ہو گیا۔ یہ ایک بہت بڑا حادثہ تھا جس نے پاکستان کی بنیاد کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس کے دور رس اثرات اب تک نکل رہے ہیں۔ مگر ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آیا وہ کون سے حالات پیدا ہو گئے تھے؟ جنہوں نے آخر کار ہنستا بستا گھر تباہ کر دیا۔ اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ وہ مسائل یہ تھے۔

(a) مرکز اور صوبوں میں اختیارات کی تقسیم کا مسئلہ

(b) مرکز دستور ساز اسمبلی میں نمائندگی کا مسئلہ

(c) زبان کا مسئلہ

(d) معاشی مسئلہ

(e) علاقائی قومیت کا مسئلہ

مغربی پاکستان والے مرکزی حکومت پر مکمل کنٹرول چاہتے تھے۔ بیوروکریسی کا اپنا ہی پروگرام تھا۔ لہٰذا آہستہ آہستہ خود غرضیوں، مفاد پرستیوں اور پست سوچوں نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ مشرقی پاکستان ہم سے علیحدہ ہو کر ایک نیا ملک بن گیا۔ اندرا گاندھی نے واشگاف کہا کہ ہم نے دو قومی نظریہ بحر ہند میں غرق کر دیا ہے۔ لہٰذا اس یونٹ میں ان تمام واقعات کا جائزہ لیا جائے گا۔ جس سے ملک میں ایسی صورتحال ہوئی۔ یہ صورتحال یکدم پیدا نہیں ہوئی۔ اس کے پیچھے کئی عناصر کارفرما تھے یا یہ کہہ لینا چاہیے کہ یہ ایسا شجر تھا جس کی آبیاری غلط سوچ اور عمل نے کی۔ یہ اتنا زیادہ پھل پھول گیا کہ اس کو اکھاڑنا ناممکن ہو گیا تھا۔ آیئے ہم اس پر مختلف پہلوؤں سے بحث کرتے ہیں۔

PakistaniStudy.pk

25 March 26 1971

مشرقی پاکستان کے علیحدہ ہونیکی وجوہات

Causes for the Separation of East Pakistan

ماہرین سیاستدان اکثر اس امر کے متعلق بحث کرتے رہتے ہیں کہ سیاسی نظام کیا ہوتا ہے؟ مگر وہ سیاسی نظام کی ناکامی یا تباہی کے متعلق کم ہی یا کبھی کبھی ہی بتاتے ہیں۔ کیونکہ ہر کام ایک عمل ہوتا ہے اور عمل کے بعد نتیجہ اگر عمل ہی نہ کیا جائے تو نتیجہ کے متعلق قبل از وقت بیان بازی کرنا حقیقت کے خلاف عمل ہے۔ ان کے مطابق ہر نظام کا ایک دائرہ کار ہوتا ہے۔ اس کے مقاصد اور عوامل ہوتے ہیں۔ نظام کی اکائی اور اس کے فنکشن کو نظام کی جڑ کہا جاتا ہے کیونکہ جڑ ہی پودے کو سہارا دیتی ہے۔ مگر جب بھی کسی نظام کو دیکھنا مقصود ہوتا ہے تو اس کے محرکات کے متعلق جاننا بہت شروع ہے۔ ڈیوڈ آسٹن اس ضمن میں نظام کے مقاصد، عوامل، عامل، نتیجہ اور اس کے دوام کے متعلق تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ نظام میں ممکنات موجود ہوتے ہیں کہ وہ کس حد تک چلے گا۔ اس میں ناکامی کب آتی ہے؟ بحرحال ایسا نظام جو بعض ناگزیر وجوہات کی بنیاد پر ختم ہو جائے تو اس کو مزید چلانے کے لیے تعاون، مکالمہ بازی یا دلائل نہ دیئے جائیں اور اگر دے بھی دیئے جائیں تو پھر بھی وہ نظام ٹوٹ جائے یا پارہ پارہ ہو جائے تو اسے سیاست کی زبان میں "Output failure" کہا جاتا ہے یعنی ایک نظام تو قائم ہو گیا اس کے اندر اتنی قباحتیں آ گئیں کہ اس کا نتیجہ آخر کار منفی شکل میں برآمد ہو جائے تو اس کو ''آؤٹ پٹ فیلر'' کی اصطلاح سے منسوب کرتے ہیں۔

یہ بات کہنے میں کوئی حرج یا قباحت نہ ہے کہ ہمارے ملک کا نظام ''آؤٹ پٹ فیلر'' ثابت ہوا۔ 1971ء میں اس نظام کی ٹوٹ پھوٹ بڑھتی گئی۔ مشرقی اور مغربی پاکستان میں تضادات اور تفاوت بڑھتے گئے۔ مشرقی پاکستان والے اکثر اس بات کا سرعام واویلا کرتے رہتے تھے کہ مغربی پاکستان والوں نے ہمیں غلام بلکہ اپنی کالونی بنا رکھا ہے۔ ملک کی اصل سیاسی اور انتظامی طاقت و اختیارات ان کے سیاسی اکابرین کے پاس منتقل ہو کر رہ گئی ہے۔ ہمیں ہر وقت پسماندہ رکھنے کی پالیسی پر عمل کیا جا رہا ہے۔ مغربی پاکستان کی ایسی اشرافیہ جسے حکومت کا نشہ لگ گیا ہے۔ وہ کسی بھی قیمت پر اپنی حکومت مشرقی پاکستان کی غریب قیادت کو منتقل کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی۔ جب بھی ملک میں آئین بنایا گیا یا اس کے متعلق تجاویز مانگی گئیں تو دونوں ونگز (مشرقی، مغربی پاکستان) کی ڈیمانڈز نصب العین اور طریقہ، تعین

مختلف پائے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ملکی صورتحال اس حد تک گھمبیر ہو گئی کہ عوامی لیگ کو ملکی نظام بچانے کے لیے اپنے مشہور زمانہ چھ نکات بیان کرنے پڑے۔ ملک میں ایسی صورتحال موجود تھی کہ مل بیٹھ کر اس کا کوئی حل نکال کر آہستہ آہستہ مثبت تبدیلی لائی جا سکتی تھی۔ مگر جذبات میں اتنی آگ لگ چکی تھی کہ کپڑے بچانا ہی حکمت تصور کر لیا گیا تھا۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی مختلف وجوہات تھیں جو ملک بننے کے ساتھ ہی اپنا تماشہ شروع کر دیا تھا نیز سیاسی جماعتوں نے اپنے مفاد کے لیے اس کے ساتھ ہی پیدا ہو چکی تھیں اور سیاسی جماعتوں نے اپنے مفاد کے لیے اسے بہت ہوا دی اور مخالفت کا کوئی موقع ہاتھ سے خالی نہ جانے دیا۔ مثلاً نظریاتی، سیاسی، معاشی، سماجی، آئینی، کلچرل، فنکشنل قسم کی وجوہات ہر وقت اپنا سر اٹھاتی رہتی تھیں۔ حکومت پر مسلط گروپ اپنی سیاسی اور معاشی پالیسیاں ملک پر تھوپنا شروع کر دیں۔ جب پاکستان وجود میں آئے تو اسے ورثے ہی میں زبان، کلچر اور علاقائی مسائل مل گئے۔ سیاسی رہنماؤں نے اپنی بصیرت اور مفاد کے تحت سیاسی و آئینی نظام کو چلانے کی مسلسل سعی پیہم کی بیوروکریٹس اور پالیسی میکرز نے حتی الامکان کوشش کی کہ دونوں یونٹوں کے درمیان نظریاتی اختلافات کو کم کیا جا سکے۔ مگر اس کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہو سکا۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اگر مشرقی اور مغربی پاکستان 24 سال اکٹھا بھی رہا تو اس کے پیچھے یہ محرکات تھے۔

(a) اسلام (b) انڈیا کا ڈر

مشرقی پاکستان میں موجود مسلم لیگ کا طبقہ اپر کلاس کا تھا جو کہ جاگیردار تھا۔ اس میں کلکتہ کے تاجر لوگ اور ڈھاکہ میں اردو بولنے والے خاندان تھے۔ قائداعظم محمد علی جناح نے بھی بنگالیوں کے اس رویئے کی مخالفت کی تھی اور انہیں سمجھایا تھا کہ وہ اپنے نمائندوں کے ساتھ مل کر فنکشن ورک تیار کریں۔ انہوں نے مسلم لیگ کی قیادت پر بھی تنقید کی تھی کہ وہ قبلہ درست کرے اور اپنے آپ کو عوام کے درجے پر ہی تصور کریں۔ ان کی راہنمائی خواجہ ناظم الدین کر رہے تھے۔ مشرقی پاکستان میں گراس روٹ لیول پر مسلم لیگ زیادہ مقبول نہ ہو سکی کیونکہ بنگال اے پریشر گروپ کا نام دیتے تھے۔ 1946ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں عبدالھاشم نے علیحدہ بنگال کا مطالبہ کیا تھا۔ یہ بھی تصور عام کیا گیا کہ قرار داد لاہور جو منٹو پارک میں ہوئی تھی اس میں بھارت سے دو الگ ریاستوں کا مطالبہ ہوا تھا۔ مگر ان قوتوں میں جس میں سہروردی خود شامل تھے۔ اس میں قائد نے 1947ء میں خواجہ ناظم الدین کو مشرقی بنگال کا چیف منسٹر بنایا تھا۔ مگر جب پاکستان معرض وجود میں آ گیا تو ان دونوں میں تضادات کا سلسلہ بڑھتا گیا۔

PakistanStudy.pk

زبان کا مسئلہ:

مرکزی لیڈر شپ نے اس امر کا عندیہ دیا کہ بنگالی مسلم لیڈر مکمل طور پاکستان کے حق کے نہیں ہیں۔ لہٰذا شک ہے کہ ایسے رہنما نا صرف بنگالی زبان کو قومی زبان بنانا چاہتے ہیں بلکہ وہ ٹیگور کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے۔ مزید برآں وہ ہندو کلچر کو بھی برا نہیں سمجھتے۔ وہ یہ تصور بھی نہ کرتے تھے کہ بھارت کی سرحدیں ہم سے علیحدہ ہوں گی۔ مسلم قومیت کا نظریہ صرف اردو بولنے والے مسلموں تک ہی رہا مگر بھارت کے شمال میں رہنے والے مسلمانوں کو اس سے کوئی سروکار نہ تھا۔ بعض علماء مثلاً حسین احمد مدنی نے بھارت کی قومیت کے حوالے سے تعریف کی اس نے کھلم کھلا کہا کہ مسلمانوں کو ثقافت برپا کرنے کے لیے کسی علیحدہ وطن کی ضرورت ہرگز نہ ہے۔ بھارت کبھی بھی مسلمانوں کو اکٹھا ایک ملک میں دیکھنا نہ چاہتا تھا۔ اس نے ایسے عناصر جو نظریہ پاکستان کے خلاف تھے۔ انہیں ہر ممکن امداد و حمایت دینے کا اعلان کیا۔

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ جب سے پاکستان بنا اسی دن سے ان کے مخالفین نے اپنی ریشہ دوانیوں کو فروغ دینا شروع کر دیا تھا۔

قائداعظم نے پاکستان کی قومی زبان اردو کو قرار دیا تھا۔ مگر پھر بھی ڈھاکہ یونیورسٹی میں ان کے اس بیان پر کلچروں میں کھلم کھلا تنقید کی جاتی رہی۔ مشرقی پاکستان کی بعض سیاسی مذہبی جماعتوں نے اردو زبان بولنے کو کفر قرار دے دیا تھا۔ حالانکہ حالات کی مجبوری کی وجہ سے بنگالیوں کو بیک وقت دو زبانوں کو بھی اپنانا پڑا۔ بنگالی جہاں پر ایک اسٹیٹ میں رہتے ہوئے دو زبانیں اختیار کرتے۔ وہاں حالات اور ہی پیدا ہوتے گئے۔ ایوب خان کے دور میں گورنر منعم خان نے ڈھاکہ ریڈیو پر ٹیگور زبان میں گانے اور نظمیں بند کرا دیں تھیں اور کلکتہ سے آنے والی بنگالی کتب پر بھی پابندی عائد کر دی اس بات کا خاصا اثر ہوا۔

نظام کا مسئلہ:

بنگال کی اکثریت ملک میں سیکولر نظام کی خواہاں تھی اور وہ جائنٹ الیکشن کے حق میں تھے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ سیکولر نظام ہی دونوں ونگز کو اکٹھا رکھ سکتا ہے۔ حالانکہ ہمارا ملک دو قومی نظریہ کی بنیاد پر قائم ہوا تھا۔ لہٰذا سیاسی اور آئینی بحرانوں کی وجہ سے مشرقی پاکستان کی صورتحال تبدیل ہوتی دکھائی دینے لگی۔ مشرقی پاکستان اپنے حصے میں مکمل خود مختاری چاہتا تھا۔

مگر پاکستان میں کبھی مرکزی پارلیمانی نظام اور کبھی صدارتی نظام کو چلایا جاتا رہا۔ اگر کوئی بھی نظام اپنا ہوتا ہے تو عوام کے مزاج کو جاننا بہت ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا عوام کے مزاج کی طرف کبھی دھیان نہ دیا گیا جب صدارتی نظام ناکام ہو جاتا تو ملک میں پارلیمانی نظام کو بھی آب حیات تصور کیا جانے لگتا۔ ملک میں نظام کے سلسلہ میں کھچڑی سی پک چکی تھی۔ یہ تاثر عام تھا کہ ملک میں ملٹری اور سول سروس ملازمین ملی بھگت سے مشرقی پاکستان کا استحصال کر رہے ہیں۔ صدارتی نظام کینیڈا، سوئٹزرلینڈ اور بلجیئم میں تو کامیاب تھا کیونکہ وہاں پر اسٹیٹ کا مطلب ہی ویلفیئر اسٹیٹ ہوتا ہے یعنی لوگوں کی فلاح مگر پاکستان میں محض ذاتی مفادات کے لیے نظام کو الٹ پلٹ کیا جاتا رہا سکندر مرزا نے الیکشن اس لیے نہ کرائیگے کہ کہیں وہ دوبارہ صدارت سے ہاتھ نہ دھو بیٹھے اور ایوب خان نے صدارتی نظام اس لیے متعارف کرایا تا کہ فرد واحد اپنا حکم آسانی سے چلا سکے۔

اس میں کوئی شک نہ ہے کہ مغربی پاکستان کی اشرافیہ مشرقی پاکستان سے مل کر ایسا نظام لانے کی کوشش کرتی رہی جس میں سارے اختیار مرکز کے پاس ہوں۔ مگر مشرقی پاکستان کی اکثریت ایسے نظام کو ہموار کہہ کر اس کی ہر وقت مخالفت کرتی رہی۔ ملک میں ایسے حالات پہ قابو پایا جا سکتا تھا۔ اگر افہام تفہیم سے مسائل کو حل کر لیا جاتا۔ مگر ایسا نہ کیا گیا اگر مسائل حل کرنے کے لیے افہام و تفہیم کا باب کھولا بھی گیا تو اسے بھی آخر کار بند کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ سیاسی نمائندگان کو چاہیے تھا کہ وہ بتدریج عوام میں آگاہی پھیلاتے مگر وہ مست ہاتھی کی طرح اپنی ہی دنیا میں مست رہے لہٰذا پے در پے حالات بگڑتے رہے۔ یہ بات کہنا درست نہ تھی کہ مشرقی پاکستان والے خود مختیاری اس لیے مانگ رہے ہیں تا کہ وہ اپنے کلچر کو فروغ دے سکیں۔ اس کے پیچھے چھپی ہوئی ان کی محرومیاں اور احساس کمتری تھی۔

دونوں ونگز کو معاشی ترقی دے کر کسی حد تک احساس محرومی کو کم کیا جا سکتا تھا یا کوئی ہو سکتا تھا کہ وہاں کے لوگوں کے نظریات کو جان کر ان کے کلچر کو تبدیل کیا جاتا۔ ایک سوچ اور قربانی کی فضا پیدا کی جاتی جیسا کہ دوسرے ممالک میں ہوتا ہے۔ مگر یہاں کا باوا آدم ہی نرالا تھا۔ یہاں سیاسی حلقہ محض اپنے مفاداتی حصار میں بند گردش کر رہا تھا۔ مشرقی پاکستان والوں کا دیرینہ مطالبہ تھا کہ ملکی معاشی پالیسی بناتے وقت مشرقی پاکستان کے سول سروس آفیسرز شامل کیے جائیں۔ مگر اس پر زیادہ توجہ نہ دی گئی۔

PakistaniyatUrdu.com

کارل ڈیوبچ کا نظام کے متعلق تجزیہ:

Analysis of Korel Deutch About System:

کارل نے پاکستانی نظام کا امریکہ کے نظام کے ساتھ موازنہ پیش کیا۔اس نے کہا کہ نظام کی بنیاد سماجی عادات اور مقاصد کے حصول ہوتی ہے۔پیہم اور مثبت عمل کسی نظام کو مستحکمیت عطا کرتا ہے۔نظام میں افراد اکائی ہوتے ہیں۔اس میں سماج، معاش، انصاف جیسے عامل ہوتے ہیں ان تینوں کے مثبت عمل سے عوام کو مثبت فوائد پہنچتے ہیں کسی بھی نظام کے پیچھے ایک جذبہ محرکہ یعنی ایک سچی لگن ہوتی ہے جس سے نظام متحرک (Dynamic) ہوتا ہے۔دنیا کے اکثر ممالک نے مثبت نظام کی وجہ سے ترقی کی اور اپنے مسائل کو حل بھی کیا۔نظام خراب ہی اس وقت ہوتا ہے جب دونوں پولز (غربت اور امارت) میں نا ہمدردیاں، محرومیاں جنم لینا شروع کر دیں اور اس میں کوئی پول یہ تسلیم کرے کہ اس ماحصل کی جگہ انہیں عمل کے نتیجہ میں سزا مل رہی ہے۔اس کی واضح مثال مشرقی اور مغربی پاکستان کی ہے۔مصنف نے فروری 1971ء میں خود ڈھاکہ میں تاجدین احمد سے انٹرویو کیا جو بعد میں ہر دل عزیز بنگلہ دیشی لیڈر بنا۔اس نے بنگلہ دیش کی معاشی ناہمواریوں کے بیان دیتے ہوئے کہا۔

''ہم انڈیا کے ساتھ تجارت کرنا چاہتے ہیں..... ہمیں مجبور کیا جارہا ہے کہ ہم چین سے 172 روپے فی ٹن کے حساب سے کوئلہ درآمد کریں۔اگر ہم یہی کوئلہ انڈیا سے منگوائیں تو ہمیں صرف 53 روپے فی ٹن پڑتا ہے۔ہم خود سلہٹ میں اپنا سیمنٹ تیار کیا کرتے تھے۔مگر اس میں استعمال ہونے والا چونے کا پتھر ہمیں آسام سے منگوانا پڑتا تھا یہ بھی جنگ کے بعد وہاں سے آنا بند ہو گیا ہے۔ہمارے مغربی پاکستان والے صنعتکار سیمنٹ کا ایک بیگ 12 تا 16 روپے میں فروخت کر رہے ہیں۔ہماری سابقہ فیکٹری سے سیمنٹ 7 تا 8 روپے کے حساب سے ملتا تھا انڈیا میں جو سیمنٹ بنتا ہے۔اس کی قیمت فی بیگ 8.50 روپیہ ہے۔انڈیا ایک ایسا ملک ہے جو کہ کم درجے کی پٹ سن بیچتا ہے۔ہم اس کو انڈیا سے نہیں خرید سکتے۔اس سے ہمارے سینکڑوں مسائل میں اضافہ ہو چکا ہے۔جاپان سے ہر قسم کے سٹینڈرڈ کا کپڑا 2 روپے فی گز ہے۔مغربی پاکستان کے کپڑے کا ریٹ ہی 6 روپے فی گز سے شروع ہوتا ہے اور وہ اس طرح بونس سکیم کا اعلان کر رہے ہیں''۔

بعض ماہرین کہتے ہیں کہ جب 1971ء میں مشرقی پاکستان کے حالات خراب ہو رہے تھے تو ہمیں بالغ نظری کا ثبوت دینا چاہیے تھا۔مگر مشرقی پاکستان کی عوامی لیگ نے اس مسئلہ کا حل چھ نکات میں دے دیا تھا۔اس کا ذکر آگے آئے گا۔لہٰذا ضرورت اس امر کی تھی کہ اس سلسلہ میں مغربی پاکستان کوئی حل پیش کرتا محض طاقت ہی ریاستی مشینری کو چلانے کا ذریعہ نہ ہے۔عوامی پارٹی کا یہ بھی خیال تھا کہ قومی اسمبلی کے الیکشن میں آبادی کی مناسبت سے 75 فیصد ووٹ مشرقی پاکستان کے حصہ میں آنے چاہئیں اور اسی نسبت سے نشستیں ہونی چاہئیں اگر ان کی اس بات کے متعلق مثبت رائے دی جائے تو یہ تو ''نہ کھیڈاں دے نہ کھیڈن دیاں گے'' کے مترادف بات تھی۔ان کا دیرینہ مطالبہ تھا کہ معاشی پالیسی بنانے کے ضمن میں علاقائی حکومتوں سے رجوع کیا جائے۔ان کا خیال تھا کہ مغربی پاکستان دباؤ کی سیاست کے ذریعے ملٹری کے ساتھ مل کر مشرقی پاکستان کے معاشی حق پر مسلسل ڈاکے مار رہا ہے لہٰذا اس بات نے بھی دونوں ونگز کو اکٹھا نہ ہونے دیا نہ ہی خیر سگالی جذبات پروان پاسکیں۔مرکز میں اختیارات اور فارن ایکسچینج کا مسئلہ بھی ناقابل حل قرار دے دیا گیا۔بعض ماہرین کا خیال تھا کہ اگر متفقہ آئین بنا لیا جاتا اور اس کے تحت ان مسائل کو حل کر کے استحکامیت پیدا کی جاسکتی تھی کیونکہ مہذب معاشرے میں اس کی مثالیں عام ملتی ہیں۔

ثقافتی تضادات:

Cultural Conflict

بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ثقافتی معاملات کو مربوط بنیادوں پر حل کر لیا جاتا تو بھی بڑی آفت سے بچا جاسکتا تھا۔مگر ثقافت تو معاش کے ساتھ ساتھ چلتی ہے کیونکہ پاکستان میں معاشی پالیسیاں تو مزید ناہمواریوں کا پیش خیمہ ثابت ہو رہی تھیں اس ضمن میں (C. Pwright Mill) سی رائٹ مل کا خیال تھا کہ اگر اختیارات کی تقسیم صحیح ہوتی یا اس کی سمت صحیح ہوتی تو مثبت نتائج کی امید کی جاسکتی تھی کیونکہ ملک میں طبقاتی مفادات ہی نصب العین بن چکے تھے۔سیاسی اداروں کی کبھی بھی ملک میں پرورش نہ ہو سکی۔ملٹری ہر وقت اقتدار میں گھسنے کے لیے کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتی تھی۔رائٹ اگلا سوال یہ کرتا ہے کہ اگر پالیسی غلط بن جاتی ہے تو کیا ملک میں مربوط گروپس نہ تھے جو کہ غلط کو عملی طور پر غلط کرتے اور صحیح کو صحیح کرتے۔مگر کون کرتا؟ کیونکہ اختیار دینے کا فیصلہ کرنے والے بھی سیاسی اشرفیہ تھے تو پھر ایسے نظام کو استحکام کیونکہ آسکتا ہے۔یہ وہ سوالات ہیں جو قاری مشرقی پاکستان کے کردار کا مطالعہ کرنے پر اپنے آپ سے کرتا ہے۔

Pakistanstudy.net

پاکستان میں پیسے کے بل پر لوگ سیاست کا رخ کر رہے تھے۔ امید کی جاتی تھی کہ ایوب کا دور ملک کے مسائل حل کرے گا۔ کیونکہ اقتصادی ترقی کے چرچے ہر طرف تھے۔ اس دور میں اکنامک اور ڈیفنس پالیسی بھی خاصی کامیاب تھی۔ مگر اقتصادی ترقی سے نظریاتی مسائل تو حل نہیں ہوتے۔ آخر میں کیا ہوا کہ 25 دولت مند خاندان پورے پاکستان کے معاش پر بوجھ بن بیٹھے۔ ایسا کیوں ہوا کیونکہ یہ اندازہی مفادانہ تھا۔ کیونکہ ملٹری، بیوروکریٹس، سیاستدان، سول سروس آفیسر اور جوڈیشری کا گٹھ جوڑ ہو چکا تھا۔ یہ بات حقیقت ہے کہ ملک میں جو بھی پالیسی بنی اس میں ملٹری کا اثر ورسوخ پہلے نمبر پر ہوتا۔ سول سروس آفیسر (نوکر شاہی) ملٹری کا آلہ کار بنتی گئی کیونکہ فوج کو مقدس گائے بنا دیا گیا تھا۔ دوسری طرف سیاستدانوں کو سیاست سے عمل باز رکھنے کے لیے ایبڈو کا سہارا لے لیا گیا۔

نوکر شاہی: Civil Services Officer

سول سروس آفیسرز کا کردار حکومت میں اہم ہوتا ہے۔ یہی لوگ پالیسی میکر اور انتظامیہ کے اہم ستون ہوتے ہیں۔ سیکرٹری فنانس وغیرہ انہی کا شعبہ ہوتا ہے۔ پلاننگ کمیشن میں ان کا حصہ بہت زیادہ عمل دخل ہوتا ہے۔ سول سرونٹس کا کمیشن انہیں ٹاپ کلاس ملازمتوں سے نوازتا ہے۔ سیکرٹری منسٹری آف مینجمنٹ ڈائریکٹر کا عہدہ پالیسی بنانے کے عمل میں انہی کے گرد گھومتا ہے اور ان میں موجود ڈپٹی سیکرٹریز عام طور پر پالیسی کا اطلاق کراتے ہیں۔ اکنامک پالیسی بنانے میں سیکرٹریز آف منسٹر مثلاً فنانس، انڈسٹریز، کامرس، زراعت، ڈپٹی چیئرمین، سیکرٹری اور سینئر اکنامسٹ آف پلاننگ کمیشن چیئرمین یا مینجمنٹ ڈائریکٹرز یعنی اسٹیٹ بنک آف پاکستان، انڈسٹریل، ڈویلپمنٹ کارپوریشن اور واپڈا کا محکمہ PICIC کے ڈائریکٹرز مختلف پرائیویٹ انڈسٹریل اور کمرشل کارپوریشن کے ڈائریکٹرز چیمبر آف کامرس کا چیئرمین وغیرہ یعنی کسی بھی ملک میں اس کا دائرہ کار بہت وسیع ہوتا ہے۔ معاشی نظام کی جڑ یہ افسران ہوتے ہیں۔ مشرقی پاکستان اس شکایت کا اکثر واویلا کرتا تھا کہ سول سروس کے اچھے لیول پر بنگالی بہت کم ہیں۔ 1969ء تک سیکرٹری لیول کے اعلیٰ عہدوں پر مغربی پاکستان سے تعلق رکھنے والے افراد ہی تعینات ہیں۔ یہ وہ افراد ہیں جو بھارت میں مقیم اقلیتی صوبوں سے پاکستان میں آئے تھے بعد میں 1969ء میں جب ملک میں دوسرا مارشل لاء لگا جسے جنرل یحییٰ نے لگایا تو اس نے مشرقی پاکستان کے بعض سول سرونٹس کو سیکرٹری کا عہدہ ایک قانون کے تحت دیا تھا ان کو یہ عہدے ترقی کے ضمن میں ملے تھے۔ مگر پھر بھی (Key Posts) پر تعیناتی کی شکایت آتی رہی تھیں۔ بنگالی اور غیر پنجابی آفیسرز ہر وقت یہ واویلا کرتے رہتے تھے کہ ان کے ساتھ پروموشن کے معاملہ میں بہت زیادتی ہوئی

ہے۔ کہا جاتا تھا کہ غلام فاروق (سابقہ چیئرمین (PIDIC) اور کامرس منسٹر) غلام اسحاق خان (سابقہ فنانس سیکرٹری اور کابینہ کے سیکرٹری) عباس خلیل (سابقہ سیکرٹری آف انڈسٹریز) کا تعلق مدارس سے تھا۔ محمد شعیب (سابقہ فنانس منسٹر) یہ اصل میں اتر پردیش میں سول سرونٹ تھے۔ اس کے علاوہ ایس ایس جعفری (سابقہ سیکرٹری آف انڈسٹریز) کا تعلق بھی اُتر پردیش سے تھا یہ تمام افسران تعارفی طور پر مغربی پاکستان سے تعلق رکھتے تھے اور اردو بولنے والے تھے۔

1965-70ء تک جتنے بھی سرکاری افسر آئے اور ان کا تعلق پس منظر اس ٹیبل کے ذریعے دکھایا گیا۔

سال	مغربی پاکستان	اُردو بولنے والے (اڈین صوبے سے تعلق)	مشرقی پاکستان	دوسرے صوبوں سے	شعبہ جات
1965	9 پنجاب	04	0	01	فارن افیئرز۔ زراعت اینڈ ورکس، کابینہ کا تشکیل ڈویژن، ہوم اینڈ کشمیر، اکنامک افیئرز، انڈسٹریز اینڈ نیچرل وسائل، ڈیفنس، سیکرٹری ٹو پرائز منسٹر، فنانس انوسٹمنٹ پروموشن بیورو
1966	9 پنجاب	03	0	01	فارن افیئرز، زراعت اور دوسرا کام، ڈیفنس، ہوم اینڈ کشمیر، اکنامک افیئرز، کمیونی کیشن، صدر کا سیکرٹری، کابینہ کے سیکرٹری، صنعتی اور قدرتی وسائل، فنانس (IPT) واپڈا، محکمہ اطلاعات،
1967	8 پنجاب 1 سرحد	03	0	0	صدر کا سیکرٹری، کمیونی کیشن، کابینہ، بین الاقوامی معاملات، صنعت اور قدرتی وسائل، ڈپٹی چیئرمین، پلاننگ کمیشن، زراعت اور ورک، معاشی معاملات انوسٹمنٹ پروموشن، پلاننگ ڈویژن، فنانس، انفارمیشن اینڈ براڈ کاسٹنگ افیئرز، ڈیفنس

PakistaniStudy.com

سال	مغربی پاکستان	اُردو بولنے والے (انڈین صوبے سے تعلق)	مشرقی پاکستان	دوسرے صوبوں سے	شعبہ جات
1968	02	02	0	0	As - do
1969	07 پنجاب 01 سرحد	2	01	-	As - do
1970	05 پنجاب 01 سرحد 01 سندھ	0	02	0	چیئرمین اینڈ منیجنگ ڈائریکٹر، سٹیل ملز کارپوریشن، ڈپٹی چیئرمین پلاننگ کمیشن، دفاع، کابینہ، پلاننگ ڈویژن، صنعت اور قدرتی وسائل کیبنی کیشن ایگری کلچرل اینڈ ورک۔

تاہم منسٹرز فار فنانس، انڈسٹری اور کامرس اور پلاننگ کمیشن پالیسی سازی میں بہت اہم ہوتے ہیں۔ کابینہ ڈویژن کے سیکرٹریز، اسٹیبلشمنٹ ڈویژن لہٰذا عہدوں کی تمام کیٹگریز بہت اہم ہیں۔

پاکستان آرمی:

پاکستان کی آرمی کی زیادہ اکثریت شمالی پنجاب کے چار اضلاع مثلاً راولپنڈی، کیمبل پور جہلم اور گجرات سے تعلق رکھتی تھی اور سرحد کے دو اضلاع پشاور اور کوہاٹ فوج میں 60% پنجابی اور 35% پٹھان تھے۔ لہٰذا یہ کہنا بے جا نہ ہے کہ آرمی میں زیادہ حصہ بلکہ مکمل ہی مغربی پاکستان کا تھا۔

فلپ Mason نے 1957ء میں جو اپنا تجزیہ کیا اس کے تحت اس نے قرار دیا تھا کہ اس میں کوئی شک نہ ہے کہ اشرافیہ حکومت میں اپنے پاؤں مضبوط کر رہی ہے۔ پاکستان کی حکمران کلاس لاہور میں پولو کھیلتے ہوئے دیکھی جا سکتی ہے۔ یہ لوگ برطانیہ کی نقالی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔''

آگے چل کر وہ مزید لکھتا ہے کہ پنجاب اور سرحد کے اعلیٰ فوجی افسران آہستہ آہستہ سرمایہ دار اور جاگیردار بنتے جا رہے ہیں۔ ان میں مڈل کلاس سے تعلق رکھنے والے فوجی افسران بھی ہیں لہٰذا وہ بزنس کلاس میں ڈھلتے جا رہے ہیں۔

سرمایہ داروں اور بزنس مینوں کا گٹھ جوڑ:

ایک اور بات جو دیکھنے میں آئی وہ یہ تھی کہ سول سروس آفیسرز اور بزنس مین آپس میں خاندانی شکل اختیار کرتے جا رہے تھے۔ 1965ء اور 1966ء میں یہ بات منظر عام میں آئی کہ واشنگٹن میں پاکستان کا سفیر جو کہ سیکرٹری آف فارن افیئرز بھی تھا۔ اس نے سیکرٹری آف ہوم اینڈ کشمیر سے رشتہ داری کر لی تھی اور اسی طرح بزنس گروپس کی فیملیز آرمی کے اعلیٰ عہدوں پر افسران سے رشتہ داریاں بڑھا رہا تھا۔ انہوں نے آپس میں شادیاں کر کے ایک شادیانہ اتحاد (Matrimonial Alliances) بنا لیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا تھا کہ جب صدر ایوب نے مارشل لاء کو متعارف کرایا تو اس نے 13 سول سروس آفیسرز کو برخاست کر دیا اور ان سے استعفیٰ طلب کیے اور اپنے بزنس مین جن کا ان آفیسرز سے تعلق تھا۔ انہیں فارن ایکسچینج رکھنے پر ٹیکس دینے کو کہا گیا پھر جب 1969ء کو دوبارہ مارشل لاء لگایا گیا تو سنٹرل سوشل سروسز سے تعلق رکھنے والے 300 افسران کو نوکریوں سے فارغ کر دیا گیا اور بعض کو زبردستی ریٹائرڈ کر دیا اور فارن ایکسچینج ہولڈنگ فرمز سے ٹیکس کا مطالبہ شروع کر گیا۔

کسی بھی معاشرے میں اشرافیہ (Elites) ایک اہم نمونہ کار ہوتے ہیں۔ مگر اگر ملک میں ایسی پالیسیاں بنائی جائیں جس کی وجہ سے ملکی دولت کو اپنی طرف کھینچ لیں تو وہ طاقت ور سرمایہ دار اور سیاستدان کا روپ دھار لیتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنی ذات کو مضبوط کرتے ہیں اور اداروں کو کھوکھلا کرتے رہتے ہیں۔ پاکستان میں بیوروکریٹس کی اکثریت نظریاتی نہ تھی ہر کوئی اپنا عہدہ اور مفاد عزیز تھا۔ پاکستان جو اشرافیہ تھی اور جنہوں نے ملٹری سے گٹھ جوڑ کیا تھا ان کی اکثریت کا زیادہ تعلق مغربی پاکستان سے تھے۔ اس میں سرحد اور بلوچستان سے تعلق رکھنے والے بہت کم تھے۔

ٹی بی ٹوٹ مور کا نظریہ اور تجزیہ

Concept & Analysis of T.B. Bottmore

اس نے ترقی پذیر ملک کی اشرافیہ کا تجزیہ کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ اشرفیہ وکھری ٹائپ کی ہے۔ یہ مغرب سے تعلیم یافتہ ہے۔ ان کا تعلق اونچی اونچی ذاتوں سے ہے یعنی زمیندار اور کاروباری لوگ۔ یہ قبیلوں کے سردار لوگ ہیں۔ ان کا لائف سٹائل آمریت دور کا پیدا کیا ہوا ہے۔ ایسی قسم کے لوگ بھارت کی جمہوریت میں زیادہ پنپ نہیں سکتے تھے۔ بھارت کی اشرافیہ ترقیاتی کاموں میں حصہ لینا فخر سمجھتی ہے۔ مگر پاکستان کی اشرافیہ اس کے اُلٹ ہے۔ ان کو جو دھرا ہٹ کی ہوئی پڑ چکی ہے

PakistaniMaterial.com

حال ہی میں کئی ماہرین نے اقرار دیا ہے کہ فیصلہ دینے والے (یعنی حکومت کرنے والوں) کی مخصوص نفسیات ہوتی ہے۔ان کا ذہن ایسا کیوں بنتا ہے اس کی کچھ وجوہات ہیں جن کی وضاحت لازمی ہے۔

1- یہ اپنے ایک مخصوص دائرے میں ابتدائی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ان کے والدین بھی عیاشی پسند ہوتے ہیں۔وہ اپنی اولاد کو کم وقت دیتے ہیں۔وہ دولت کے گہوارے میں پروان چڑھتے ہیں مگر جذباتی طور پر مفلوج ہو جاتے ہیں۔ہر کسی سے نفرت شروع کر دیتے ہیں۔ اصل میں انہیں یہ نفرت تو اپنے والدین سے کرنا چاہیے تھی۔

2- وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے بیرون ممالک جاتے ہیں اور مڈل کلاس والے ایسے لوگ جو پاکستان میں بھی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔وہ سی ایس ایس کے امتحان کے بعد اکیڈمک تعلیم حاصل کرتے ہیں لہٰذا وہاں سے ان کا ذہن تبدیل کر دیا جاتا ہے۔بڑے خاندان والے تو مغربیت کے دلدادہ ہو جاتے ہیں۔ان کو اسلامی تعلیم سے بہت کم لگاؤ ہوتا ہے۔

3- جب یہ سول سروسز کا امتحان پاس کرتے ہیں تو انہیں افسرانہ قسم کی تربیت دی جاتی ہے۔ان کا ذہن بنایا جاتا ہے کہ وہ معاشرے میں ممتاز اشخاص ہیں۔ انہیں عام آدمی کے ماحول میں نہیں جانا چاہیے۔انہیں الگ تھلگ رہنا چاہیے اور صرف لوگوں پر حکم چلانے کے متعلق سوچنا چاہیے۔انہیں صرف مفادات کے متعلق ہی سوچنا چاہیے۔

اصل میں بیوروکریسی ملکی حالات سے الگ تھلگ اپنی سوچوں اور مفاداتی منصوبوں کو پروان چڑھانے کی کوششوں میں مصروف تھی۔ان کی ذہنیت تقریباً فرنگیانہ تھی وہ ہر بات کا حل اپنی ایک مخصوص سوچ کے مطابق نکالنا چاہتی تھی لوگوں اور سیاستدانوں پر حکمرانی کرنا اس کا وطیرہ بن گیا تھا۔بیوروکریسی نے بنگال کے عوام کو احساس کمتری میں مبتلا کر دیا۔بیوروکریسی کی اکثریت نے دولت اکٹھا کرنے کی ریس لگا دی تھی آہستہ آہستہ وہ ملک کے امیر طبقہ (سٹینڈرڈ پرسنز) کے ساتھ رشتہ داریاں بھی نبھا رہی تھی۔ایک رپورٹ میں یہ عندیہ دیا گیا تھا کہ پاکستانی بیوروکریسی جائز و ناجائز طریقے سے ملک کی اپر کلاس میں شامل ہونا شروع ہو گئی ہے۔

اس ضمن میں لارنس زائرنگ اپنی کتاب Pakistan The Enigma of Developemnt میں رقمطراز ہے۔

''چار سو سول افسران (سی ایس پی) ملک کے سیاہ و سفید کے مالک بن گئے تھے معاشرے اور عوام میں ناراضگی ان افسران کی کارکردگی پر نہیں بلکہ رویہ کی وجہ سے

تھی سی ایس پی افسران پر نوآبادیاتی ذہنیت رکھنے اور گورے انگریز سے بڑھ کر حکومت پسندانہ انداز اختیار کرنے کا الزام تھا، وہ اپنی روایات، ترتیب اور تجربے کی بنیاد پر (سی ایس پی) ایک بند انجمن بن چکی تھی ایک مخصوص احساس برتری نے سی ایس پی حضرات کے اندر یہ خام خیالی پیدا واری تھی کہ پاکستان کی بقا کا انحصار ان پر ہی ہے۔''

منیر اپنی رپورٹ میں رقمطراز ہیں۔

''تقسیم کے وقت بنگالی آئی سی ایس آفیسر زیادہ تر ہندو تھے۔محض ایک بنگالی (مسلمان) آئی سی ایس آفیسر مشرقی پاکستان کے حصہ میں آیا۔اس لیے مغربی پاکستان سے سی ایس پی افسران مشرقی پاکستان بھیجے گئے جو زیادہ تر اردو یا پنجابی بولنے والے تھے اس کے بعد مشرقی پاکستانیوں کے لیے سول سروس میں کوٹہ مقرر کیا گیا تاہم 1970ء تک بھی آبادی کے تناسب کے لحاظ سے مشرقی پاکستان کی سول سروس میں اُن کا حصہ کم تھا اس لیے مشرقی پاکستان میں مغربی پاکستان کے افسر زیادہ تعداد میں تعینات کیے گئے۔یہ افسر زیادہ تر بے حس اور بے ضمیر تھے۔ان کی زبان، طرز، رہائش و بود و مقامی لوگوں سے جدا تھی ان لوگوں کو بنگالی عوام کی امنگوں۔جذبات کا بالکل احساس نہ تھے یہ محض اپنی من مانی پر ڈنگ ٹپاؤ پالیسی پر گامزن تھے''

الطاف گوہر نے سی ایس پی حضرات کا نقشہ ڈیلی ڈان 21 دسمبر 1927ء میں اس طرح کھینچا۔

''اس قسم کے عوام بیزار، مردم آزار اور خود پسند افسران کو حکومت چن چن کر پھولوں اور پانیوں کی سرزمین میں بھیجتی رہی جہاں کے سادگی پسند لوگ محض انکی مسکراہٹ سے بات کرنے پر اپنی جان فدا کر دیتے تھے مگر اگر کوئی ان سے توہین آمیز سلوک کرتا تو وہ نفرت اور دشمنی میں بھی تمام حدیں پار کر جاتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ لوگ ہمیشہ سے متلون مزاج رہے ہیں۔نفرت میں بھی شدت، محبت میں بھی شدت، ایک وقت میں شبنم دوسرے وقت میں شعلہ ایسے لوگوں سے معاملات کے لیے بہت زیادہ متحمل مزاج، نرم خو اور راست فکر افسروں کی

PakStudy.com.pk

ضرورت تھی جو مقامی حالات کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال کر مشرقی مغربی پاکستان کے درمیان جغرافیائی فاصلوں کی رکاوٹیں دور کرتے مگر ہوتا رہا تھا، اس کے برعکس! ان افسران میں سے جو پرانے تھے ان کے مزاج میں انگریزیت رچی ہوئی تھی وہ تو پاکستان کے نئے افسران کو اپنے سا درجہ دینے کو تیار نہ تھے اور شروع شروع میں تو انہوں نے اپنی اپنی ایسوسی ایشنیں بھی علیحدہ رکھیں۔ مشرقی پاکستان میں گاؤں کے لوگ پاکستان کے نئے افسران کو دیکھنے آئے، وہاں انہیں وہی گورے اور صاحب لوگ اجلاس میں جلوہ افروز ہوتے ملتے تھے۔ مرکزی حکومت کی طرف سے پرانے اور نئے افسروں کی تربیت کا کوئی انتظام نہ تھا۔ جس قسم کا چیف سیکرٹری ہوتا صوبے میں اس کے رویے کی طرز جیسا نظام چلنا شروع ہو جاتا۔ وہی حاکمی اور محکومی کا سال ہا سال پرانا سلسلہ، وہی یورپی لباس، وہی انگریزی زبان، وہی کالے گورے کی تشخیص، وہی نوکریوں کے لیے تگ ودو، وہی پولیس وہی مجسٹریٹ جب یہ سب کچھ وہی تھا تو لوگ کیسے سمجھ لیتے کہ افسر جو ہزار میل دور سے ان کے صوبے میں آئے ہیں وہ ان کے اپنے لوگ ہیں۔ خود افسروں کا یہ حال تھا کہ وہ ہر وقت عوام سے نالاں رہتے ایک بھی ایسا شخص نہ تھا جو کہ مشرقی پاکستان میں رہنے کو ترجیح دیتا۔ یہ افسران لوگوں سے میل ملاپ نہ کرتے تھے۔ 30 یا 35 افسران میں اکثریت پنجابیوں اور مہاجروں کی تھی وہ مغربی پاکستان کی انتظامی علامت بن چکے تھے ان کی حیثیت اقتدار پر قابض حکمران ٹولے کے کماشتوں کی سی ہوگئی۔ نوجوان افسران بھی سیاسی امور کے لیے دھڑہ دھڑ استعمال ہونا شروع ہوگئے تھے۔ جس ضلع میں وزیراعلیٰ کے سیاسی تعلقات بہتر ہوئے وہاں بنگالی افسران بھیجے جاتے اور جہاں ٹکراؤ کی نوبت آتی وہاں مغربی پاکستان کے افسران ادا نہ کر دیئے جاتے۔ بنگالیوں کی نظر میں ان افسران کی اہمیت بھاڑے کے ٹٹوؤں سے زیادہ نہ تھی۔''

جہاں تک مشرقی پاکستان کے افسران کا تعلق تا ان کی کثیر تعداد نے ہندو دانشوروں اور پروفیسروں سے تعلیم حاصل کی تھی جس کی وجہ سے ہندوانہ نظریاتی چھاپ ان پر واضح تھی یہ امر تصدیق شدہ ہے کہ بنگالی افسران نے ہندوؤں اور ان کی پروردہ جماعت عوامی لیگ کے لیے ملک سے نمرداری

کی اور ملک کی اہم اطلاعات انہیں پہنچاتے رہے۔ انہوں نے بعض سیاست دانوں کو جھوٹے اعداد وشمار بھی مہیا کیے جن کی بنا پر سیاست دان اپنی جھوٹی دکانداری چمکاتے رہے۔ 1954ء میں فضل الحق ہر جلسے میں تار (ٹیلی گراف) کا فارم لوگوں کو دکھاتا اور کہتا تھا لوگو یہ تار کا فارم ہے مغربی پاکستان کے امیر لوگ جب کسی کو فوری پیغام بھیجتے ہیں تو یہ فارم انہیں مفت میں ملتا ہے۔ جب انہیں رقم بھیجنی پڑے تو منی آرڈر فارم انہیں مفت ملتا ہے۔ مگر اگر یہاں کسی کا کوئی بیمار پڑا ہے اور موت وحیات کی صریح کشمکش میں ہے تو یہ معمولی سا کارڈ انہیں بحرحال 30 پیسے میں خریدنا پڑتا ہے۔

بنگلہ دیش بننے کے چیدہ چیدہ وجوہات

Factors Behind to Creotion of Bagla Desh

یہ سچ ہے کہ پاکستان کے بننے کے لیے جتنی قربانیاں مغربی پاکستان کے خطے نے دیں مشرقی پاکستان بھی اس ضمن میں پیش پیش رہا۔

1- قرارداد بھی اے کے فضل حق نے پیش کی جس کا تعلق بنگال سے تھا اور وہ اس وقت بنگال کا وزیراعظم تھا۔

2- پاکستان بنتے ہی قائداعظم کی حیات میں سیاستدانوں نے اقتدار کی بندر بانٹ شروع کر دی تھی۔

3- قائداعظم کی وفات کے بعد مشرقی پاکستان میں جگتو فرنٹ قائم ہوئی اس کی پشت پناہی بھارتی قونصلٹ کر رہا تھا جو متواتر اس فرنٹ کو مالی اور حربی امداد پہنچا رہا تھا۔

4- فضل حق جگتو فرنٹ میں شامل ہوگیا اس نے دس نکاتی پروگرام پیش کیا جس میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا ایشو بالکل واضح تھا لہذا کہنا بے جانہ ہوگا کہ علیحدگی کا اعلان 1953ء میں کر دیا گیا تھا جس نے مختلف مراحل طے کیے۔

5- فضل حق نے 1953ء میں نورالدین (مشرقی پاکستان کے وزیراعلیٰ) کی حکومت بعض سازشوں کے تحت ختم کرنے کی بھرپور کوشش کی مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ لہذا اس نے ناکامی پر دس نکاتی فارمولہ پیش کر دیا۔

6- جگتو فرنٹ میں عوامی لیگ۔ گن تنتری دل، کمیونسٹ پارٹی، نظام اسلام پارٹی اور کراشک سرامک نام کی پارٹیاں شامل تھیں لہذا یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ اس فرنٹ میں مشرقی پاکستان کی تمام اہم کرتا دھرتا پارٹیاں شامل تھیں۔

PakistaniLinks.com

7- جگتو فرنٹ میں شامل سیاسی پارٹیاں ایک دوسروں کے نظریات کی سخت مخالف تھیں مگر ان کا اس طرح اکٹھا ہونا محض ملک توڑنے کی سازش تھی۔

8- اس فرنٹ نے بنگالی اور غیر بنگالی کا نعرہ لگایا زبان کا مسئلہ اٹھایا اور اسے اتنا اہم بنا دیا کہ ملک ٹوٹتے ٹوٹتے ہی بچا مگر آخر کار ٹوٹ گیا۔

9- اس محاذ کا متفقہ فیصلہ تھا کہ مرکز دفاع، امور خارجہ اور کرنسی کے محکموں کو اپنے پاس رکھے۔ اور نیول ہیڈ کوارٹرز کو جلد از جلد مشرقی پاکستان کے حوالے کیا جائے۔

10- غریب بنگال اور امیر مغربی پاکستان کے نظریہ کو خوب اُچھالا گیا انہوں نے کہا کہ مغربی پاکستان مشرقی پاکستان کی دولت سمیٹ رہا ہے۔

11- پاکستان کے بننے کے وقت سہروردی نے عظیم تر بنگال کا نعرہ لگایا اور مئی 1947ء میں بنگال کا نقشہ پیش کیا مگر اس وقت علیحدگی کے حالات پیدا نہ ہو سکے لہذا سہروردی مایوس ہو گئے۔

12- لیاقت علی خاں نے اپنی بعض تقاریر میں سہروردی کے مذموم ارادوں کو فاش کیا اور انہیں صریحاً پاکستان کے مخالف گروہ کا نام دیا۔

13- جگتو فرنٹ کے مولانا بھاشانی۔ سہروردی اور فضل حق نے سرعام جلسے کئے اور مسلم لیگ کو سرعام تنقید کا نشانہ بنایا انہوں نے بنگالیوں کے دلوں میں وفاق سے نفرت کے بیج بونے شروع کر دیئے۔

14- جگتو فرنٹ کی عوامی مقبولیت دیکھ کر حکمرانوں نے انتخابات ملتوی کر دیئے جو ایک غلطی تھی۔

15- جگتو فرنٹ نے سیاسی خلفشاری کا بازار گرم کیا مظاہروں اور بعد میں فسادات کا سلسلہ شروع کیا انہوں نے اصول دیا کہ مرکزی حکومت تقسیم کرو اور حکومت کرو۔

16- سہروردی کے بعد مجیب الرحمان نے گھیراؤ اور جلاؤ کا سلسلہ جاری رکھا۔

17- مجیب الرحمان ایک شاطر آدمی تھا وہ پہلے بہت غریب تھا جب اسے مشرقی پاکستان کی وزارت ملی تو اس نے کرپشن سے خاصا روپیہ جمع کر کے اپنا دھان بنگلہ بنا لیا اس نے مشرقی پاکستان میں دہشت گردی اور صوبائی تعصب کو خاصی ہوا دی۔

18- 1965ء کی جنگ کے بعد جب صدر ایوب کی حکومت ہچکولے کھانے لگی اور مغربی پاکستان میں اس کی ساکھ گرتی گئی تو مجیب الرحمان نے علیحدگی کے آخری راؤنڈ کی تیاری شروع کر دی۔ اس سے قبل مجیب الرحمان بھارتی خفیہ ایجنسیوں اور بھارتی نیتاؤں (Leaders) کے پلان پر عمل کر چکا تھا۔

19- 1965ء کی پاک بھارت کی جنگ کے بعد مسٹر بھٹو اور مجیب الرحمان نے اکٹھے یہ تاثر پھیلانا شروع کر دیا کہ 1965ء کی جنگ کے دوران صوبہ مشرقی پاکستان بھارت کے رحم وکرم پر تھا

اگر چین نے بھارت کو الٹی میٹم نہ دیا ہوتا تو وہ یقیناً مشرقی پاکستان پر حملہ کر دیتا لہذا مشرقی پاکستان کا جنگ سے بچے رہنے میں مغربی پاکستان کا کوئی کمال نہ تھا۔

20- ڈاکٹر صفدر محمود اپنی مشہور زمانہ کتاب "Pakistan Divided" میں رقمطراز ہیں۔
"1965ء کی جنگ کے دوران گورنر مشرقی پاکستان جناب منعم خاں نے تعاون اور یک جہتی کے لیے حزب اختلاف کے ساتھ اجلاس منعقد کیا۔ اس اجلاس میں بھارت کے خلاف کوئی بات کہنے کی بجائے شیخ مجیب الرحمن نے منعم خاں کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے آپ کو آزاد بنگال کا صدر بننے اور مغربی پاکستان سے علیحدگی کا اعلان کر دے۔"

21- جنگ ستمبر پر سیاسی فوائد حاصل کرنے کی بنیاد پر مسٹر بھٹو اور عزیز احمد کو پروپیگنڈا کی بنا پر رخصت کیا گیا۔ بھٹو نے ایوبی ساکھ کو خراب کرنے کے لیے ملکی سالمیت کو خطرے میں ڈال دیا۔

22- بدنام زمانہ کتاب "ظہور بنگلہ دیش اور عوامی لیگ" کے بنگالی مصنف نے اپنی کتاب میں یہ تاثر دینے میں اہم کردار ادا کیا کہ جنگ کے بعد یہ نظریہ باطل ہو گیا ہے کہ مشرقی پاکستان کا دفاع مغربی پاکستان نے کیا تھا۔ بنگالی اس نتیجہ پر پہنچے کہ وہ جغرافیائی اور مواصلات کے لحاظ سے الگ تھلگ کئے ہوئے لوگ بن کر رہ گئے تھے اور وہ عدم تحفظ کا شکار بھی رہے لہذا ایک ڈویژن فوج اور محدود فوجی رسد (Reignforce) ان کے دفاع کے لیے ناکافی تھی۔

23- 1965ء کے متعلق بھارتی منصوبہ یہ تھا کہ ان کے منصوبے کا پلان پاک آرمی کے ہاتھ لگا اس میں ٹوپوگرافیکل حکمت عملی سے واضح ہوتا تھا کہ بھارت سب سے پہلے مغربی پاکستان پر تابڑ توڑ حملے کرے گا اور ستائیس گھنٹے کے اندر اسے فتح کرے گا اور بعد ازاں مشرقی پاکستان پر دھاوا بول دے گا مگر وہ اپنے پہلے ہی منصوبے میں کامیاب نہ ہوا تھا دوسرے مرحلہ میں جانا بے وقوفی تھی۔

24- جنگ کے ایام میں بنگالیوں کو جغرافیائی طور پر علیحدگی کا خوب احساس ہوا انہیں مرکزی حکومت پر معاشی انحصاری کا جواب بھی مل چکا تھا۔ لہذا جنگ سے پیدا ہونے والا معاشی بحران بنگالیوں کے لیے علیحدگی کا پیغام لایا۔

25- بنگالیوں نے سرعام کہا کہ ہمیں برباد ہونے کے لیے اکیلا چھوڑ دیا گیا تھا۔ لہذا جنگ کے اس علاقے میں بعد خورد ونوش کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں لہذا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ جنگ ستمبر 1965ء نے بنگلہ دیش کی علیحدگی میں کلیدی کردار ادا کیا تھا۔

PakistanMCQs.com

مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے سلسلہ میں معاشی حالات کا کردار

Role of Economic Conditions for Separation of East Pakistan

1950 تا 1960 کی دہائی میں بنائی جانے والے معاشی پالیسیوں نے بھی سقوط ڈھاکہ کی خاصی راہ ہموار کی۔ 1948ء ہی سے ملک میں بنائی جانے والی صنعت کاری کی پالیسی میں پرائیویٹ سیکٹر کو خاصی مراعات دی گئیں تھیں۔ اس انڈسٹرلائزیشن نے مشرقی پاکستان کی معیشت کو بکھیر کر رکھ دیا کیونکہ تاجروں کے ایسے متمول (یعنی مالدار) گروپس جنہوں نے بھارت سے پاکستان کے لیے ہجرت کی تھی وہ مغربی پاکستان میں آکر آباد ہوگئے تھے۔ علاوہ ازیں مشرقی پاکستان والے اس امر سے بھی نالاں تھے کہ ملکی مرکزی پالیسی بناتے وقت نوکر شاہی مغربی پاکستان ہی کو مراعات وتحفظات دے رہی ہے۔ اسپورٹ لائسنس بھی زیادہ تر مغربی پاکستانیوں کو دیئے جارہے ہیں۔ کوریا کی جنگ کے بعد جو پاکستانی درآمدات کو جو عروج حاصل ہوا اس سے اصل فائدہ مغربی پاکستان والے ہی اٹھا کر لے گئے ہیں۔ خاص طور پر اس وقت جب پاکستانی حکومت نے اپنے روپے کو De Value ہونے سے محفوظ رکھا۔ اس وقت مشرقی پاکستان میں مقیم تاجر صرف پٹ سن اور کپاس کی ہی برآمد کرتے رہے تھے ان دونوں اجناس کو اس وقت اونچے دام فروخت کیا گیا تھا۔ کیونکہ اس وقت پاکستانی روپیہ کی حیثیت Over Value ہوگئی تھی لہذا جب اس پالیسی سے روپیہ ہاتھ لگا تو مغربی پاکستان کے تاجروں نے اس کے بل بوتے پر صنعت کاری کے عمل میں قدم اور زیادہ مضبوط کر لیے۔ جب حکومت نے پاکستان انڈسٹریل ڈویلپمنٹ کارپوریشن کو فروغ دیا تو اس ضمن میں بھی مغربی پاکستان والے صنعت کے عمل میں مزید چھا گئے انہوں نے اونی کپڑے، چینی، کیمیکل، فوڈ ایٹمز ٹیلی فون سیمنٹ اور کھاد کی صنعتوں میں ترقی حاصل کر لی۔

گورنمنٹ کی بنائی ہوئی انوسٹمنٹ پالیسیوں کی بدولت زیادہ فائدہ مغربی پاکستان کو حاصل ہوا اس دھائی میں مشرقی پاکستان میں پبلک اور پرائیویٹ سیکٹر کے مدنظر 26 فی صد سرمایہ کاری ہوئی۔ اس وقت سرمایہ کاری کا 2.5 بلین روپیہ مشرقی پاکستان میں گردش عمل کرتا رہا اس کے علاوہ صنعتی سیکٹر میں مغربی پاکستان کا حصہ 8.9 بلین روپے تک پہنچ گیا۔

دوسرے اور تیسرے پانچ سالہ منصوبوں کے دوران بھی مشرقی پاکستان کے حصے میں محرومی دیکھنے میں آئی۔ یہ محرومی مسلسل اور نہ قابل تبدیل قسم کی تھی۔ نوکریوں کے معاملے میں بھی مشرقی پاکستان کو کھٹائی میں رکھا گیا۔ 1954ء کے الیکشن بھی قریب آگئے مگر پالیسیاں پرانی ڈگر پر چلتی آرہی تھیں لہذا ملک میں آمرانہ طرز عمل پیدا ہو چکا تھا۔ جب 1962 کا آئین بنایا گیا تو اس وقت بھی مشرقی پاکستان کے ماہرین سے چنداں صلاح مشورہ نہ کیا گیا۔ دوسرے معاشی منصوبے میں مشرقی پاکستان میں سرمایہ کاری اور اخراجات کا 32% مشرقی پاکستان کے حصہ میں آیا تیسرے پلان میں یہ بڑھ کر

36% ہوگیا۔

1960-65 کے تیسرے پانچ سالہ منصوبے میں مغربی پاکستان میں فی کس ترقیاتی اخراجات کا تخمینہ 521.05 بلین روپے لگایا گیا جبکہ مشرقی پاکستان کے ہمہ میں 240 بلین روپے لگایا گیا۔

یہ بات بھی اظہر من الشمس تھی کہ مغربی پاکستان کی نوکر شاہی پالیسی کے ضمن میں خاصی اثر اندازی کی حامل تھی۔ وفاقی دارالحکومت نے ایک پالیسی ترتیب دی تھی جس کے تحت پاکستان کے ڈاکٹرز کو مزید مہارت میں اضافہ کرنے کے لیے بیرون ممالک بھجوانے کا پروگرام تھا لہٰذا اس ضمن میں بھی مشرقی پاکستان کے ڈاکٹروں سے بیوروکریسی کی وجہ سے سوتیلی ماں کا سا سلوک کیا گیا لہٰذا محرومیاں اور نفرتیں بڑھتی گئیں۔ ہیلتھ، ایجوکیشن زراعت اور فنانس کے شعبہ جات میں مغربی پاکستان کو خاصی مراعات دی گئیں۔

سالہائے 61 - 1960 تا 69 - 1968

	کسٹم	سنٹرل ایکسائز	سیلز ٹیکس	انکم ٹیکس	اسٹیٹ ڈیوٹی	ویلتھ ٹیکس	بحالیات ٹیکس	میزان
مشرقی پاکستان	32492	21194	15588	10548	24	85	593	80524
								% 26.4
مغربی پاکستان	61239	70481	43354	46336	256	622	418	323706
								% 73.6

نوٹ ویلتھ ٹیکس 64-1963ء اور بحالیات ٹیکس 65-1964 میں عائد کیا گیا بارہا الزام دھرایا گیا کہ مشرقی پاکستان کے بنکوں میں جمع نجی سرمایہ مغربی پاکستان منتقل کیا جارہا ہے۔ مشرقی پاکستان کے شیڈول بنکوں میں نجی ڈیپازٹ کے اعداد وشمار ظاہر کرتے ہیں کہ 1962 تا 1969ء کے درمیانی عرصے میں (1962ء کے ماسوائے جس میں تقریباً ڈھائی کروڑ روپیہ کی مالیت کے ڈیپازٹ زیادہ تھے) قرضہ جات کی مالیت ڈیپازٹ سے کروڑوں روپے زیادہ تھی اور اس میں ہر سال تیزی سے اضافہ ہوتا رہا تھا دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا تھا کہ مشرقی پاکستان کے شیڈول بنک اپنی مغربی پاکستان کی شاخوں میں فراہم شدہ ڈیپازٹ کو مشرقی پاکستان میں اپنے گاہکوں کو قرضہ جات کی سہولتیں مہیا کرنے کے لیے مشرقی پاکستان منتقل کر رہے تھے۔

مشرقی پاکستان میں ترقی نہ ہو سکنے کی وجہ بجلی بھی تھی کیونکہ 1948ء میں مشرقی پاکستان میں بجلی کی پیداوار صرف 7673 کلوواٹ تھی جبکہ مغربی پاکستان میں یہ مقدار 58610 کلوواٹ کے برابر

Iqrauniversity.edu.pk

تھی مشرقی پاکستان میں مختلف ٹکڑوں میں جو سڑکیں موجود تھیں ان کی مجموعی لمبائی 240 (دوسو چالیس) میل تھیں اور مغربی پاکستان میں یہ 5053 میل کے لگ بھگ تھیں چاٹگام کی بندرگاہ انتہائی غیر ترقی یافتہ قسم کی تھی غیر منقسم بنگال میں اس وقت درآمدات وبرآمدات کے لیے کلکتہ کی بندرگاہ استعمال کی جاتی تھی۔

صنعتی تقابل

	رجسٹر فیکٹریوں کی تعداد	مزدوروں کی اوسط یومیہ نفری	کان کنی اور صنعتی پیداوار
مشرقی پاکستان	341	55078	215لاکھ روپے
مغربی پاکستان	1045	117355	388لاکھ روپے

مشرقی پاکستان میں نجی سرمایہ میں ہمیشہ کمی محسوس کی گئی لہذا مشرقی پاکستان میں مجبوراً چینی اور سیمنٹ کے کارخانے پبلک سیکٹر میں تعمیر کیے گئے حالانکہ مغربی پاکستان میں یہی کارخانے پرائیویٹ سیکٹر کے پاس تھے۔

مشرقی اور مغربی پاکستان میں فی کس جی ڈی پی کا تجزیہ

1959,60 مستقل قیمتوں کی بنیاد پر

سال	فی کس GDP مشرقی پاکستان	فی کس GDP مغربی پاکستان	مغربی پاکستان محرومی کی زد میں	محرومی کا انڈکس
1959,60	269	355	1.32	100
1960,61	277	363	1.31	97
1961,62	286	376	1.31	97
1962,63	277	393	1.42	111
1963,64	299	408	1.36	113
1964,65	293	426	1.45	141
1965,66	295	427	1.45	141
1966,67	290	448	1.54	169

سال	فی کس GDP مشرقی پاکستان	فی کس GDP مغربی پاکستان	مغربی پاکستان محرومی کی زد میں	محرومی کا انڈکس
1967,68	307	468	1.52	163
1968,69	312	490	1.57	178
1969,70	314	504	1.61	191
اس دہائی میں گروتھ اور	17 %	42 %		
تیسرے پلان میں گروتھ کی کمی	7 %	18 %		

ذریعہ معلومات: پلاننگ کمیشن گورنمنٹ آف پاکستان

رپورٹ: ایڈوائزری پینل چارسالہ منصوبہ 1970-75 والیم نمبر 1 اسلام آباد جولائی 1970ء صفحہ نمبر 22

مشرقی پاکستان میں لوگوں اور سیاسی تجزیہ نگاروں کا خیال تھا کہ مشرقی پاکستان کو ایک منصوبے کے تحت تاریکی میں دھکیلا جا رہا ہے۔ یہ سب مغربی پاکستان کے پالیسی سازوں کی ایک سازش ہے۔ محض پالیسی میکرز کو موردالزام ٹھہرانا ایک حقیقت پسندانہ رجحان نہ تھا بلکہ اس کے پیچھے جغرافیائی سازگار حالات اور جیوپولیٹیکل عوامل کو مدنظر رکھنا بھی لازمی تھا۔ مغربی پاکستان کی اپنی ہی ایک ساکھ تھی زمین زرخیز اور جغرافیہ بھی قابل رشک تھا۔

زراعت کے شعبہ میں جب جدید سیڈ (Seed) ٹیکنالوجی کی وجہ سے مغربی پیداوار میں جنسی اضافہ ہوا تو مشرقی پاکستان والوں کو ایک اور دھچکا لگا۔ مغربی پاکستان والوں کی فی کس آمدنی اور فی ایکڑ پیداوار میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور بیچارے بنگالی یہ سب دیکھ دیکھ کر محرومی کے آنسو نکال رہے تھے۔

محبوب الحق کی رپورٹ

''ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ دونوں ونگز میں معاشی محرومیاں انتہا کو پہنچ گئی ہیں اگر فری مارکیٹ فورسز اس ضمن میں رہنما کردار ادا کرے تو یہ محرومیاں قدرے کم ہو سکتی ہیں۔ معاشی ترقی امیر علاقے میں تیز ہے جہاں انفراسٹرکچر اور سرمایہ وافر مقدار میں ہے۔ غریب علاقے سے جو پرائیویٹ سیونگ

Pakistanstudy.my

ہوئی تھی وہ بھی امیر علاقے کی طرف جارہی ہے۔ غیر ملکی سرمایہ کاری بھی امیر علاقے کو منتقل ہورہی ہے۔ غیر ملکی امداد اور قرضے بھی امیر علاقے کی جھولی میں ڈالے جارہے ہیں جہاں پر بڑے بڑے منصوبہ جات پر عمل کرایا جارہا ہے گورنر اس سلسلہ میں اہم کردار ادا کررہے ہیں۔"

1962ء کے آئین میں ان محرومیوں سے چھٹکارا پانے کے اقدامات کیے گئے تھے۔ مگر وہ بھی مصالحت کی نظر ہوگئے تھے۔ محبوب الحق نے حکومت کو مشورہ دیا تھا کہ اگر وہ غریب علاقے میں محرومیاں ختم کرنا چاہتی ہے تو اسے اپنی سوچ میں تبدیلی لانا ہوگی۔ چھوٹے پیمانے پر زراعت اور صنعت کے ذریعے غریب علاقے کو بتدریج ترقی دینا ہوگی بیکار لوگوں کو کام میں کھپانا ہوگا اور ان کو سہولیات کا پیکج دینا ہوگا۔ Gust ar Papanek جو اس وقت پاکستان پلاننگ کمیشن میں ایڈوائزر تھے انہوں نے برملا اس امر کا اظہار کیا کہ "اگر محرومیوں کا قلع قمع کرنا ہے تو ہمیں اس بارے میں ٹھوس ترقیاتی اقدامات سے استفادہ حاصل کرنا ہوگا۔ سب سے پہلے یہ کام کرنا ہوگا کہ اپنے وسائل میں سے کم تر علاقے کو زیادہ سے زیادہ مالی مفاد سے مستفید کرنا ہوگا اس علاقے کے عوام کو اہمیت دینا ہوگی اور ان کے لیے لمبی منصوبہ بندی کرنا ہوگی تاکہ وہ ذلت کے عذاب سے نکل سکیں۔"

حالانکہ تھرڈ پلان کو مرتب کرتے ہوئے ایوبی حکومت نے بہت سے امور کو مدنظر رکھا تھا اس ضمن میں صدر ایوب کے الفاظ کو واضح کرنا لازمی ہے جو انہوں نے مشرقی پاکستان کو مزید محرومیوں سے بچانے کے لیے فرمائے تھے۔ وہ کہتے تھے "اس میں کوئی ابہام نہ ہے کہ ہم نے ترقیاتی پروگرامز کے معاملے میں ماضی میں نیشنلائزیشن کو کم فروغ دیا تھا۔ نہ ہی سوشلزم جیسا دل لبھانے والا نعرہ اور نہ ہی پرائیویٹ سیکٹر میں مداخلت کرنے کا پروگرام پروان چڑھایا ہے لہٰذا گورنمنٹ کا منصوبہ ہے کہ وہ آہستہ آہستہ نجی سیکٹر کو اور نوکر شاہی پر کم ترجیح دے۔"

محبوب الحق نے اپنی رپورٹ میں مزید کہا تھا کہ قوم کے 66 فی صد صنعتی اثاثے، 80 فی صد بینکنگ اثاثے اور 79 فی صد بیمہ جات کے اثاثوں پر پاکستان کے 22 خاندانوں نے اپنا پر قبضہ جمالیا ہے۔ پاکستان میں ٹیکس ادا کرنے کا رجحان بہت خطرناک ہے ٹیکس کی مد میں جمع ہونے والی 2 فی صد رقم GNP کا حصہ بن رہی ہے۔ حالانکہ عام ترقی پذیر ممالک میں ٹیکس کا کردار 6 فیصد اور ترقی یافتہ مالک میں 17 فیصد ہے۔ پاکستان میں وسیع پیمانے پر سماجی ناہمواری کا راج ہو چکا ہے۔ اسی لیے پاکستان پیپلز پارٹی میدان میں آگئی ہے اور یہ سوشلزم کا پیغام دے رہی ہے 1970 کے انتخابات میں جب

سیاسی مولویوں کو شکست ہوئی تو عام تاثر تھا کہ لوگوں کو اسلام سے کوئی خاص لگاؤ نہ ہے وہ اسلام کو محض پوجا پاٹ کے طور پر استعمال کررہے ہیں۔ عام طور پر کہا جاتا تھا کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی بھی سیاسی و معاشی بنیاد پر ہوئی ہے۔ لہٰذا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ معاشی ناہمواری نے ذہنی ناہمواری کو جنم دیا جس کے باعث مشرقی پاکستان ہم سے علیحدہ ہوا۔

مشرقی پاکستان میں سول نافرمانی پھوٹنے کے اسباب

East Pakistan Towards the Civil War
or (Causes of Civil war in East Pakistan)

برصغیر میں پاکستان کا بن جانا وقتی جدوجہد کا نتیجہ نہ تھا بلکہ اس کے پیچھے ایک لمبی داستان تھی سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر بنگال والے پاکستان کے اتنے ہی خلاف تھے تو انہوں نے قائداعظم کی قیادت کیوں قبول کی پھر یکدم ایسے حالات کیوں پیدا ہوگئے؟ کہ ان میں احساس محرومی بڑھتا گیا۔ اگر ہسٹری کا مطالعہ اور حالات کا تجزیہ کیا جائے تو اس کے پیچھے بہت سے سیاسی، معاشی، سماجی، نفسیاتی، جغرافیائی، لسانی مسائل تھے جن کا ذکر پچھلے یونٹوں میں بھی کیا جاچکا ہے اب اس کی مزید تفصیل میں جانے کے لیے ہمیں ٹھوس شواہد سے مدد درکار ہوگی۔

بعض ناقدین نے کہا ہے کہ ملک میں بیوروکریسی اور فوجی حکومت کے گٹھ جوڑ نے مشرقی پاکستان کے علیحدگی کی راہ ہموار کی اس کے بعد سیاسی جماعتوں نے بھی کسر نہ چھوڑی لہٰذا جنرل الیکشن کے عمل نے تو بالکل ہی ایسی صورتحال پیدا کردی کہ اس کا علیحدہ ہونا ناگزیر ہوگیا تھا۔ آئین، صوبوں اور مرکز کے متعلق تحفظات کو ہمیشہ ہوا دی جاتی رہی۔ 1970ء کے عام انتخابات میں یہ بات واضح ہوگئی کہ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان جداگانہ تشخص کے حامل دو صوبے ہیں اگر انہیں قائم رکھنا ہے تو سیاستدانوں کو بالغ نظری کا ثبوت دینا ہوگا اور عارضی مسائل سے کنارہ کش ہونا ہوگا۔ مگر اقتدار کے بھوت، بھارتی سازشوں اور اندرونی نفسیاتی خلفشار نے ملک میں یکدم آگ سی لگادی آخر کار مشرقی پاکستان ہم سے علیحدہ ہوگیا۔ 1970ء کے الیکشن نے جلتی پر ایندھن کا کام کیا عوامی لیگ اٹنی مغربی پاکستان تحریک کی شکل اختیار کرگئی اور اس نے بڑے پیمانے پر گھیراؤ جلاؤ علیحدہ ہوجاؤ کے نعروں کو خوب ہوا دی۔

یہ سچ ہے کہ مغربی پاکستان مشرقی پاکستان سے زیادہ ترقی یافتہ صوبہ تھا اس کے پیچھے چھپی ہوئی سچائی کو کوئی تسلیم نہیں کرتا یہ کہ مغربی پاکستان کے قدرتی وسائل مشرقی پاکستان سے کہیں زیادہ بڑھ کر

تھے۔ جب پاکستان آزاد ہوا تو اس وقت بھی مغربی پاکستان مشرقی پاکستان کی بہت زیادہ ترقی یافتہ تھا۔ انگریز دور میں بھی بنگال کو جان بوجھ کر ترقی کے معاملے میں پیچھے رکھا گیا تھا۔ اس علاقے کی ترقی کی طرف کوئی خاص دھیان نہ دیا گیا۔ اس کے پرسڑکیں، ریلوے، کمیونی کیشن کے ذرائع اور صنعتی عمل پر بھی سنجیدگی سے دھیان نہ دیا گیا۔

مشرقی پاکستان کی جغرافیائی صورتحال بھی ایسی تھی جو کہ صنعت کاری کے سلسلے میں بھی غیر تسلی بخش تھی۔ کیونکہ مشرقی پاکستان کی بیشتر زمین دریاؤں اور ندیوں کی آئینہ دار اور اہم فصلوں کے لیے غیر موزوں قسم کی تھی۔ مشرقی پاکستان میں کمیونی کیشن کا نظام بھی بہتر نہ تھا لہٰذا سیلاب کے دنوں میں دریا اپنے کناروں سے نکل کر تباہی مچانے اور خلیجی (gulf) سائیکلون تمام ساحلی علاقے کی سرگرمیاں اُلٹ پلٹ کر دیتے تھے۔ سیلاب اور سائیکلوں مشرقی پاکستان کی باقاعدہ علامت بن گئے تھے لہٰذا یہ دو عناصر ہر سال، جانی، مالی اور فصلوں کی تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوتے تھے۔ ان عناصر نے مشرقی پاکستان کی معیشت کو اس حد تک دھچکا لگایا کہ غربت اور غیر ملکی امداد اس خطے کا مقدر بن کر رہ گئی تھی۔ ماہرین معاشیات مشرقی پاکستان میں ایسے معاشی منصوبوں کے اطلاق کا پروگرام بناتے رہتے تھے کہ ان کا نتیجہ جلد سامنے آئے مگر بے سود۔ جغرافیائی اور سیاسی حالات کی وجہ سے وہاں سرمایہ دار سرمایہ کاری کرنے میں ہچکچاتے تھے۔

پاکستان میں صنعت کاری اور کاروباری کی طرف توجہ اکثر انہی خاندانوں نے دی جو بھارت سے ہجرت کر کے مغربی پاکستان آباد ہو چکے تھے۔ مشرقی پاکستان میں بزنس کلاس بہت کم تھی۔ اگر کوئی سرمایہ دار مشرقی پاکستان میں صنعت کاری کے سلسلہ میں جاتا بھی تو وہاں پر موجود سیاسی جماعتیں ایسے حالات پیدا کر دیتی تھیں کہ وہ وہاں سرمایہ کاری کرنے کو معاشی قتل کے مترادف قرار دیتا تھا۔ حالانکہ ایوب خاں کے دور میں نجی سیکٹر کو صنعتکاری کے عمل میں تحفظات دیئے گئے تھے جس کی بنا پر بعض نجی افراد نے صنعت لگانے کے لیے مشرقی پاکستان کا رخ کیا مگر جب اسی وقت مجیب نے اپنا چھ نکاتی فارمولہ پیش کیا تو یہ بددل ہو کر واپس آ گئے۔

مشرقی پاکستان کے سیاسی عمائدین اور ماہرین معاشیات نے حقیقت سے چشم پوشی کی انہوں نے اس نظریہ کو بالکل تسلیم نہ کیا کہ مشرقی پاکستان کے تاریخی معاشی اور موسمیاتی (Climatic) حالات ایسے ہیں کہ اس خطے میں جلد خوشحالی اور معاشی ترقی کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا تھا۔ انہوں نے

رہا ہے۔ لہٰذا لوگوں میں تاثر عام تھا کہ مغربی پاکستان جان بوجھ کر مشرقی پاکستان کو معاشی پسماندگی کی طرف دھکیل رہا ہے اس کے بعد انہوں نے زبان کا مسئلہ کھڑا کر دیا۔

مشرقی پاکستان کے سیاسی عمائدین نے مرکز کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیا اور مشرقی پاکستان کے مداوے کے ضمن میں ایک بہت لمبی لسٹ جس کو مسائل کا حل کہا جاتا تھا، مرکز کو تھما دی کیونکہ بے جا خلفشاری کا بازار گرم کیا جا رہا تھا۔ انہوں نے اس امر کا واویلا کرنا شروع کر دیا کہ نوکر شاہی اور آرمی مل کر پالیسیاں بنا رہی ہے اور مشرقی پاکستان کو غیر ملکی مدد اتنی نہیں دی جا رہی جس کا وہ حقدار ہے لہٰذا اس طرح مشرقی پاکستان ترقی کے معاملہ میں کھٹائی میں پڑا ہوا ہے۔ 1965ء کی جنگ کے بعد پاک انڈیا تجارت بھی معطل ہو کر رہ گئی تھی۔ کیونکہ عوامی لیگ کی خواہش تھی کہ ان کے بھارت کے ساتھ اچھے تجارتی تعلقات ہوں۔ مجیب الرحمان نے ایک غیر ملکی اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے برملا اس بات کا اظہار کیا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ بنگال اور بھارت کی ضرورت ہے کہ وہ قدم بقدم چلیں جیسا کہ یو ایس اے اور کینیڈا (Canada) آپس میں چل رہے ہیں دوسری طرف انہوں نے کہا کہ بنگالیوں کی محرومیوں سے ہم نگاہیں نہیں چرا سکتے اس ضمن میں ہم نے مغربی پاکستان سے برابری کے تعلق سے بات چیت شروع کر رکھی ہے۔ اور ایک فارمولہ دیا ہے تا کہ ہماری محرومیوں کا کوئی حل نکل آئے۔ بنگالی دن بدن معاشی طور پر کمزور ہوتے جا رہے ہیں اور ان کی فی کس آمدنی میں بھی حیرت انگیز طور پر کمی واقع ہوتی جا رہی ہے۔

دسمبر 1967ء میں مشرقی پاکستان کے کچھ لوگوں کو اس بنیاد پر گرفتار کر لیا گیا کہ وہ علیحدہ بنگلہ دیش کا نعرہ بلند کر رہے تھے۔ مئی 1968ء میں مزید لوگوں کو گرفتار کیا گیا اس طرح ان مجرموں کی تعداد 35 ہو گئی۔ مجیب الرحمٰن کو آگرتلہ سازش کے ضمن میں پہلے سے ہی نظر بند کر لیا گیا تھا۔

آگرتلا سازش کیس:

چھ جنوری 1968ء کو ملٹری انٹیلی جنس کی اطلاع پر مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا سازش کے الزام میں 28 افراد کو گرفتار کر لیا گیا۔ ان افراد میں عام شہریوں بحریہ کے افراد اور نان کمشنڈ افسران کے علاوہ سول سروس کے دو اعلیٰ افسران روح القدس اور احمد فضل الرحمٰن اور ایک نیول افیسر لفٹیننٹ کمانڈر، معظم حسین شامل تھے۔ ملٹری انٹیلی جنس کے مطابق ان افراد نے ڈھاکہ میں بھارتی ہائی کمیشن کے ایک افسر پی این اوجھا کے ساتھ مل کر مشرقی پاکستان کی سازش تیار کی تھی اور اس کی منصوبہ بندی کے ضمن میں

Pakistanmaterial.com

وہ بھارتی ریاست تری پورہ کے دارلحکومت اگرتلہ بھی گئے تھے ملٹری انٹیلی جنس نے اس سازش کے سلسلہ میں محکمہ داخلہ کے انٹیلی جنس بیورو (I.B) کے علاوہ کسی غیر فوجی ادارے کے اعتماد میں لینا مناسب نہ سمجھا اور اس معاملہ کی تمام تر کارروائی بی ایچ کیو میں یحییٰ خان کی براہ راست نگرانی میں ہوتی رہی دوران تفتیش انکشاف ہوا کہ مقصد کی تکمیل کے سلسلہ میں مجرمین نے کافی اسلحہ اور روپیہ حاصل کرنا تھا۔ یہ بھی بات منظر عام پر آئی کہ اس سازش میں ملوث افراد نے خاصا روپیہ بھارت سے بٹور بھی لیا تھا۔ یہ رقم مسٹر بھوپت بھوشن۔ چودھری عرف مانک چودھری خازن سے ضلعی لیڈر عوامی لیگ چاٹگام سمیت دیگر گرفتار شدگان کے ذریع پہنچائی گئی۔ اس سازش میں ملوث افراد نے اعتراف جرم بھی کرلیا تھا۔

مجیب الرحمان اور اس کے ساتھیوں کو ڈیفنس آف پاکستان رولز کے تحت نظر بند کرلیا گیا تھا۔

21 اپریل 1968ء کو صدر ایوب نے اگرتلہ سازش کے مقدمہ کی سماعت کے لیے ایک خصوصی ٹریبونل قائم کیا اس کا باقاعدہ آرڈر قانون ترمیم فوجداری (خصوصی ٹریبونل) آرڈیننس کے ذریعے قائم کیا گیا۔ یہ ٹریبونل چیف جسٹس مسٹر جسٹس ایس اے رحمان چیئرمین اور مشرقی پاکستان کے جج مسٹر جسٹس مجیب الرحمان (رکن) اور مسٹر مقسوم الحکیم رکن پر مشتمل تا۔ آرڈیننس میں کہا گیا تھا کہ اس ٹریبونل کے اجلاس ڈھاکہ (چھاؤنی) میں ہوں گے یہ خصوصی ٹریبونل اعلیٰ اختیاراتی عدالتی ادلدہ ہوگا۔ اس کے سامنے جو مقدمہ آئے گا اس ضمن میں اسے ہائی کورٹ کے اختیارات حاصل ہوں گے نیز اس عدالت کو توہین عدالت کے جرم میں سزا دینے کا اختیار بھی حاصل ہوگا آرڈیننس میں یہ بھی واضح تھا کہ جو مقدمات اس ٹریبونل کے دائرہ اختیار میں ہوں گے ان کی سماعت کسی اور عدالت میں نہ ہوگی اور ٹریبونل جلد جلد فیصلے کا اعلان کرے گا۔ 19 جون 1968ء کو ڈھاکہ اگرتلہ سازش کیس کی باقاعدہ سماعت ہوئی تو اس وقت گرفتار شدگان کی تعداد 35 ہو چکی تھی۔ اس سازش کے مجرموں کے نام درج ذیل ہیں۔

شیخ مجیب الرحمٰن لیفٹیننٹ کمانڈر معظم حسین، اسٹیو ورڈ مجیب الرحمان، ایل ایس سلطان الدین احمد، ایل سی نور محمد، ایس پی افسر احمد فضل الرحمٰن، فلائٹ سارجنٹ مفیض اللہ، کارپورل ابوبشر محمد عبد احمد، سی ایس پی افسر روح القدس، سارجنٹ محمد فضل حق، بھوپت بھوشن، چودھری عرف مانک چودھری، بدھان کرشن سین، صوبیدار عبدالرزاق، حوالدار مجیب الرحمٰن فلائیٹ سارجنٹ محمد عبدالرزاق، سارجنٹ ظہور الحق، حوالدار دلیل الدین، اے بی خورشید، رسالدار شمس الحق، حوالدار عزیز الحق، ایس اے محفوظ الباری، سارجنٹ شمس الحق، میجر شمس العالم کیپٹن محمد عبدالمطلب، کیپٹن شوکت علی، کیپٹن انجم الہدی، کیپٹن نورالزماں، سارجنٹ عبدالجلیل محبوب الدین چودھری، لفٹیننٹ ایم ای رحمان، سابق سابق

صوبیدار تاج الاسلام، محمد علی رضا، کیپٹن خورشید الدین احمد، فرسٹ لفٹیننٹ عبدالروف اور سی ایس پی افسر ایم شمس الرحمان، اس سازش میں شریک 9 افراد وعدہ معاف گواہ بن گئے۔ اس سازش کے مقدمہ کی استغاثہ کے پینل کی قیادت پاکستان کے سابقہ وزیر خارجہ منظور قادر کررہے تھے جبکہ استغاثہ کے دوسرے وکلا میں ٹی ایچ خاں، عبدالعلیم، خاقان بابر، اور گروپ کیپٹن محمد اسلم شامل تھے۔ وکلا صفائی کے پینل میں عبدالسلام خاں، علاء الرحمان خاں، مرزا غلام حفیظ، محمد اسماعیل، ظہیر الدین احمد، شیخ عزیز الرحیم اور کئی دوسرے وکلا شامل تھے، مقدمے کے ابتدائی ایام میں کونسل صفائی کی جانب سے مسٹر ٹامس ولیم بھی پیش ہوتے رہے۔

استغاثہ کی فرد جرم کے مطابق یہ معاملات شامل آئے کہ اس سازش کا دائرہ کار یہ تھا۔

1- بھارت سے ساز باز ہو کر اسلحہ اور روپیہ حاصل کرنا۔

2- اس اسلحہ کو پاکستان کے مشرقی حصے کے لیے استعمال کرنا تاکہ وہاں بنگلہ دیش کی ریاست وجود میں آئے۔

3- ان مقاصد کی تکمیل کے لیے پاک آرمی کے افسران کو لالچ دے کر اس سازش کا حصہ بنانا۔

4- ملزمان کا پاکستانی اسلحہ خانوں پر قبضہ کرنا۔

5- صوبے میں ابتری کی فضا پیدا کر کے مارشل لاء کی راہ ہموار کرنا۔

6- بھارت سے اس امر کی ساز باز کرنا کہ مشرقی پاکستان میں بغاوت پھوٹتے ہی بھارت مغربی پاکستان سے فضائی اور بحری راستے کو بند کردے گا اور اس طرح مشرقی پاکستان میں باغیوں کے ذریعے مکمل قبضہ کرالیا جائے گا۔

بعد میں معظم سے حاصل شدہ ڈائری سے بنگلہ دیش کا نقشہ اور پرچم، ترانہ بھی منظر عام پر آیا۔

استغاثہ نے فرد جرم ثابت کرنے کے لیے 251 گواہوں کی لسٹ عدالت کو دی عدالت نے 27 جنوری 1969ء کو باقاعدہ گواہوں کے بیان قلمبند کیے۔

دوران مقدمہ ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے مشرقی پاکستان میں بغاوت کی نئی فضا پیدا کردی 15 فروری 1969ء کو سازش کے دو ملزمان فلائٹ سارجنٹ فضل الحق اور سارجنٹ ظہور الحق نے قید کے دوران گارڈ پر حملہ کر دیا اور قید سے فرار ہونے کی کوشش کی گارڈ نے ان کے فرار ہونے کے عمل کو ناکام بنانے کے لیے دونوں پر فائر کھول دیا۔ اس سے دونوں ملزمان شدید زخمی ہوگئے لہذا ان میں سے ایک ملزم ظہور الحق زخموں کی تاب نہ لاکر ہلاک ہوگیا۔

Pakistanlearning.com

اس کے مرنے کی اطلاع پر مشرقی پاکستان کے عوام مشتعل ہو گئے مظاہرین نے ڈاک بنگلے پر حملہ کر کے اسے خاکستر کر دیا۔ اس بنگلے میں جسٹس ایس اے رحمان وغیرہ ٹھہرے ہوئے تھے انہوں نے جان کی امان چاہتے ہوئے اگلے دن ڈھاکہ سے لاہور کی طرف کا سفر شروع کر دیا۔ اس مقدمہ میں مجیب کو سزا ہونا یقینی ہو چکی تھی۔ مگر جلاؤ گھیراؤ اور دن بدن کے ہنگاموں نے صدر ایوب کو مجبور کر دیا کہ وہ یہ مقدمہ واپس لے لیں۔

جغرافیائی مسئلہ:

دونوں حصوں میں ایک ہزار (1000) میل کا فاصلہ اور درمیان میں بھارت جیسا ملک لہذا ایسے حالات پیدا ہو جانا ایک فطری عمل بھی تھا۔ جغرافیائی فاصلے نے دونوں ونگز میں احساس محرومی اور تفریق کے عمل کا احساس اُجاگر کیا۔ علاوہ ازیں علامہ عنایت اللہ مشرقی نے 1965ء میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ جغرافیائی نتیجہ میں پیدا ہونے والی خلیج کو پر کرنے کے لیے ملک کے دونوں حصوں سے دس دس لاکھ آدمی ایک سے دوسرے حصے میں آباد کر دیے جائیں تا کہ تہذیبی اور ثقافتی یک رنگی پیدا ہو سکے۔ تاہم ان کی اس تجویز پر کسی نے کان نہ دھرا اگر ان کی تجویز مان لی جاتی تو بھی سانحہ 1971ء کی نوبت نہ آتی۔ جغرافیائی فاصلے کا فائدہ سازشیوں کو خوب ملا۔ بنگالی دانشور محمد عبدالودود بھوپان نے اپنی مشہور زمانہ کتاب "Amergency of Bagles and the Role of Awami Leagece" میں لکھا تھا۔

"پاکستان کے حکمران اردو کو واحد قومی زبان کے طور پر اختیار کرنے کا بے جا اصرار کرتے رہے تھے۔ حالانکہ آبادی کا صرف چھ فیصد طبقہ اردو بولتا تھا۔ اور 54 فی صد بنگالی بولتے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر ہماری لیڈر شپ پاکستان سے مخلص ہوتی تو وہ زبان اور ثقافت کے معاملے میں بنگالیوں پر جبر اور اصرار نہ کرتے تو بنگلہ دیش نہ بنتا۔ اس فیکٹر کو ہندوؤں نے اپنا ہتھیار بنایا اور مشرقی پاکستان میں اپنے پنجے مضبوط کیے۔ بنگال میں رہنے والے ہندو تو بنگال میں رہ گئے۔ مگر ان نے اپنے اہل وعیال کو مغربی بنگال بھیج دیا۔ بنگالی ہندوؤں نے نظریہ پاکستان کے خلاف خوب بازار گرم کیا۔

اقبال کی جگہ ٹیگور کو اپنا شاعر بنانے پر اصرار کرتے رہے۔ بنگال بھی آہستہ آہستہ ان کی ثقافت میں رنگتے گئے اور اسلام کا رشتہ کمزور ہوتا گیا لہذا بنگلہ دیش وجود میں آ گیا خواجہ افتخار اپنی مشہور زمانہ کتاب "دس پھول ایک کانٹا" میں رقمطراز ہیں "ہندو مسلمانوں کا ہی نہیں بلکہ نسل انسانی کا دشمن

نمبر 1 ہے اُس نے اپنے ناپاک اور مذموم ارادوں کی تکمیل کے لیے مشرقی بنگال میں ایسے گم کردہ راہ لوگوں کی تلاش شروع کر دی جو وہاں کے مسلمانوں کی حکومت کیخلاف اس گھناؤنے مقاصد کی تکمیل کے لیے راہ ہموار کر سکیں۔ چنانچہ ان کو اپنے منصوبے میں رنگ بھرنے کے لیے ان ہندو اساتذہ کا تعاون حاصل ہو گیا جو ڈھاکہ یونیورسٹی اور اس کے ملحقہ کالجز کے علاوہ صوبے بھر کے سکولز میں درس وتدریس کے کام پر معمور تھے ان ہندو اساتذہ نے وہاں کے مسلمان طالب علموں کو نصابی تعلیم سے بے بہرہ رکھنے کے لیے ان کی اس طرح (Brain Washint) برین واشنگ کی کہ مشرقی پاکستان کے مسلمان نوجوانوں کی اکثریت ہندوؤں کے دام فریب میں آ گئی۔"

عوامی لیگ کا چھ نکاتی فارمولہ

1966ء میں لاہور میں منعقد شدہ کانفرس حزب اختلاف میں چھ نکات پیش کیے گئے جنرل فضل مقیم اس بم سے تشبیہ دیتے تھے وہ کہتے تھے کہ اس سے سیاسی میدان میں ایک زلزلہ سا آ گیا ہے۔

مجیب الرحمٰن نے ان نکات کے پروپیگنڈا کے ضمن میں خاصی دادوصول کی وہ نکات یہ تھے۔

1- وفاقی پارلیمانی طرز کا نظام قائم کیا جائے۔ قومی اسمبلی براہ راست طریق انتخاب کے ذریعے منتخب ہو اور اس میں صوبوں کو نمائندگی آبادی کی بنیاد پر دی جائے۔

2- وفاقی حکومت کے پاس صرف دفاع اور امور خارجہ کے محکمہ جات ہوں۔

3- ملک کے دونوں حصوں میں الگ الگ کرنسی کا اجراء کیا جائے اور اگر ایک ہی قسم کی کرنسی رائج کی جائے تو مشرقی پاکستان سے مغربی پاکستان کی طرف دولت کی منتقلی کی روک تھام کے لیے دستوری تحفظات مہیا کیے جائیں اس مقصد کے لیے دونوں ونگز میں الگ الگ ریزرو بنک (Reservs Banks) قائم کیے جائیں۔

4- ٹیکس لگانے کا حق صرف صوبوں کو ہی حاصل ہو اور مرکزی حکومت کو اس کی ضروریات کے تحت جمع شدہ ٹیکس میں حصہ دیا جائے صوبے اپنی معاشی پالیسی خود وضع کریں۔

5- زرمبادلہ پر دونوں صوبوں کا کنٹرول ہونا چاہیے تاہم وفاقی حکومت کی زرمبادلہ کی ضروریات طے شدہ تناسب سے پوری کی جائیں، صوبائی حکومتیں بیرون حکومتوں سے تجارتی تعلقات قائم کرنے، تجارتی مشن بھیجنے اور تجارتی سمجھوتے کرنے میں بااختیار ہوں (دونوں

PakVarsity.com

صوبائی حکومتوں کی زرمبادلہ کی آمدن کے الگ الگ حسابات کا نظام قائم کیا جائے)۔

6۔ صوبائی حکومتوں کو قومی سالمیت میں بھرپور کردار ادا کرنے کے لیے ملیشیا یا نیم فوجی فورس قائم کرنے کا اختیار حاصل ہو۔

مجیب الرحمان ان نکات کے متعلق مشہور کرتا رہا کہ یہ ہر بنگالی کے دل کی آواز ہے کبھی ان کا خالق مرکزی حکومت کو قرار دیتا اور کبھی اس کو الطاف گوہر کے پلڑے میں ڈالتا لہٰذا یہ بھی اس کی سازش تھی ان نکات کا مقصد ہی پاکستان کی علیحدگی مراد تھی۔ان چھ نکات کے سبب اس نے اپنی باغیانہ کوششیں اور تیز کر دیں۔ چھ نکات کی بنیاد پر اسے بیرون ممالک اور خاص طور پر بھارت میں بڑی پزیرائی ملی یہ بھی سچ ہے کہ اس نکات کے پیچھے تعاون تو بھارت ہی کر رہا تھا دلندن ٹائمز کو انٹرویو دیتے ہوئے مجیب نے واشگاف الفاظ میں کہا کہ یہ نکات سیاسی طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہوں گے۔ جب بھارت میں شاستری کا انتقال ہوا تو مجیب نے بھارت جا کر ہندوؤں کے لیڈروں سے مل کر پاکستان کے خلاف خوب زہر اُگلا وہ کہتا پھرتا تھا کہ یہ نکات ظالم طبقے کے خلاف مظلوموں کی دلدوز آوازیں یہ بنگالیوں کے اعلیٰ حقوق ہیں جس کے انحراف سے تباہی بھی بتاہی برپا ہوگی۔

مجیب الرحمان ان نکات کے بل پر سیاسی کرتب دکھاتا ہی رہا تھا کہ دسمبر 1967ء کو ایوب خاں نے مشرقی پاکستان کے دورے پر چلے گئے تو اسی دوران ان کے طیارے کو اغوا کرنے اور انہیں قتل کرنے کی کوشش کی گئی جس میں وہ بچ گئے۔اس سازش میں شامل بعض افراد کو گرفتار کر لیا گیا۔

1970ء کا سائیکلونی طوفان:

1970ء میں قدرتی آفت کے طور پر سائیکلون نے مشرقی پاکستان کے وسیع حصے میں خاصی تباہی مچائی اس طوفان نے مشرقی سیاسی عمائدین کو ایک سنہری موقع فراہم کر دیا۔جس کے ذریعے مغربی پاکستان کے لوگوں کو سخت نفرت کا نشانہ بنایا گیا۔اس طوفان سے ملین کے قریب لوگ ہلاک ہوئے اور تقریباً 1 ملین کے قریب بے گھر اور پریشان حال ہو گئے۔ بنگالیوں نے اس کا ذمہ دار بھی مرکزی حکومت کو قرار دیا مرکزی حکومت وقت پر متاثرہ لوگوں کی امداد نہ کر سکی عوامی لیگ نے اس ایشو سے خاصا فائدہ اٹھایا اور سیاسی مہم میں واشگاف انداز میں کہا "اس دور میں بنگالیوں کا خون اور گوشت سستا ہو گیا ہے آئے دن ڈاکے اور فاقے ہمارا مقدر بن گئے ہیں۔ایسے لوگ جنہوں نے مشرقی پاکستان کو شکارگاہ بنا دیا ہے الیکشن میں انہیں عبرت ناک شکست دیں گے۔مغربی پاکستان نے 23 سال سے ہمارے ساتھ نا

انصافی اور ظلم کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ پاکستان کی تاریخ اصل میں سازشوں کی تاریخ بن چکی ہے۔ طوفان سے دس لاکھ لوگ مر گئے ہیں۔اور بچ جانے والے بیوروکریسی اور فوجی ظلم وستم کا شکار ہو رہے ہیں۔مغربی پاکستان کے سیاستدانوں کا رویہ جابرانہ اور حاکمانہ طرز کا ہے یہ لوگ جرائم پیشہ ہیں اور یہ بنگال کا استحصال کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہے ہیں۔"

الیکشن کے چند ماہ بعد مجیب الرحمٰن نے ڈھاکہ میں ایک خصوصی خطاب کیا جو خاصا مقبول ہوا اس میں آخر کار دل میں چھپی ہوئی بات باہر آ بھی گئی اس نے ان الفاظ کے ذریعے مغربی پاکستان کے خلاف زہر اگلا ملاحظہ ہو۔

"ملک میں آنے والی غیر ملکی امداد کا 80 فیصد مغربی پاکستان کے مفاد کے لیے استعمال ہو رہا ہے۔تمام درآمدات کا دو تہائی حصہ یا اس سے زائد 23 سال سے مغربی پاکستان کی جھولی میں ڈالا جاتا ہے۔گزشتہ سالوں بنگلہ دیش کی وجہ سے ہاتھ آنے والا 500 کروڑ کا زرمبادلہ بھی مغربی پاکستان ہڑپ کر چکا ہے۔ بنگلہ دیش کو 70 ملین روپے کی حفاظت کے لیے منڈی کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ حالانکہ انڈسٹری اور زراعت سے بھی زیادہ مستفید صرف مغربی پاکستان ہی ہو رہا ہے۔اس بے انصافی کی وجہ سے مغربی پاکستان نے بہت بڑی مقدار میں روپیہ اکٹھا کر لیا ہے۔ایک گھناؤنی سازش کے ذریعے بنگلہ دیش کی معیشت کو تباہ کیا جا رہا ہے ہمیں صرف قحط اور وباؤں وآفات کے سہارے مرنے کے لیے تنہا چھوڑ دیا گیا ہے ہماری حیثیت ملک میں کیڑے مکوڑوں کی سی ہے۔"

اصل میں الیکشن سے ایک سال قبل ہی عوامی لیگ نے لوگوں کے دلوں میں زہر بھرنے کا منصوبہ تیار کر لیا تھا۔دوسری طرف مغربی پاکستان کی سیاسی پارٹیاں عوامی لیگ کو اپنے اقتدار کے لیے خطرہ محسوس کر رہی تھیں۔کیونکہ اگر اسمبلی میں عوامی لیگ آئین بنائی تو اسے بھارتی آئین بھی کہا جا سکتا تھا۔بعض اوقات یحییٰ خاں نے عوامی لیگ کو ملٹری کے خلاف بھی استعمال کیا۔

الیکشن کے بعد عوامی لیگ نے اس امر کو دھرایا کہ وہ اپنے چھ نکات کے ضمن میں اس میں ترمیم کے سلسلہ میں ایک انچ بھی اپنے موقف سے نہیں ہٹے گی۔کیونکہ یہ بنگالی عوام کا فارمولہ ہے۔انہوں نے کہا کہ ہمیں اس فارمولے کی بنیاد پر نیا آئین تشکیل دیں گے ہم دیکھیں گے کہ ہمیں کون روکتا ہے۔

Pakistanmaterial.pk

پروفیسر مظفر احمد جو کہ عوامی لیگ کے ہر دل عزیز لیڈر تھے انہوں نے 1970ء کے انتخابات کے بعد کہا تھا۔ ''انتخابات میں یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ بنگالی کسی کالونی کے نظام کا حصہ نہیں بنیں گے۔''

1970 کے انتخابات کے بعد عوامی لیگ اور دوسری سیاسی جماعتوں کی صورتحال

الیکشن کے بعد عوامی لیگ نے اپنی پالیسی واضح کردی۔ اس پالیسی کے متعلق برسر اقتدار اور جنرل طبقہ خاصی تشویش کا شکار ہوگیا۔ انہیں چھ نکاتی فارمولہ ہرگز قبول نہ تھا۔ انہوں نے عوامی لیگ سے استدعا کی تھی کہ وہ 1970ء کا الیکشن اس امید کے ساتھ لڑے کہ ملک کی مکمل اکثریت ان کے ساتھ نہ ہے اور وہ کامیاب ہونے کے بعد مفاہمتی طور پر حکومت تشکیل دے گی مگر یہ مفروضے آخر کار ناکام ثابت ہونا شروع ہوگئے۔ یحییٰ خاں نے 11 تا 15 جنوری 1971ء کو مشرقی پاکستان کا دورہ کیا تا کہ وہ مشرقی پاکستان کی سیاسی صورتحال کا حقیقی اندازہ لگا سکیں۔ اس کی مجیب کے ساتھ ہونے والی بات چیت کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکی۔ کیونکہ مجیب نے مغربی پاکستان کی سیاسی جماعتوں اور آرمی کے ساتھ مل کر کام کرنے کو غلط قرار دے دیا تھا۔ بعد ازاں یحییٰ خاں لاڑکانہ تشریف لے گئے تا کہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کو صورتحال سے آگاہ کرسکیں۔

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو جو کہ مغربی پاکستان کے مضبوط سیاسی لیڈر تھے انہوں نے الیکشن کی مہم کے دوران چھ نکاتی فارمولے پر کوئی تنقید نہ کی تھی انہیں اس بات کا قوی یقین تھا کہ الیکشن کے بعد مجیب الرحمان نرم رویہ اپنائیں گے لہذا 27 جنوری 1971ء کو مسٹر ذوالفقار علی بھٹو ہوائی جہاز کے سفر کے ذریعے ڈھاکہ گئے تا کہ آئینی مسئلہ کا کوئی حل نکال سکیں اور چھ نکاتی فارمولے پر بات کرسکیں تا کہ لیک کا کوئی سامان ہوسکے کیونکہ پاکستان پیپلز پارٹی چھ نکاتی فارمولے کا عملی اطلاق نہ کرسکتی تھی۔ بھٹو اور مجیب کا اس ضمن کی کوئی اتفاق نہ ہوسکا مگر دونوں نے باہمی مشورے سے ایک حکمت عملی نکال لی تا کہ سیاسی مسئلے کا حل ہوسکے بھٹو نے یہ پختہ ارادہ کرلیا کہ وہ چھ نکات کی مخالفت کریں گے لہذا مجیب الرحمٰن خود مجبور ہوکر پیپلز پارٹی سے سمجھوتہ کرے گا اس نے 15 فروری 1971ء میں پشاور کانفرنس کے موقع پر پریس پر واضح کیا کہ اسکی پارٹی 3 مارچ 1971 کو قومی اسمبلی کے اجلاس میں حاضری نہ دے گی اگر کوئی میر اممبر اسمبلی ڈھاکہ گیا تو اس کی ٹانگیں توڑ دی جائیں گی بعد میں مرکزی کابینہ توڑ دی گئی نئے حالات

پر غور وخوض کے سلسلہ میں 21 فروری کو راولپنڈی میں مارشل لاء ایڈمنسٹریٹروں اور گورنروں کا ہنگامی اجلاس طلب کرلیا گیا۔

بعد میں عوامی لیگ نے چھ نکاتی فارمولے مین لچک دکھانے کے متعلق بھی اعلان کیا تھا۔ منیار پاکستان میں جلسہ کرتے ہوئے بھٹو نے قرار دیا تھا کہ لیگل فریم آرڈر کی یہ شق کہ 120 دنوں میں نیا آئین مرتب کیا جائے ممکن نہ ہو کیونکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ دونوں ونگز کے سیاسی قائدین پہلے بیٹھ کر اقتدار کے متعلق کوئی مناسب حل تلاش کریں۔ انہوں نے حکومت کو دھمکی دی کہ اگر P.P.P کے بغیر قومی اسمبلی کا اجلاس بلایا گیا تو اس کا بھیانک انجام نکلے گا۔ لہٰذا پی پی پی کے عہدیداروں نے ایسے پارلیمانی اراکان پر تنقید کرنا شروع کردی جو قومی اسمبلی کے اجلاس میں جانا چاہتے تھے۔

یحییٰ خاں اور اس کے مخالفین کو اس امر کا بخوبی علم ہوچکا تھا کہ چھ نکات کے معاملہ میں مجیب کی پالیسی بہت سخت ہے لہذا اس نے بعض طریقوں سے اس پر دباؤ ڈالنا شروع کردیا تا کہ وہ کسی سمجھوتے پر آجائے یحییٰ خاں نے فیصلہ کرلیا کہ یکم مارچ 1971ء کے قومی اسمبلی کے اجلاس کو موخر کردیا جائے کیونکہ مغربی پاکستان کی بڑی سیاسی پارٹی مختلف بہانوں حیلوں سے اجلاس میں شرکت کرنے سے گریزاں ہے۔ اس نے دونوں سیاسی جماعتوں کو عندیہ دیا کہ وہ مل بیٹھ کر سیاسی مسئلہ کا کوئی حل کرلیں۔ 5 دن بعد اس نے اعلان کیا کہ قومی اسمبلی کا اجلاس 25 مارچ 1971ء کو طلب کیا جائے گا۔ یحییٰ خاں نے اجلاس کو اس بنیاد پر موخر بھی کیا تھا کہ مجیب الرحمان نے پریس کانفرنس میں برملا اجلاس موخر کرنے کی استدعا کی تھی تا کہ وہ مغربی پاکستان نے سیاسی لیڈروں سے مل کر مسئلے کا حل تلاش کرسکیں دوسری طرف اجلاس کے ملتوی ہونے پر مشرقی پاکستان مین طوفان سا برپا ہوگیا مجیب الرحمان نے اعلان کیا کہ صوبے میں سول نافرمانی کی تحریک اس وقت تک چلائی جائے گی۔ جبکہ گورنمنٹ اپنے اقتدار سے دستبردار نہ ہو جائے۔ صوبے میں ہر قسم کی سرگرمی ختم کرنے کی التجا کی گئی۔ ٹرانسپورٹ بنک عدالتیں بند ہوگئیں صوبے کے اندر کمیونی کیشن کو منقطع کردیا گیا۔ پاکستان کا جھنڈا اور قائداعظم کے پورٹریٹ جلا دیئے گئے ور آزاد بنگلہ دیش کے نعرے فضا میں گردش کرنے لگے۔ مولانا بھاشانی جس نے الیکشن کا بائیکاٹ کیا تھا اور 3 ماہ سے اُسی نے مختلف سیاسی موضوعات پر بولنا بند کردیا تھا وہ یکدم منظر عام پر ظاہر ہوئے اور مکمل مجیب الرحمان کی حمایت کرنے لگے انہوں نے واشگاف الفاظ میں اس حقیقت کا اعادہ کیا کہ اب مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کی علیحدگی ناگزیر ہوچکی ہے۔ دونوں کا اکٹھا رہنا ناممکن ہوگیا ہے۔ اس طرح

PakistanWithUs.com

سنگین حالات پیدا ہو چکے تھے جنہوں نے بیک وقت کئی سیاسی بحرانوں کو جنم دیا مشرقی پاکستان میں یہ افواہ عام گردش کرنے لگی کہ ملٹری اور بھٹو کا گٹھ جوڑ ہو گیا ہے۔ اور یہ دونوں گروپس عوامی لیگ کو اسمبلی سے باہر نکالنے کا ہر حربہ استعمال کریں گے۔

1970ء کے الیکشن سے قبل بنگالی طلبہ نے بنگلہ دیش کے حق میں نعرے بازی شروع کر دی تھی کیونکہ مشرقی پاکستان کو آزاد بنگلہ کی صورت میں دیکھ رہے تھے الیکشن سے پہلے ہی مشرقی پاکستان کے لوگوں کے اذہان میں یہ بیج بویا جا چکا تھا کہ دراصل یہ انتخابات خالصتاً مشرقی پاکستان کی آزادی کے لیے ہیں لہذا آزادی کے بعد چھ نکاتی فارمولہ ہی اصل آئین کی روح ہوگا۔ اسمبلی کے اجلاس اس لیے ملتوی کیے جا رہے تھے کہ شاید بنگالی چھ نکات سے باز آ جائیں ایک رپورٹ کے تحت ''آزاد بنگلہ دیش'' کا منصوبہ بن چکا تھا۔ مگر مجیب کے کہنے پر اسے ظاہر نہیں کیا جا رہا تھا۔

2 مارچ 1971ء کو متحدہ وطن کا تصور دھندلا ہوتا جا رہا تھا۔ سنٹرل گورنمنٹ مشرقی پاکستان میں اپنی رٹ (writ) برقرار نہ رکھ سکی تھی۔ اصل میں مجیب الرحمان مشرقی پاکستان کا بے تاج بادشاہ (De Facto ruler) بن کر ابھر رہا تھا۔

سات نکاتی ایجنڈے کا مطالبہ:

7 مارچ 1971ء کو ڈھاکہ میں ایک عام اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے مجیب نے 7 نکاتی مانگ کا اعلان کر دیا۔ ان نکات کو عوامی لیگ کے لیڈروں نے قبول کیا اور فیصلہ دیا کہ اسے قومی اسمبلی سے منظور کرایا جائے وہ ڈیمانڈز یہ تھیں۔

1- مارشل لاء کا فالفور خاتمہ کیا جائے۔
2- اقتدار منتخب شدہ نمائندوں کے حوالے کیا جائے۔
3- ملٹری کے تمام افراد اپنی بیرکوں میں واپس چلے جائیں۔
4- مغربی پاکستان کے مشرقی پاکستان میں تعینات دستے فوری واپس چلے جائیں۔
5- سویلین حکومت کو تمام تر اختیار دیے جائیں۔

6- ملٹری عملہ پر قسم کی مشرقی پاکستان مین مداخلت ختم کر دے اور بنگلہ دیش میں اس کی موجود شاخیں ختم کر دی جائیں۔
7- لا اینڈ آرڈر کو قائم رکھنے کے لیے مشرقی پاکستان کا کنٹرول پولیس اور بنگالی ایسٹ پاکستان رائفلز کے سپرد کیا جائے جہاں ضرورت پیش آئے گی۔ اس سلسلہ میں جہاں ضرورت پیش آئے گی وہاں عوامی لیگ تعاون کرے گی۔

مشرقی پاکستان میں فسادات:

اس اعلان کے بعد مشرقی پاکستان میں بڑے پیمانے پر مارچ 1971ء میں لوٹ کھسوٹ شروع ہو گئی۔ مشرقی پاکستان میں اردو بولنے والی کمیونٹی کو ہلاک کیا جانے لگا ایسے افراد جو مغربی پاکستان سے آئے تھے تاکہ وہ وہاں کاروبار کریں ان کی جان و املاک کو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت نقصان پہنچانا شروع کر دیا گیا ان کی قیمتی گاڑیاں موٹر سائیکلیں، سرمایہ عوامی لیگ کے ارکان نے ان سے زبردستی چھین لیا۔

مخالف افراد کے گھروں کو جلایا جانے لگا۔ ڈھاکہ شہر میں اسلحہ لائسنس ہولڈرز سے ان کا اسلحہ چھین لیا گیا مشرقی پاکستان میں موجود آرمی فورسز کی بے عزتی کی گئی ان کی رسد اور سپلائی لائن کاٹ دی گئی۔

شیخ مجیب الرحمان نے بنگال میں اپنی متوازی غیر قانونی حکومت قائم کر لی اس میں گورنمنٹ اور غیر سرکاری نمائندوں کو نمائندگی دی گئی۔ عوام کو ہدایت کی گئی کہ وہ کسی قسم کا کوئی ٹیکس ادا نہ کریں۔ تعلیمی ادارے گورنمنٹ اور نیمی گورنمنٹ کے اداروں۔ ہائی کورٹ اور اس کے ماتحت عدالتیں بند کر دی گئیں۔ ریڈیو ٹیلی ویژن اور اخبارات کو حکم دیا گیا کہ وہ عوامی لیگ کی ہدایات پر عمل کریں سرکاری عمارات پر بنگلہ دیش جھنڈا لہرا دیا گیا پاکستانی جھنڈا اتار لیا گیا اور سرکاری اور نیم سرکاری عمارتوں پر قبضہ کر لیا گیا۔ یحییٰ خاں مجیب الرحمان سے گفت وشنید کے لیے مشرقی پاکستان کی طرف بڑھے بعد میں انہوں نے مغربی پاکستان کے سیاسی رہنماؤں خاص طور پر مسٹر بھٹو سے اس سلسلہ میں بات چیت کی۔ عوامی لیگ نے تقریباً ڈھاکہ پر اپنا کنٹرول سنبھال لیا تھا۔ صرف کنٹونمنٹ کا علاقہ اور گورنر ہاؤس ہی ان کے قبضے سے بچا تھا۔ اب نا صرف مارشل لا ہٹانے اور اقتدار منتخب نمائندوں کو منتقل کرنے کی بات ہو رہی تھی بلکہ یہ

pakistanvirtual.com

تجویز دی جارہی تھی کہ مشرقی اور مغربی پاکستان سے منتخب نمائندے اپنی الگ الگ قومی اسمبلی میں بیٹھیں اور اپنا اپنا آئین مرتب کریں۔ اس کے بعد دونوں قومی اسمبلیوں کا متفقہ اجلاس ہوگا۔ جس میں یہ دونوں آئین اصل قانون بن جائیں اور اس طرح پاکستان کی کنفڈریشن سامنے آجائے گی۔

مغربی پاکستان کے سیاستدانوں اور فوجی جرنیلوں کو یہ تجویز پسند نہ تھی۔ کیونکہ کنفڈریشن نے نظریہ پاکستان کو ہی غلط قرار دے دیا تھا۔ تب یہ بات سامنے آئی کہ اب پانی سر سے گزر چکا ہے اور مشرقی پاکستان کی عوامی لیگ کسی طور پر بھی متحدہ پاکستان قائم نہ رہنے دے گی۔ یحییٰ خاں نے فیصلہ کرلی تھا کہ طاقت کا استعمال ہی اس مسئلہ کا حل ہے مارچ 25، 26 1971ء کو اعلانیہ دیا گیا کہ فوج باغیوں کو کچلنے کے لیے اقدامات کرے عوامی لیگ کے بعض لیڈر سمیت شیخ مجیب الرحمان کو گرفتار کرلیا گیا تھا اور بعض انڈیا بھاگنے میں کامیاب ہوگئے۔

سول نافرمانی اور ملٹری ایکشن

Civil War and Miltery Action

مشرقی پاکستان میں جب ملٹری ایکشن ہوا تو وہاں سول نافرمانی کی تحریک نے سرعام بنگلہ دیش کا نعرہ لگا دیا۔ اس عمل سے دونوں دھڑوں میں نفرت کے جذبات مزید پروان چڑھنا شروع ہوگئے۔ خون ریزی عام ہونے لگی۔ ایسٹ پاکستان رائفلز، مشرقی بنگال رجمنٹ اور بنگالی پولیس نے عوامی لیگ کا بھرپور ساتھ دینا شروع کردیا۔ یہ سب تربیت یافتہ بنگالی تھے جنہوں نے مکتی باہنی کے ہاتھ مضبوط کیے اور ان کے ساتھ مل کر پاک آرمی کے ساتھ گوریلا کارروائیاں شروع کردیں۔ انصار اور مجاہد نامی تنظیمیں بھی اس میں شامل ہوگئیں یہ ہوم گارڈز تنظیمیں تھیں جنہیں قبل وقت میں مشرقی پاکستان کی حکومت نے پروان چڑھایا تھا۔ اس میں بنگال کے عسکری پسند گروہ اور طلباء بھی اسلحہ اٹھا کر شامل ہوگئے پہلے تو ان تنظیموں نے آرمی کے ساتھ لڑائی کی پھر انہوں نے فائرنگ کا سلسلہ شروع کردیا۔ اپریل کے آخری ہفتے تک پاکستان آرمی نے حالات درست کرکے کچھ بڑے قصبات پر کنٹرول سنبھال لیا تھا۔ مکتی باہنی کے تحت گوریلا جنگ لڑنے والے عسکری پسند دیہاتوں میں کارروائیاں کرتے تھے اور بعدازاں وہ بارڈر کراس کرکے بھارت بھاگ گئے۔

عسکری ہندو (Militants) نے جو خاطر خواہ غیر معمولی قسم کی کامیابیاں حاصل کی تھیں

اس کی وجوہات یہ تھیں کہ پاک آرمی کو بنگالیوں کی حمایت حاصل نہ تھی۔ نان بنگالی کمیونٹی کے علاوہ تقریباً تمام نے لڑائی میں کسی نہ کسی طریقے سے ضرور حصہ لیا تھا۔ نان بنگالی کمیونٹی میں پاکستانی فوج کا مورال گرتا ہوا نظر آیا۔

اس وقت ٹکا خاں کو جنرل بنا دیا گیا۔ ڈھاکہ کی سنٹرل جیل سے 325 عادی مجرم جنہیں پھانسی ہونے والی تھی وہ فرار ہوگئے فرائن گنج کومیلا اور باریسال کی جیلیں بھی توڑ دی گئیں تھیں۔ بھاشانی نے یحییٰ خاں سے کہا کہ اب مشرقی پاکستان کی آزادی تسلیم کرلو۔

حالات اتنے خراب ہوئے کہ ریلوے اور پی آئی اے بند ہوگئے سیکرٹریٹ ملازموں سے خالی ہوگیا ججوں اور ہائی کورٹ کے وکلا نے حکومت کے خلاف جلوس نکالا ڈھاکہ کے سب سے بارونق بازار جناح ایونیو میں غیر بنگالیوں کی دکانوں کو لوٹا گیا اور بعد میں آگ لگائی گئی نواب پور کی غیر بنگالی آبادی کی عزتیں برباد کی گئیں۔ نرائن گنج رائفل کلب سے اسلحہ لوٹ لیا گی لہٰذا بنگالیوں کا غضب یکدم بھڑک اُٹھا ایک اندازے کے تحت 2 مارچ سے 25 مارچ تک انتہا پسند عناصر نے تقریباً ایک لاکھ افراد کا خون بہایا۔ خواتین کو جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا سرعام عصمتیں تار تار ہوئیں۔ قومی پرچم نذر آتش اور مشرقی پاکستان میں بنگلہ دیش پرچم لہرا دیا گیا۔ بیت المکرم کے قریب اسلحہ کی دکانیں میمن سنگھ روڈ پر شالیمار ہوٹل اور جناح ایونیو میں گلستان سینما پر بنگالیوں نے بمبار حملے کیے۔

بھارت کا مشرقی پاکستان میں کود پڑنا:

انڈیا نے یکدم سول نافرمانی کو جنگ میں تبدیل کردیا۔ انڈیا پہلے ہی پاکستان پر حملے کے لیے پر تول رہا تھا لہٰذا اس نے مشرقی پاکستان کے سیاسی بحران میں کود کر اپنے جذبات کی تسکین کرنا چاہی کیونکہ ہندو صدیوں سے مسلمانوں کا روایتی حریف رہا تھا۔

بھارتی طیارے گنگا کا اغواء:

30 جنوری 1971ء کو انڈین ائرلائن کے ایک فوکر فرینڈز شپ طیارے کو اس وقت دو کشمیری مجاہدین مسافر ہاشم اور اشرف نے اغوا کرلیا جب وہ سری نگر سے دہلی جارہا تھا۔ دونوں اسے لاہور کے ائیر پورٹ پر اُتارنے میں کامیاب ہوگئے اس طیارے میں 26 مسافر اور طیارے کے عملے کے چار

Tahirsultan.pk

افراد تھے جب ہائی جیکرز سے پوچھا گیا کہ انہوں نے طیارہ کیوں اغوا کیا ہے؟ تو انہوں نے برملا کہا کہ ہمارا جھگڑا بھارت سے ہے جس نے کشمیر پر اپنا غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔ مسٹر بھٹو نے بھی ان اغوا کنندگان سے 31 جنوری کو ملاقات کی اُن کو بتایا گیا کہ اگر بھارت نے ہمارے مطالبے پورے نہ کیے اور ہمارے نظر بند افراد کو رہا نہ کیا تو طیارہ تباہ کر دیا جائے گا۔ بعد میں بھارتی حکومت نے ہائی جیکروں کے موقف کو نہ مانا ملک تو ایک عجیب بحران کا شکار ہوا مگر لاہوریوں کے حوصلے مزید بلند ہوئے بہر حال حکومت پاکستان نے ہائی جیکروں سے گفت وشنید کر کے مسافروں اور عملے کو رہا کرا لیا اور انہیں ایک اچھے سے ہوٹل میں قائم پڑیر کر دیا گیا جہاں ان کی اچھی خاصی خدمت کی گئی کہ وہ مسافر پاکستان کے شکر گزار بن کر اخباروں میں بیان دینے لگے اس سلسلہ میں بھارتی ہائی کمشنر کو اعتماد میں لے لیا گیا تھا کہ مسافروں کی حفاظت ہر قیمت پر کی جائے گی اگر ہائی کمشنر چاہے تو اپنا نمائندہ بھی بھیج سکتا ہے۔ بہر حال دونوں اغوا کنندگان ہیروز کا درجہ حاصل کر گئے انہوں نے پریس کانفرس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ حکومت پاکستان نے بھی کشمیر پر غاصبانہ قبضے سے ہمیشہ انکار کیا ہے ان کے نزدیک کشمیری ہندوستان کے باشندے نہ ہیں لہٰذا انہیں سیاسی پناہ دی جائے ایک ہائی جیکر مسلسل جہاز میں رہا انڈیا نے اس واقعہ کو بھی جنگ کی وجہ بنا لیا اس نے پورے پاکستان کو موردِ الزام ٹھہرا دیا نئی دہلی میں پاکستانی ہائی کمشنر کو جان سے مارنے کی مسلسل دھمکیاں ملتی رہیں ہندوستان میں پاکستان کے خلاف ہنگامے شروع ہو گئے آخر کار ہائی جیکروں نے اس وقت طیارے کو دھماکے سے اڑا دیا جب وہ بھارت جانے والا تھا بھارت نے سارے الزام کا ملبہ پاکستان پر ڈال دیا اور جہاز کی قیمت کا مطالبہ بھی کر دیا پاکستان کی طرف سے کوئی جواب آنے سے پہلے ہی بھارت نے سول اور فوجی دونوں قسم کے جہازوں کو اپنے علاقے سے گزرنے کی پابندی لگا دی پاکستان کی حکومت نے بین الاقوامی کنونشن میں بھارت کے اس رویے کی پرزور مذمت کی پاکستان نے ہائی جیکروں کو بھارتی حکومت کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ حکومت کے نزدیک وہ بھارتی شہری نہ تھے اسی اثنا میں احمد آباد اور بڑودہ میں مسلم کش فسادات پھوٹ پڑے دونوں ممالک کے تعلقات کشیدہ تر ہوتے چلے گئے۔

جب مشرقی پاکستان میں سول نافرمانی کی تحریک زوروں پر تھی تو بھارت نے بنگالیوں کی حمایت کرنا شروع کر دی تھی۔ 31 مارچ 1971ء کو اندرا گاندھی کی وزارت عظمیٰ کے دور میں انڈین

پارلیمنٹ نے ایک قرارداد منظور کی جس میں پاکستانی حکومت کو مشرقی پاکستان کے Masscre کے نہتے لوگوں پر حملے سے منع (Stop) رہنے کے لیے کہا گیا یہ قرارداد بھارت کے علاوہ مشرقی پاکستان میں بھی بہت زیادہ مقبول ہوئی۔ چار دن کے بعد آل انڈیا کانگرس کمیٹی نے اس قسم کی اور تجاویز اسمبلی سے منظور کرانا شروع کر دیں۔

بھارت نے بنگلہ دیش میں علیحدگی پسندوں کو ہر قسم کی امداد پہنچانا شروع کر دی تھی اس نے ایسے گروپس کو تقویت دی جو مشرقی پاکستان میں مغربی پاکستان کے خلاف زہریلا پروپیگنڈا کر رہے تھے، اس نے مکتی باہنی تحریک کو عسکری لوازمات سے مزین کیا اس تحریک کے دہشت گردی کے کیمپ انڈیا میں تھے ان کیمپوں میں انڈیا کی آرمی اور BSF (بارڈر سیکورٹی فورسز) انتہا پسندوں کو عسکری تربیت دے رہی تھی اور انہیں ہتھیار بھی فراہم کر رہی تھی۔ انڈیا نے بین الاقوامی طور پر بھی بنگلہ دیش ایشو کو خاصی اہمیت دی اس نے بات توڑ مروڑ کر بین الاقوام میں اپنی مظلومانہ حیثیت منوانے کی کوشش کی اس نے انٹرنیشنل فورم کو کہا کہ اگر بنگلہ دیش (مشرقی پاکستان) کے بحران کو ختم کرنے میں انڈیا کی ضرورت ہے تو وہ اپنا کلیدی کردار ادا کرنے کو تیار ہے۔ اس نے الزام لگایا کہ مشرقی پاکستان کے بحران کی وجہ سے اس کی سالمیت خطرہ لاحق ہو گیا ہے آئے دن مہاجرین اس کے ملک میں داخل ہو رہے ہیں۔ اور بھارتی حکومت پر انکا معاشی بوجھ بڑھتا جا رہا ہے۔ اندرا گاندھی نے خبردار کیا کہ اگر اسی طرح ملین مہاجرین بھارت میں آتے رہے تو بھارت میں بھی سیاسی اور معاشی بحران آنے کا خطرہ وخدشہ موجود ہے۔ ادھر اندرا گاندھی نے بیان دیا کہ جب تک مشرقی پاکستان کے حالات درست نہ ہوئے تو انہیں ہرگز مشرقی پاکستان نہ بھیجا جائے گا اصل میں بھارت کی پالیسی تھی کہ مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ کا ہولڈ ہو جائے اور فوج واپس مغربی پاکستان چلی جائے۔

بھارت نے مکتی باہنی کی ہر موڑ پر ہر قسم کی مدد کی تاکہ تابع مرضی لوگ پاک آرمی سے لڑ سکیں اس نے وسیع پیمانے پر گوریلا سرگرمیاں شروع بھی کر دی تھیں مگر یہ سرگرمیاں پاک آرمی کو نہ جھکا سکی۔ انہوں نے بعد ازاں BSF کے بھارتی جوان مکتی باہنی کے نام پر مشرقی پاکستان میں بھیجنا شروع کر دیئے۔ بارڈر ایریا میں مکتی باہنی کی کمان BSF کر رہی تھی لہٰذا نومبر 1971ء کے وسط میں مشرقی پاکستان کی بحرانی حالت سنگین قسم کی ہو گئی۔ جب انڈیا کی آرمی مکتی باہنی والوں کی امداد کرنے کے لیے

pakistanistudy.com

ڈائریکٹ مشرقی پاکستان میں داخل ہوگئی لہذا 21 نومبر 1971ء کو بھارتی آرمی مکمل طور پر مشرقی پاکستان میں حملے کی نیت سے داخل ہوگئی۔

بھارت کے اس طرح پاکستان کے بحران میں کودنے سے علاقائی اور بین الاقوامی طور پر محرکات سامنے آئے۔ انڈیا اس ضمن میں سوویت یونین کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس کی وجہ 9 اگست 1971ء کا بھارت روس معاہدہ تھا جس کو "معاہدہ دوستانہ اور تعاون Treaty of Friandships and Cooperation" کا نام دیا جاتا تھا۔ یہ معاہدہ ڈیفنس کے متعلق نہ تھا اس معاہدے کی ایک شق یہ تھی کہ اگر کوئی ملک ان دونوں ممالک میں سے کسی ایک پر حملہ آور ہوتا ہے تو حملہ کی بابت دونوں ممالک آپس میں مفاہمتی بات چیت کریں گے اور فوری طور پر باہمی گفت شنید سے اس کا حل ڈھونڈیں گے اور اس حل پر فوری عمل کریں گے تاکہ اس ملک میں امن کا بول بالا ہو یہ معاہدہ اس وقت ہوا جب سوویت ملٹری مشن کا سربراہ (Marrhal Kutako) بھارت میں آیا تھا اور اس نے بھارت کو ملٹری ہارڈ ویئر اور دوسرے آلات دیئے بعد میں جلد روس نے دیئے جانے والے ہتھیار بھارت سے واپس لے لیے بھارت کے مشرقی پاکستان میں داخل ہو کر فوج کشی کرنے کے خلاف پاکستان کو مزید دو تحفظات مل گئے تھے۔ کیونکہ اس سال یو ایس اے اور چینا (China) کے درمیان براہ راست تعلقات پیدا ہو رہے تھے۔ ہینری کسنجر نے خفیہ طور پر چین کا دورہ کیا وہ بیجنگ پہنچا اس دوران جب وہ پاکستان کے سرکاری دورے پر تھا تو اس نے انڈیا کے حملہ کا بہت برا منایا کیونکہ امریکہ چین اور پاکستان کو اس علاقے میں اپنا اتحادی بنانا چاہتا تھا۔ تاکہ یہ دونوں روس اور بھارت کے خلاف متحد ہو سکیں۔ دوسری طرف پاکستان کے ہائی کمان کے ایک وفد نے نومبر 1971ء کے شروع میں چین کا ہنگامی دورہ کیا۔ اس وفد کی قیادت مسٹر بھٹو کر رہے تھے اس میں چیف آف ائر سٹاف اور آرمی اور نیوی کے دو بہت سینئر افیسرز شامل تھے۔ لہذا یہ وفد چین سے خیر سگالی کا پیغام لایا۔ یحییٰ خاں اس وفد کے کام سے بہت مطمئن تھے، اسی لیے انہوں نے اعلان کیا کہ اگر بھارت مشرقی پاکستان میں فوجی مداخلت کرتا ہے۔ تو چین اس معاملے میں فوری مداخلت کرے گا۔ لہذا بعد میں پیش آنے والے واقعات نے یحییٰ خاں کی بات کو سچ کر دکھایا وزیر اعظم چوائن لائی نے بار بار صدر پاکستان کو یقین دلائی کہ بحران کے سلسلہ میں جو پاکستانی حکومت اقدامات کر رہی ہے۔ یہ اس کا اندرونی معاملہ ہے اگر کسی نے اس امر میں مداخلت کی تو ہم

پاکستان کا بھرپور ساتھ دیں گے۔ چین نے عملاً ہمیں فوجی اور اقتصادی امداد دیکر دوستی کا حق ادا کیا۔

بعد میں حالات تبدیل ہوگئے اور بین الاقوامی برادری نے انڈیا اور پاکستان پر دباؤ ڈالا کہ وہ مشرقی پاکستان کے بحران کا حل پرامن طریقے کی صورت میں تلاش کرے۔ اس ضمن میں پاکستان اور بھارت کے درمیان ڈپلومیٹک سرگرمی شروع ہوگئی تاکہ انڈیا اور بھارت باہمی مشاورت سے مسئلہ کا کوئی حل تلاش کر سکیں بعد ازاں مشرقی پاکستان کے موجودہ گورنر کو ہٹا کر اس کی جگہ سول بنگالی گورنر کو عہدہ تفویض کیا گیا اور مختلف شہروں اور قصبات میں امن کمیٹیاں تشکیل دی گئیں نومبر کے شروع میں یحییٰ خاں نے امریکہ کی تجویز مان لی کہ وہ عوامی لیگ سے اس امر کے بارے میں گفت وشنید کرے گا اور سال کے آخر میں مشرقی پاکستان کی حکومت سویلین گورنمنٹ کے حوالے کر دے گا۔ لہذا اس ایجنڈے کو واشنگٹن میں موجود بھارتی سفیر کے ذریعے بھارتی حکومت کو اطلاع دی گئی۔ بھارت یہ سنہری موقع ہاتھ سے گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ آگ زوروں پر تھی۔ لہذا روس نے بھارتی حکمت عملی کی مکمل حمایت کی نومبر کے تیسرے ہفتے میں انڈیا کے سنو (Sino) بارڈر برف سے بھر گئے تھے لہذا چین کی مداخلت بہت کم ہو جاتی تھی اس نے موسم اور وقت کا خوب فائدہ اٹھایا۔

21 نومبر 1971ء کو انڈیا نے اپنی فوج کے ساتھ مشرقی پاکستان پر مکمل توڑ حملہ کر دیا۔ شروع میں پاکستانی دستوں نے خوب مزاحمت کی۔ مگر جلد ہی ان کی پوزیشن کمزور ہوتی گئی۔ دوسری طرف انہیں مشرقی پاکستان کے لوگوں کی بھی حمایت حاصل نہ تھی۔ سپلائی لائن کو بحال کرنا ایک دشوار گزار امر تھا۔ ڈھاکہ کے اردگرد گوریلا کارروائیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ 3 دسمبر کو پاکستان نے مغربی پاکستان کے پاک انڈیا بارڈر پر جارحانہ لڑائی کی تاکہ مشرقی پاکستان میں اس کا پریشر کم کیا جائے۔

15 دسمبر کو بھارت کی فوجیں ڈھاکہ کے دروازے تک جا پہنچیں اگلے دن پاکستان کے دستے انڈیا کی آرمی کے درمیان گھر گئے۔ 17 دسمبر 1971ء کو جنرل یحییٰ خاں کے حکم پر پورے مشرقی پاکستان میں پاکستانی فوجیوں نے ہتھیار ڈال دیئے جس کے نتیجہ میں 90 ہزار سے زائد فوجی بھارت کی قید میں چلے گئے۔

پاکستان کی یہ شکست ملت اسلامیہ کی سب سے بڑی شکست تھی جس پر اندرا گاندھی نے خوشی سے رقص کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہم نے ایک ہزار سالہ تاریخ کا انتقام لے لیا ہے اور دو قومی نظریہ کو خلیج

Pakistanstudy.com

بنگال میں غرق کر دیا ہے۔ مشرقی پاکستان کی کہانی دلخراش قسم کی ہے اس کی علیحدگی پر ہر محب وطن نے آنسو بہائے یہ علیحدگی کئی کہانیوں کا پیش خیمہ تھی اس میں غیروں کی کارستانیاں اور اپنوں کی نہ مرداریاں بھی شامل تھیں۔ ان کہانیوں میں غم کے نوحے بھی ہیں اور رقص وسرور کے قصے بھی آنسوؤں کی مالا بھی ہے اور آہوں کا پاسہ بھی ہے۔ گزری باتوں کی یادیں بھی ہیں اور دیدہ دل کی فریادیں بھی ہیں جس سے سبق بھی سیکھا جاسکتا ہے اور فراموش کر کے نیا دور بھی مرتب کیا جاسکتا ہے۔ افسوس کہ اس سے سبق کم اور اس واقعہ کو فراموش زیادہ کیا گیا ہے۔ پھر نئے سرے سے سیاسی شکاری اپنا جال لے کر اقتدار کے حصول کے لیے تانے بانے بننے لگ گئے یہ حادثہ جاں فشاں تھا جس نے قوم کو جھنجھوڑ کر اور اعصاب کو شل کر کے رکھ دیا ہر محب وطن کو ایسے لگا جیسا زمین اپنے مدار سے ہٹ گئی ہو اور کسی کا بازو ٹوٹ گیا ہو آسمان پھٹ گیا ہو اور ستاروں نے اپنی گردش ختم کر دی ہو۔ اس سانحہ سے سبق نہ سیکھنا ہی اس آج ہماری قوم کا المیہ ہے۔

نتائج:
Conclosions

پاکستان کی تاریخ میں یحییٰ خان کا دور ایک گھمبیر دور تھا۔ اسے اقتدار کا نشہ تھا اور وہ سیاسی صورتحال اور اس کے حل سے ناواقف تھا۔ اس نے ملک میں بحالی جمہوریت کی طرف چنداں خاص توجہ نہ دی۔ اس کے دور میں سیاسی حالات دگرگوں رہے یہ حالات کئی سانحوں کی پیداوار تھے۔

یحییٰ کی حکومت کو فیئر الیکشن کا کریڈٹ تو جاتا ہے مگر آرمی الیکشن کروا کر سیاسی تماشہ دیکھتی رہی اس کا مناسب حل بالکل نہ نکال سکی۔ اس میں یحییٰ خاں کو مکمل الزام دینا بھی بے سود ہوگا کیونکہ یہ عمل تو پاکستان بننے کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا جیسا کہ میں نے گزشتہ دو یونٹوں میں کھل کر اس کا ذکر کر دیا۔

سیاست مفاہمت کی جگہ گھیراؤ جلاؤ کا شکار ہوگئی۔ چھ نکاتی فارمولہ ہی پاکستان کی سالمیت کے ساتھ ایک کھیل کھیلا گیا۔

بیوروکریسی آرمی اور سرمایہ داروں کا گٹھ جوڑ دوسری طرف بھارت اور روس کا گٹھ جوڑ نے اس کی علیحدگی کی راہ ہموار کی۔ یحییٰ خاں ہمیشہ ملٹری دماغ کے ساتھ فیصلے کرتے۔ اگر مجیب کا پس منظر دیکھا جائے تو وہ پیدائشی مکار (cunning) تھا۔ دوسری طرف بھٹو نے بھی اپنے مفاد کا تحفظ کیا ادھر ہم ادھر تم

کا نعرہ لگا کر مجیب کے موقف کو تقویت پہنچائی مجیب نے واویلا شروع کر دیا کہ بنگال میں تیس لاکھ آدمی قتل کر دیئے گئے ہیں مسلم لیگ بھی مشرقی پاکستان میں اہم کردار نہ ادا کر سکی اپنے مفادات کے پیچھے گھومتی ہوئی ایک اشرافیہ بن گئی۔ اور نوکر شاہی برٹش رولر بن کر رہ گئی۔ مجیب الرحمان تو علیحدگی کے عمل میں تاخیر کر رہا تھا۔ مگر یحییٰ خاں کے قومی اسمبلی کے اجلاس کو موخر کرنے میں علیحدگی کے عمل کو تقویت پہنچائی۔ نافرمانی اور سول عسکری پسندوں کا فوج کے خلاف اُٹھ پڑنا اور ملٹری کا ہر دفعہ طاقت استعمال کرنا اور پارلیمانی طرز حکومت کا خاتمہ کرنا اس کا انجام ثابت ہوئی۔

آخر میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ہر عمل کا ایک نتیجہ ہوتا ہے درخت کبھی ایک دن میں پھل نہیں دیتا بلکہ حالات پس منظر واقعات اور رویے ہی آخر کار مثبت یا منفی نتائج پیدا کرتے ہیں۔ اور نتائج کا ایک وقت ہوتا ہے۔ وقت بار بار انسان کو صحیح راست پر آنے کی دعوت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ موجودہ پاکستان بچا رہے۔ (آمین)

سوالات
Questions

سوال 1: اصطلاح "Out Put Failure" کی وضاحت کریں۔ کیا آپ اس امر سے اتفاق کرتے ہیں کہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں مغربی اشرفیہ کا ایک بہت بڑا ہاتھ تھا۔ واضح کریں۔

سوال 2: بنگال مسلم لیڈرز نے مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرنے کے لیے کس قسم کی تحریک چلائی اس سلسلے میں ان کا کردار واضح کریں۔

سوال 3: بنگالی مغربی پاکستان کے سیاستدانوں سے کیوں کر ناراض ہو گئے تھے۔ مثالوں سے جواب کی وضاحت کریں۔

سوال 4: بنگلہ دیش بننے کی چیدہ چیدہ وجوہات بیان کریں۔ خاص طور پر آرمی کی حکمت عملی کا مفصل ذکر کریں۔

Pakistanstudy.com

سوال5: مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں معاشی اسباب کو بہت زیادہ اہمیت حاصل تھی۔اس بیان کو واضح کریں۔

سوال6: ٹی بی مور کی تھیوری "سیاستدانوں کا عام انسانوں سے علیحدہ ہو جانا" کو مفصل بیان کریں اور اس کے مشرقی پاکستان کے محرکات پر اثرات کو واضح کریں۔

سوال7: مشرقی اور مغربی پاکستان کے تقابل میں ڈاکٹر محبوب الحق کی رپورٹ پر اپنی رائے زنی کریں۔

سوال8: اگرتلہ سازش کیس کو مفصل بیان کریں۔اس کا آخر کار نتیجہ کیا نکلا؟

سوال9: بنگلہ دیش کی علیحدگی میں جغرافیائی، موسمیاتی، معاشی اور سیاسی حالات کیسے اثر انداز ہوئے اس پر مفصل نوٹ لکھیں۔

سوال10: عوامی لیگ کے پیش کردہ چھ نکات کیا تھے؟ ان پر تبصرہ کریں کیا ان نکات نے مشرقی پاکستان توڑنے میں اہم کردار ادا کیا۔

سوال11: سات نکاتی ایجنڈہ کیا تھا بیان کریں؟

سوال12: بھارت مشرقی پاکستان میں کیونکر داخل ہوا اس کے پیچھے کیا اسباب تھے؟ اس ضمن میں گنگا طیارے کا واقعہ بیان کریں۔

☆☆☆

باب نمبر2

دو مارشل لاء ادوار کے درمیان سویلین حکومت کا قیام

INTERLUDE OF CIVILIAN RULE

تعارف:

Introduction

پاکستان جب معرض وجود میں آیا تو مسلمانوں کی اکثریت محض کلمہ طیبہ کی بنیاد اور اپنی معاشی حالت سدھارنے کے لیے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر اکٹھا ہونا شروع ہوئے۔لوگوں کی نہ ہی کوئی دینی تربیت تھی اور نہ ہی علمی صورتحال زیادہ تسلی بخش تھی۔بہرحال پاکستان قائم ہو گیا۔ملک کے تینوں نہیں بلکہ چاروں ستونوں نے اپنے مفاد اور ایک محدود سوچ کی تسکین کی خاطر ایسے رویہ اپنا لیے جن کو یکدم ختم کرنا نامناسب بلکہ ناممکن تھا۔بیوروکریسی اور اسٹیبلشمنٹ اپنے مقاصد کے پیچھے دیوانہ وار سیاسی اور فوجی دیواروں سے ٹکرا رہی تھی عدلیہ "نظریہ ضرورت" کو تقویت دے کر اپنا ڈنگ ٹپا رہی تھی۔اور فوج کوئی نہ کوئی بہانہ یا واقعہ کو پیش خیمہ بنا کر پٹڑی پر نہ چڑھنے والی جمہوریت کا ناک چڑا رہی تھی۔مسٹر اور مولوی، ملاں اور سیاستدان، پروگریسو اور رجعت پسندی جیسے فرقے قوم کے مستقبل میں اپنا اپنا پیوند لگا رہے تھے۔کبھی فوجی حکومت تو کبھی کبھار دو پل کے لیے جمہوری پارلیمان کا آنا ایک آنکھ مچولی کا کھیل بن چکا تھا۔جس کسی نے بھی اقتدار حاصل کرنے میں شب خون مارا اس کو پہلے کئی کٹھن مراحل سے گزرنا پڑا۔عوام صرف اور صرف اقتداری اداروں کے ہاتھ کٹھ پتلی بن کر وعدوں کے بھروسے اپنی زندگی میں روشن خواب دیکھ رہے تھے۔ایوب خاں رخصت ہوئے یحییٰ خاں آئے مشرقی پاکستان بنا تو مغربی پاکستان

PakistanStudy.pk

(پاکستان) میں سویلین حکومت کے لیے راہ ہموار ہوئی پہلی مرتبہ 1970ء میں عام انتخابات ہوئے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کچھ وعدوں اور کچھ نعروں کی بدولت عوام کے دلوں میں گھر کر گئے کبھی جذباتی انداز اختیار تو کبھی روایتی طرز اسیاستدانوں کا سا اختیار کر کے بحرحال اپنی حکومت بنانے میں کامیاب ہوگئے۔ کبھی وہ ملکی ترقی کے لیے آخری حد تک چلے جاتے تو کبھی اپنی حکومت کو دوام بخشنے کے لیے آمرانہ طرز عمل کی حد سے بھی آگے نکل جاتے۔ بحرحال مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد پاکستان میں P.P.P کی حکومت قائم ہوگئی۔ لہٰذا اس حکومت کے بعد ایک اور مارشل لاء آ گیا لہٰذا اس عرصہ کو دو ٹانگوں کے درمیان والا عرصہ (Interlude) کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے بعد پھر مارشل لاء کی تاریک رات ملک پر اپنے سائے جمالیتی نظر آتی ہے۔

مسٹر ذوالفقار علی بھٹو:

بھٹو سندھ کے ایک بہت بڑے وڈیرے خاندان سے تعلق رکھتے تھے وہ اڑھائی لاکھ ایکڑ اراضی کے مالک تھے یہ اراضی لاڑکانہ، جیکب آباد اور سکھر کے اضلاع میں پھیلی ہوئی تھی ان کی والدہ کا نام لاکھی بائی تھا۔ جو ایک ہندو عورت تھیں اور بعد میں وہ مسلمان ہوگئیں۔ تو ان کا نام خورشید رکھا گیا۔ والد کا نام سر شاہنواز بھٹو تھا جو کہ 1921ء کو 33 سال کی عمر میں ممبئی لیجسلیٹو کونسل کے رکن رہے تھے۔ وہ سندھ میں زمینداروں کے لیڈر تھے 1934ء کو وہ ممبئی حکومت کے دیوان مقرر ہوئے۔ جب سندھ بمبئی سے الگ صوبہ بن گیا تو انہیں سیاسی حکومت کی تشکیل سے قبل گورنر سندھ کا چیف ایڈوائزر مقرر کر دیا گیا وہ سندھ یونائٹڈ پارٹی کے خالق تھے اور جب برصغیر پاک وہند کی تقسیم ہوئی تو اس وقت وہ نواب آف جونا گڑھ کے دیوان تھے انہوں نے ایک معاہدے کے تحت ریاست جونا گڑھ کو بھارتی حکومت کے حوالے کیا اور سیاست سے کنارہ کش ہوگئے۔ 1957ء میں جب ان کا انتقال ہوا تو وہ ملکی سیاست سے الگ تھلگ رہے تھے۔

ذوالفقار علی بھٹو صاحب 5 جنوری 1928ء کو لاڑکانہ میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم لاڑکانہ میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ازاں بمبئی سکول میں داخل ہوگئے جہاں سے انہوں نے میٹرک کیا 12 سال کی عمر میں ان کی شادی اپنے ہی خاندان کی 9 نو سالہ امیر بیگم سے ہوگئی۔ شادی کے بعد انہوں نے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا انہوں نے برکلے یونیورسٹی (کیلی فورنیا) سے بی۔ اے پاس کیا 1952ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی لندن سے ایم اے فلسفہ کی ڈگری حاصل کی بعد ازاں 1953ء میں انہوں نے لنکنز ان یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری حاصل کی۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد انہوں نے ساوتھ میٹین یونیورسٹی

میں بین الاقوامی قانون پڑھانا شروع کر دیا پاکستان واپس آنے کے بعد انہوں نے سندھ لاء کالج میں قانون بین الاقوام پڑھایا۔ 1951ء میں ان کی دوسری شادی نصرت بھٹو سے ہوئی جن کا تعلق ایران کے خاندان سے تھا 2 سال بعد ان کے ہاں 1953ء میں ان کے گھر بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام بے نظیر رکھا گیا۔ ایک سال بعد مرتضیٰ بھٹو کی پیدائش ہوئی۔ 1957ء میں صنم بھٹو اور 1958ء میں شاہنواز پیدا ہوئے۔ 1958ء میں ہی آپ عملی سیاست میں آئے۔ سکندر مرزا کی سفارش پر انہیں مارشل لاء دور میں وزیر تجارت بنا دیا۔ یاد رہے کہ سکندر مرزا بھٹو کے والد کا دوست تھا۔ بھٹو کو 1957ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کا نمائندہ بنا کر بھیجا گیا اسی سال جنیوا میں سمندری قانون کے بارے ہونے والی کانفرنس میں انہیں نمائندہ بنا کر بھیجا گیا۔ ایک مرتبہ ایوب خاں نے انہیں اپنی کابینہ سے نکال دیا تو اس وقت انہیں جنرل ڈبلیو اے برکی نے بچا لیا بعد ازاں وہ ایوبی دور میں وزیر صنعت بھی رہے جب محمد علی بوگرہ بیمار ہوئے اور جب وہ عارضہ قلب میں مبتلا ہوا تو انہیں وزیر خارجہ بننے کا موقع مل گیا۔ وہ ملک کے کم عمر وزیر خارجہ تھے انہوں نے اپنے اس عہدے سے بیرونی ممالک سے خاصے تعلقات استوار کیے۔ آپ اکثر صدر ایوب کو "ڈیڈی" کہہ کر مخاطب کرتے تھے بعد ازاں انہوں نے اپنے ڈیڈی کے خلاف معاہدہ تاشقند کو ڈرامائی ایشو بنا کر عوامی مقبولیت حاصل کی۔ جمہوریت کے چیمپئن اور اپنے آپ کو فخر ایشیا کہلوانے والے مسٹر ذوالفقار علی بھٹو ایوب کی کنونشن مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل بھی رہے۔ ان کی ایوبی حکومت کے خلاف سرگرمیوں کی وجہ سے جون 1966ء کو اچانک وزارت خارجہ کے عہدے سے فارغ کر دیا گیا بعد ازاں انہوں نے غیر ملکی دورے کیے لوگوں میں وہ لبرل مشہور تھے۔ 1967ء میں ملک اسلم حیات ایڈووکیٹ لاہور بار ایسوسی ایشن (جو بعد میں پارٹی سے جلد ہی فارغ کر دیئے اور وہ 1970ء کے انتخابات میں بھٹو کے مخالف تھے) کی طرف سے عوام کو اخبار میں ایک دعوت عام دی گئی جس کا اشتہار شائع ہوا جس کے نتیجہ میں ان کے ساتھیوں نے یکم دسمبر 1967ء کو ڈاکٹر مبشر حسن کی کوٹھی میں پیپلز پارٹی کی تشکیل کا باقاعدہ اعلان کیا۔

1968ء کو انہیں تشدد آمیز سیاسی سرگرمیوں کی بنا کر گرفتار کیا گیا۔ 1970ء کے انتخابات میں انہیں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی۔ 1971ء کو انہوں نے اپنی کابینہ بنائی 1973ء کو آئین بنایا اور نافذ کیا۔ 1977ء میں عام انتخابات کے بعد ہنگامے ہونے لگے 5 جولائی 1977ء کو ضیاء الحق صاحب ملک کو خانہ جنگی سے بچانے کے لیے مارشل لاء لگانے پر مجبور ہوگئے۔ ستمبر 1972ء کو انہیں نواب محمد احمد خاں کے قتل کے الزام میں گرفتار کیا گیا۔ 18 مارچ 1978ء کو ہائی کورٹ نے انہیں سزائے موت سنائی

PakistaniStudy.pk

4 اپریل 1979ء کو ڈسٹرکٹ جیل روالپنڈی میں تارا مسیح کے ذریعے پھانسی کے پھندے پر چڑھا دیا گیا اور انہیں ان کے آبائی گاؤں گڑھی خدا بخش (لاڑکانہ) میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ اور ان کی قبر پر کئی ہفتے فوجی پہرہ لگایا گیا۔

سویلین حکومت اور سماجی ومعاشی اصلاحات

Civilian Govt. and socio Ecnomic Reforms

ایوب خاں کے دور کے بعد ملک میں لاقانونیت اور دولت کی غیر متوازی تقسیم کا چرچا عام تھا۔ ملک اس وقت سنگین سیاسی سماجی اور معاشی مسائل کا شکار تھا۔ جب سول حکومت نے اقتدار حاصل کیا تو اس نے جدیدیت کو اپنانے کے لیے کچھ پالیسیاں ترتیب دیں تا کہ سیاسی اداروں کو مضبوط کیا جائے انہی پالیسیوں اور پروگرام کی وجہ سے پیپلز پارٹی عوام کی منظور نظر بن گئی۔ ان پالیسیوں کو بہت بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا۔ بیرونی طور پر پیپلز پارٹی اندرونی نظریاتی اختلاف، جاگیردارانہ شخصیت اور اپنے چیئرمین کی ذاتی حیثیت کے گرد ھی گردش کرتی رہی۔

معاشرے میں خوشحالی لانے کے لیے مختلف معاشی اصلاحات کی ایک سریز کو متعارف کرایا گیا۔ کیونکہ سوات کی قیمتی کانوں اور صنعت کے شعبہ میں دس خاندان کی مینا پلی قائم ہو چکی تھی یہی دس خاندان آئندہ کی حکومت کو ہاتھ میں کرنے کی تدابیر کر رہے تھے انہوں نے آئرن، سٹیل بیسک میٹل۔ ہیوی انجینئرنگ ہیوی الیکٹریکل موٹر وہیکلو اور آئل ریفائرز کو اپنے قبضہ میں لے لیا تھا۔ یہ تمام امور سب ایجنسیوں کے ذریعے پایہ تکمیل تک پہنچ رہے تھے ان کے انتظامات 78 مینجنگ ایجنسیاں اور 100 کمپنیاں چلا رہی تھیں۔

زرعی اصلاحات

Land Reforms

وہ سندھ کے ایک بڑے جاگیردار ہونے پر بھی زرعی اصلاحات سے ملک میں تبدیلی لانا چاہتے تھے۔ زرعی اصلاحات مارچ 1972ء کو متعارف کرائی گئیں۔

1- انفرادی طور پر زمین کی حد ملکیت 150 ایکٹر نہری اور 300 ایکٹر بارانی ہوگی۔

2- ایسا شخص جس نے 30 دسمبر 1971ء سے پہلے اپنا ٹریکٹر خریدا ہو اور ٹیوب ویل لگایا ہو تو وہ

1200 پیداواری یونٹ (Produce Indesc Units) ایکڑ دی جائے گی۔

3- گورنمنٹ نے اصلاحات کے ضمن میں 892000 ایکٹرز زمین مخصوص کی۔

4- 1975ء میں نئی زرعی اصلاحات کو متعارف کرایا گیا جس کے تحت فی کس حد ملکیت 100 ایکٹر نہری اور 200 ایکٹر بارانی کر دی گئی۔

5- 1977ء میں نئی زرعی اصلاحات کو متعارف کرایا گیا۔ جس کے تحت فی کس حد ملکیت 100 ایکٹر نہری اور 200 ایکٹر بارانی کر دی گئی۔

6- مارچ جولائی 1977ء کی سول نافرمانی تحریک چلنے سے ان اصلاحات پر عمل نہ ہو سکا۔

7- نومبر 1975ء میں ایسے افراد جن کے پاس 12 ایکڑ نہی یا 25 ایکڑ بارانی تھی ان کو لینڈر یونیو سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا۔

8- بعض وجوہات حالات کی وجہ سے اس اصلاحات پر عمل نہ کیا جا سکا۔

9- لینڈ لارڈز کو رعایت دیتے ہوئے ان کے ٹریکٹر، ٹیوب ویل رکھنے کی شرط ختم کر دی گئی ان کے لیے انفرادی طور پر زمین کی حد فکس کر دی گئی۔

اس پالیسی کے خاطر خواہ نتائج نہ نکل سکے دوسری طرف کھاد کی قیمت بہت مہنگی ہو گئی۔

بینک قومیانے کی پالیسی:

ایک صدارتی حکم کے تحت تمام بنکوں کو قومیا کر اسٹیٹ بنک آف پاکستان کے ماتحت کر دیا گیا اسٹیٹ بنک کو اختیار دیا گیا کہ وہ اپنے ایڈمنسٹریٹر وہاں مقرر کریں بنکوں کے ڈائریکٹرز کی تعداد میں خاطر خواہ کمی کر دی گئی۔ قومیائے گئے بنکوں کو دور دراز علاقوں میں پھیلانے کے لیے عمل کو تیز کر دیا گیا۔ مگر آہستہ آہستہ ان بنکوں کی کارکردگی اور معیار گرتا گیا۔

بیمہ بزنس کو قومیانہ:

9 مارچ 1972ء کو لائف انشورنس بزنس کو قومی تحویل میں لے لیا گیا گورنمنٹ نے اسٹیٹ لائف انشورنس کارپوریشن کا ادارہ بنا دیا اور پرائیویٹ بزنس انشورنس کو ختم کر دیا گیا لہذا ایجنٹوں کو نقصان پہنچا۔

Pakistanistudy.pk

1972ء کی تعلیمی پالیسی کے اہم نکات

1- اس پالیسی کو عوامی پالیسی قرار دا گیا کیونکہ اس میں 1959ء کے کمیشن کی قائم کردہ خاص طبقے کی تعلیم کی بجائے درمیانے اور غریب طبقے کے لئے تعلیم عام کرنے کو ترجیح دی گئی تھی۔ علاوہ ازیں اس کے تحت بچوں کو یکساں تعلیمی مواقع فراہم کرنے کا اہتمام تھا۔

2- غریب طلبا کو مفت تعلیم دینے اور وظائف ومراعات دینے کا اعلان کیا گیا۔

3- تمام بچوں کے لئے پرائمری تعلیم لازمی قرار دی گئی علاوہ ازیں اکتوبر 1972ء سے مڈل تک اور اکتوبر 1974ء سے میٹرک تک مفت تعلیم دی گئی۔ اس کا مقصد ملک سے جہالت کو یکسر ختم کرنا اور خواندگی کی شرح کو بڑھانا تھا۔

4- اکتوبر 1972ء سے تمام پرائیویٹ سکولز اور کالجز سرکاری تحویل میں لے لئے گئے ان اداروں کے تمام ملازمین کو گورنمنٹ ملازمین کے مساوی پے سکیل اور دیگر مراعات دی گئیں اس طرح پرائیویٹ ملازمین کو ظلم کا نشانہ بننے سے بچایا گیا۔ یہ پیپلز پارٹی کا بہت بڑا ختم تھا کیونکہ اس سے حکومت پر خاصا مالی بوجھ پڑا۔

5- طلبہ کی بھرپور تربیت کے لئے نصاب کی از سر نو تنظیم کی گئی ثانوی اور اعلیٰ ثانوی سطحوں پر زراعت ہوم اکنامکس' ایجوکیشن' الیکٹرونکس' ابتدائی طبی امداد' شیشہ سازی' اچار مربہ کی تیاری ربڑ کی مصنوعات کے بنانے جیسے مضامین کو شامل کیا گیا۔

6- کھیتوں کھلیانوں' محلوں' فارموں اور فیکٹریوں میں خواندگی مراکز کھولے گئے۔

7- علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کا قیام عمل میں لایا گیا۔

8- ثانوی اعلیٰ ثانوی سطح پر ایجوکیشن کو اختیاری مضمون کا درجہ دیا گیا۔

9- اساتذہ کو اندرون ملک اور بیرون ملک سہولیات دی گئیں یا تنخواہ رخصت پر تعلیم حاصل کرنے کی اجازت ملی۔

10- اساتذہ کے لئے سول سروس اکیڈمی جیسی اکیڈمی کھولنے کی بھی سفارش کی گئی۔

11- ذہین طلبہ کے لئے وظائف ومراعات کا اعلان کیا گیا حقدار طلبا کو مفت کتابیں دی گئیں طلبہ کو تعلیمی قرضوں' سفری سہولیات اور طبی معائنے کی سہولت کو عام کیا گیا اور طلبہ بہبود کمیٹیاں قائم ہوئیں۔

12- چھ نئی یونیورسٹیوں کا قیام عمل میں لایا گیا اس سے قبل سات یونیورسٹیاں کام کر رہی تھی۔

13- جامعہ اسلامیہ بہاولپور۔ زرعی کالج ٹنڈو جام اور این ای ڈی کالج کراچی کو یونیورسٹی کا درجہ عطا کیا گیا۔

14- معیاری اور سستی کتب کی فراہمی کے نیشنل بک فاؤنڈیشن کا قیام ہو۔

15- نئے ثانوی بورڈ کا قیام عمل میں لایا گیا۔

16- انٹرمیڈیٹ کرنے کے بعد طلبا کے لئے ایک سال فوجی تربیت تجویز کی گئی فوجی تربیت والے طلبا کو ملازمت میں ترجیح دی گئی اور دوران تربیت طلباء کو وظیفہ سے نوازا گیا۔

17- طے پایا کہ ہر کلاس 40 طلبہ پر مشتمل ہوگی۔

18- اسلام آباد کی تحقیقی یونیورسٹی میں مطالعہ پاکستان کا ادارہ قائم ہوا۔

19- پالیسی میں وضاحت کی گئی کہ آئندہ مزید 2 لاکھ 35 ہزار اساتذہ تعلیمی فریضہ کے لئے بھرتی کئے جائیں گے۔

20- امتحانات کے سلسلہ میں مسلسل جائزہ لینے کا قانون نافذ ہوا۔

21- دسویں کلاس تک اسلامیات تک اسلامیات کی تدریس لازمی قرار دی گئی۔

22- نظم ونسق مدرسہ کے لئے قومی کونسل قائم کی گئی۔

23- حکومت نے اس عزم کا اعادہ کیا کہ تعلیم پر مجموعی قومی پیداوار کا 4% خرچ کیا جائے گا۔

تعلیمی اصلاحات

لیبر پالیسی:

Labour Policey

بھٹو صاحب ''سوشلزم ہماری معیشت'' کے نعرے سے مشہور تھے کئی بار انہوں نے کہا ''ایشیاء سرخ ہے'' مگر خود جاگیردار تھے لہٰذا خاطر خواہ نتائج نہ نکل سکے انہوں نے قومی کی ترقی کی خاطر درج ذیل اقدامات کیے گئے۔

1- مزدور کی مالی حالت کو بہتر بنانے کے لیے ان کے معاوضہ میں خاطر خواہ اضافہ کرنے کے احکامات صادر فرمائے۔

2- بھٹہ مزدور جو کہ ایک ہزار اینٹ تیار کرنے کے 45 روپے لیتے تھے اس کمی کو پورا کرنے کیلئے مزدوری کی رقم بڑھاتے ہوئے ہزار اینٹ کے 60 روپے کر دیے۔ نیز ہر صنعتکار کے ہر مزدور کو ایک بچے کی تعلیم دلوانے کا حق دیا گیا۔

PakistanStudy.pk

3- عمارتی مزدوروں کی مزدوری میں پچاس فی صد اضافہ کر دیا گیا۔
4- لیبر یونین کو بحال کیا گیا اور فیکٹری کے منافع میں بطور بونس مزدوروں کے حق کو تسلیم کرایا۔
5- مزدوروں کے معاملات کے لیے لیبر کورٹ کا اجراء ہوا۔
6- مزدوروں کا پہلے فوتیدگی الاونس 50 روپے تھا لہٰذا تجہیز و تکفین الاونس کی بجائے 500 روپے دینے کا اعلان ہوا۔
7- مزدوروں کے لیے سوشل سیکورٹی اور گروپ انشورنس کو رائج کیا گیا۔
8- ایک ہزار روپے تنخواہ پانے والے کو پینشن کا حق دیا گیا۔

بھٹو کی مزدور پالیسی کی وجہ سے مہنگائی میں اضافہ ہوا لہٰذا مزدوروں کی مزدوری میں اضافہ ناگزیر ہو گیا اس کا صنعت پر خاص اثر پڑا علاوہ ازیں یونین باز مزدوروں نے صنعتوں میں بدمعاشی اور بلیک میلنگ کا سلسلہ شروع کر دیا۔

طبی پالیسی:

میڈیسن کے پیٹنٹ (Patent) نام ختم کر کے جنرل نام رکھنے کی ہدایت دی گئی۔ ہر دوا ساز اس کے تحت دوا سازی کا حق رکھتا تھا۔ ہر دوا فروش کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی دکانوں پر دواؤں کے نرخ مساوی رکھیں۔

مگر 1976ء میں یہ سکیم ختم کر دی گئی کیونکہ دوا سازوں نے اس سے ناجائز فائدہ اٹھانا شروع کر دیا تھا۔ میڈیکل کالجز کی تعداد زیادہ کر کے 10 کر دی گئی میڈیکل کالجز میں طلباء کی نشستیں 4000 کر دی گئیں۔

پالیسیوں پر تبصرہ:

اصل میں بھٹو حکومت ایوبی حکومت کی بے انصافی کا مداوا کر کے عوام میں اپنا اعتماد بحال کرنا چاہتی تھی تاکہ قوم بحران سے نکل آئے اور ان پالیسیوں سے ہٹ کر ایک طرف حکومت سے سرخ انقلاب کی توقع بھی کی جانے لگی۔ گورنمنٹ کی کارکردگی اس کے وعدوں کے برعکس باہر نکلنا شروع ہو گئی۔ ایکسٹریم رائٹ اور بائیں بازو (Extreme Left) کے نظریات حامی لوگوں کی طرف سے اس پر تنقید کی بارش ہونے لگی۔ بعد میں ان پالیسیوں کا تجزیہ رجعت پسند طبقہ مارکسزم سے کرنے لگا۔ بعد میں اس ابہام کو دور کرنے کے لیے اسلامی سوشلزم کی اصطلاح متعارف کرائی جانے لگی۔ وعدوں اور

کارکردگی میں فرق کیوں آیا اسکے پیچھے بعض عوامل کارفرما تھے جو کہ یہ تھے۔

1- 1970ء کے الیکشن بالکل مختلف حالات میں ہوئے تھے ایک طرف تو ملٹری میں بھگدڑ مچی ہوئی تھی اور دوسری طرف مشرقی پاکستان کا علیحدہ ہو چکا تھا لہٰذا الیکشن کے وقت غیر سیاسی جماعتوں نے آئندہ کے لیے کیسی پیش بندی کا منصوبہ نہ بنایا تھا۔ وعدے اتنے بدامنی کے حالات میں کیے گئے تھے کہ ان کو پورے کرنا ممکن ہی نہ تھا۔ پاکستان کی صورتحال بہت کشیدہ تھی۔ بھٹو نے اپنی حکومت کے ابتدائی چار مہینے سے ہی مارشل لاء لگا دی تھی۔ جب 21 اپریل 1972ء کو آئین نافذ کیا گیا تو ملک میں ایمرجنسی کے سبب بنیادی حقوق معطل کر دیئے گئے۔

2- اصلاحات کا اعلان جلد بازی میں کیا گیا تھا۔ عوام نے ان اصلاحات کے اطلاق پر کوئی خصوصی توجہ نہ دی۔ اس طرح لوگ کنفیوژن کا شکار ہو چکے تھے۔ مختلف امور کے سلسلے میں پالیسی بنانے کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ پالیسیوں کا اعلان شور شرابے میں ہوا تھا جیسا کہ ملک میں کوئی نیا انقلاب آنے والا ہے۔ بعد میں گورنمنٹ نے کسی پالیسی کو تبدیل نہ کرنے کا رویہ اپنا لیا کیونکہ حکومت سوشلزم ممالک کا تعاون حاصل کرنے کا سوچ رہی تھی بعد میں کسی فرم کو اصل نام نہ تبدیل کرنے کا حکم دیا گیا دواؤں (medicines) کے سلسلے میں اس کی مثال دی جا سکتی ہے جس کو پیچھے بیان کیا جا چکا ہے۔

3- گورنمنٹ کو وعدوں کی عدم تکمیل کے باعث مشکلات کا سامنا کرنا پڑا لوگوں کی ذہنی تربیت نہ ہوئی تھی۔ لوگ چاہتے تھے کہ بھٹو کا انقلاب پلک جھپکتے آ جائے گا کوئی خاطر خواہ پیش رفت نہ ہونے کے باوجود گورنمنٹ کے ممبران لوگوں کو سبز باغ دکھاتے رہے۔ بعض نچلے طبقے کے لوگ پیپلز پارٹی کے نام کا غلط استعمال کرتے رہے اور وہ لوکل انتظامیہ کے عمل میں مداخلت کرتے رہے۔ ہائر اتھارٹیز نے اس ضمن میں ایسے لوگوں سے باز پرس بھی کی تھی جو ناجائز کا غلط فائدہ اٹھا رہے تھے۔ لوگ اپنے مفاد کی خاطر مخالف گروپ سے ٹکرا کر اپنا الو سیدھا کر رہے تھے سیاسی گروہ مخالفوں کے خلاف پروپیگنڈا کر کے اپنے مفاد حاصل کر رہے تھے جو بھی پارٹی کارکنان کے مفاد کی راہ میں رکاوٹ بنتا اسے تشدد کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔

چار ماہ بعد بھٹو حکوم نے نیا آئین بحال کر کے مارشل لا ختم کر دیا قومی اسمبلی نے ایک کمیٹی

Pakistanstudy.pk

تشکیل دی جس کو مستقل نیا آئین بنانے کے لیے تعینات کیا گیا۔ لہذا آئین سازی کے سلسلہ میں کریڈیٹ پیپلز پارٹی اور حزب اختلاف کو جاتا ہے کہ انہوں نے باہمی اختلافات کو دور کر کے ایک سال کے اندر نیا آئین ملک کو دے دیا۔ اس آئین کو 1973ء کا آئین کہتے ہیں۔ اس میں پارلیمانی نظام کو متعارف کرایا گیا۔ جس میں صدر کی پوزیشن (اختیارات کے حوالے سے) کمزور تھی اس میں دو ایوانی مقننہ نے قانون سازی کرنا تھی ان کو مالیاتی اختیارات تفویض کیے گئے تھے وفاق کے علاوہ صوبوں کو بھی خودمختاری دی گئی تھی۔ علاوہ ازیں بنیادی حقوق کا مکمل چارٹر اس میں شامل تھا۔

یہ آئین پیچھے مروجہ صورتحال کو دیکھ کر بنایا گیا آئین میں دفعہ نمبر 6 کے عنوان کا نام High Treason رکھا گیا تا کہ کوئی آمر قومی اسمبلی کو سبوتاژ نہ کر سکے۔ علاوہ ازیں 1975ء اور 1976ء میں آئین کے اندر بعض ترامیم ڈال دی گئیں۔ جس سے خاص طور پر عدالتی نظام کی آزادی کو متاثر کیا گیا اور ایسے قوانین لائے گئے جس کے تحت بنیادی حقوق کے سلسلہ میں ایڈمنسٹریشن کی زیادتیوں کے خلاف ازالے کو ناپید کرنے کی مذموم کوشش کی گئی۔

بھٹو کا حزب اختلاف کے بارے رویہ:

فروری 1973ء میں صوبہ بلوچستان میں مینگل کی کابینہ کو ختم کیا گیا۔ احتجاجاً سرحد میں مولانا مفتی محمود کی کابینہ نے استعفیٰ دے دیئے جس سے مرکزی ادارے کو جھٹکا لگا۔ بلوچستان میں مرکز کے منفی رویے کی وجہ سے اشتعال انگیز حالات کی وجہ سے حکومت کو فوجی دستے استعمال کرنے پڑے۔ حکومت کے اس رویہ سے حزب اختلاف کے درمیان حلقوں میں یہ تاثر عام ہونے لگا کہ حکومت سیاسی اختلافات کا جواب گولی سے دینے کی روش پر گامزن ہے لہذا بلوچستان میں گوریلا ٹائپ کارروائیاں شروع ہو گئیں بھٹو چاہتے تھے کہ سرحد اور بلوچستان میں نیپ اور جمعیت علمائے اسلام کی مخلوط حکومتوں کی جگہ پیپلز پارٹی کی حکومتیں قائم کی جائیں اس سلسلے میں بزنجو کو استعمال کیا گیا وہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی اور کشمیر سے پاکستان کی دست برداری کے حق میں تھا آئین کو منظور کرنے کے سلسلہ میں Nap کو استعمال کیا گیا تا کہ بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے کی راہ ہموار ہو سکے بلوچستان کے ایک لیڈر طاہر علی خاں نے مینگل حکومت پر انگشت زنی کی تھی کم ان کے صوبے کے کم و بیش 20000 ہزار سیاسی کارکنان بغیر مقدمہ چلائے حکومت کی غیر قانونی تحویل میں ہیں۔ اکبر بگٹی اس وقت لندن میں تھے۔ انہوں نے الزام لگایا کہ نیپ ملک کو توڑنے میں اہم کردار ادا کر رہی ہے لہذا فوج طلب کرنی چاہیے۔ حکومت نے نیپ

کے ساتھیوں خیر بخش مری، عطا اللہ مینگل اور غوث بخش بزنجو کے خلاف کارروائی کسی غرض سے "لندن پلان" کا منصوبہ اختراع کیا گیا لہذا میڈیا پر نیپ کی خوب مٹی پلید کی گئی بلوچستانی نیپ کے لیڈروں کے خلاف انتشار پھیلانے کے الزام میں لمبی لسٹ تیار کی گئی۔ نیپ کے لیڈروں کو گرفتار کر کے پارٹی کو غیر قانونی قرار دے دیا گیا ان کے خلاف بغاوت کا مقدمہ چلانے کے لیے ایک خاص ٹریبونل قائم کر دیا گیا بعد ازاں فوج کو اس انتشار میں دھکیل دیا گیا لہذا بھٹو حکومت نے مری اور مینگل قبائل سے ایک لا مختتم تصادم شروع کر دیئے یہ تصادم اس وقت تک بھی جا رہے جب بھٹو تختہ دار پر لٹکائے جا رہے تھے پیپلز پارٹی کے لیڈر شیر پاؤ کو قتل تک کر دیا گیا۔ ولی خاں اور 43 دوسرے گرفتار شدگان کے خلاف حیدر آباد جیل میں مقدمہ چلایا گیا۔ (اس کو عام طور پر حیدر آباد سازش کیس) کہا جاتا تھا۔ 1977ء میں جب ضیاء الحق برسر اقتدار آئے انہوں نے اس ٹریبونل کو چلتا کیا اور نیشنل عوامی پارٹی کے لیڈروں کو رہا کر دیا۔

پیپلز پارٹی انتقامی کاراتیوں کی بدولت عوام میں نامقبول ہوتی گئی اور یہ ایک چھتری پارٹی بنتی گئی جس میں ایسے افراد بھی داخل ہوتے گئے جو پیپلز پارٹی کی بنیاد ہی کے خلاف تھے محض اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے انہوں نے پیپلز پارٹی کی پناہ میں امان حاصل کر لی تھی۔ یہ پارٹی کبھی بھی موروثی سیاست سے نہ نکل سکی۔

تمام افراد ہیرو بننے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ نیز جیالا ازم کو فروغ دیا گیا اس وقت کی حکومت درج ذیل مسائل کا سامنا تھا۔

(i) قومی شناخت کی پہچان (ii) سیاسی اداروں کی تعمیر و ترقی
(iii) آئین کی ترقی (iv) معاشی ترقی

دیکھنا یہ ہے کہ بھٹو حکومت نے ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے کیا کوششیں کیں؟ کیا ایسی کوششیں کارآمد ثابت ہوئیں؟ آیئے اس کا جواب تلاش کرتے ہیں۔

صنعتی اور مالیاتی اداروں کو قومیانہ

Nationalisation of Industries and Financial Institutions

پیپلز پارٹی نے اپنے منشور میں بنیادی صنعتوں اور مالیاتی اداروں کو قومیانے کے متعلق وعدہ

Pakistanwiki.pk

کیا تھا۔ جب اس پارٹی نے ملک پر انتظامی کنٹرول سنبھالا تو اس نے ایک مہینے کے اندر قومیانے کا پروگرام متعارف کرادیا گیا اس نے 31 کے قریب صنعتوں کو اپنے قبضے میں لے لیا اس میں دس بنیادی صنعتی یونٹ تو اس سلسلہ میں آئرن اینڈ سٹیل، بنیادی دھاتیں، ہیوی انجینئرنگ، مینوفیکچر، ہیوی اینڈ بیسک کیمیکل، پیٹروکیمیکل سیمنٹ اور پبلک یوٹیلٹی کو قومیانے کا منصوبہ بنایا گیا۔ لائف انشورنس کمپنیوں کو بھی سرکاری تحویل میں لے لیا گیا۔ پروگرام ترتیب دیا گیا کہ اس سلسلے میں منٹری آف فنانس اپنے مقاصد کے حصول کے لیے سپیشل یونٹ لگائے گی ان صنعتوں پر کنٹرول مارشل لاء آرڈرز کے ذریعے حاصل کرلیا گیا۔ اس سلسلہ میں وکلا کے پینل کی خدمات متعارلی گئیں تاکہ اس عمل کو قانونی شکل دی جائے۔ پہلے موقع پر گورنمنٹ نے صنعتی اداروں کی انتظامیہ کو اپنے ماتحت کرلیا اور صنعتوں کی ملکیت قبضہ میں نہ لی اس کا مطلب یہی تھا کہ صنعتوں کے اصل مالکان کی کوئی مالی تلافی نہ کی جائے گی۔ ان فرموں کے سٹاک ایکسچینج مارکیٹ میں موجود شیئرز (shares) پر پابندی عائد کردی گئی۔ زیادہ سے زیادہ سماجی مفاد دینے کی خاطر صنعتوں میں ورکرز کمیٹیاں بنادی گئیں تاکہ وہ گورنمنٹ کی طرف سے مقرر کردہ منیجروں کی مدد کی جاسکے۔

لہٰذا صنعتکاروں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ بڑے بڑے صنعتکاروں نے بھٹو اور پیپلز پارٹی پر اعتماد کرنا چھوڑ دیا۔ 1972ء میں انڈسٹریل سیکٹر کا جی ڈی پی 12.8 فی صد ہوگیا اور ملازمین لیبر فورس کا کل 4.3 فی صد رہ گئے۔ اس میں ایکسپورٹ کا کل 8.3 فی صد تھا۔ اس ضمن میں انکم تقسیم کرنے میں بعض قباحتیں سامنے آئیں۔ قومیانے کے عمل سے ملک کی معیشت میں کوئی زیادہ تبدیلی نہ آئی اس کے متعلق بھٹو کا خیال تھا کہ وہ اس طریقہ سے غربت اور ناہمواری ختم کردیں گے فنانس منسٹر پیغام دے رہے تھے کہ ایسا معیشت کی مضبوطی کے لیے کیا جارہا ہے۔ اصل میں ملک کی غربت کا مورد الزام صنعتکاروں پر بنایا جارہا تھا جو ایک ناممکن سچائی تھی اصل میں زیادہ دولت تو نجی سرمایہ داروں کے پاس تھی لہٰذا ضرورت اس امر کی تھی کہ مختلف پالیسیوں کے ذریعے اس دولت سے صحت مندانہ معیشت کی بنیاد رکھی جائے۔ صنعت کار حکومت کی پالیسیوں سے آگ بگولہ ہوگئے احمد داؤد جو صنعتی اعتبار سے پاکستان کے دوسرے نمبر کے امیر صنعتکار تھے ان کے ریمارکس تھے۔

''اگر تم ایک گائے مارو گے تو اس کا گوشت ایک دن تک کھاؤ گے۔ مگر اگر تم وہی گائے رکھتے ہو تو ہر دن تمہیں دودھ ملے گا، پاکستان کو اس دودھ کی ضرورت ہے۔'' قومیائے جانے کا پریڈ ملک میں تشویش لے کر آیا نجی سرمایہ دار گورنمنٹ کی اصل نسبت سے پریشان تھے۔ بہت سے صنعتکار بھٹو کو اس

کے وعدے سے پھیرنا چاہتے تھے انہوں نے مختلف سرمایہ داروں نے بیانات سے گورنمنٹ کے اقدامات کی مذمت بھی کی۔

قصوری کی روانگی مبشر حسن کے مخالفین کو کمزور کرگئی اس کے مخالفین نے اپنی تنظیم سازی کرنا شروع کردی۔ مبشر حسن نے نیشنلائیشن کا پہلا قدم اٹھاتے ہوئے پبلک سیکٹر کو مکمل اپنی تحویل میں لے لیا اس میں بنک، ویجی ٹیبل آئل اور ٹیکسٹائل انڈسٹری شامل تھی۔ عبدالحفیظ پیرزادہ جو کہ قصوری کے قانونی ایڈوائزر تھے انہوں نے بھٹو سے استدعا کی کہ سوشلزم کے عمل کو تیز نہیں کرنا چاہیے۔ پلاننگ کمیشن کا ڈپٹی چیئرمین بھی مالیاتی اداروں کی نیشنلائزڈ پر سراپا احتجاج تھا۔ اسٹیٹ بنک کے گورنر نے بھی انتظامیہ پر زور ڈالا کہ وہ پالیسیوں پر عمل درآمد کے سلسلہ میں ہتھ ہولا رکھیں۔ مئی 1972ء کو اسٹیٹ بنک کے رولز میں کچھ ترامیم کردی گئیں تھی۔ اس کے تحت کریڈیٹ پالیسی کو متعارف کرایا گیا لہٰذا اس پالیسی سے چھوٹے صنعتکاروں اور چھوٹے کسانوں کو فائدہ حاصل ہوا۔ قرضوں کی واپسی اور قرضے دینے سے بیورو کریسی کی عزت کچھ بحال ہوئی اور ملکی معیشت میں قدرے بہتری آئی۔

1973ء کی گرمیوں میں ملک میں وسیع پیمانے پر سیلاب آگیا۔ 1950ء میں سیلاب کے بچاؤ سے جو حفاظتی پشتے (Embenkments) بنائے گئے تھے وہ گر گئے سرکاری اعداد و شمار کے تحت 200 کے قریب لوگ ہلاک ہوئے۔ جائیداد کی تباہی خاصی ہوئی۔ 4 ملین ایکڑ کاشتکاری کا رقبہ زیر آب آگیا کاشتکاری کا 10 فی صد رقبہ بنتا تھا علاوہ ازیں 885000 کے قریب گھر بری طرح تباہ ہوئے۔ 54000 مویشی مارے گئے۔ اس میں بھینس، گائے بکریاں تھی جو کہ غائب ہوگئیں۔ 38 ملین ڈالر کی سڑکیں اور فاصلاتی انفراسٹرکچر تباہ ہوگیا۔ گورنمنٹ نے کل نقصان کا تخمینہ 800 ملین ڈالر لگایا۔

سیلاب بہت بڑا تھا مگر نقصان تھوڑا تھا بیورو کریسی کی مختلف شاخوں نے متاثرہ علاقے کا رخ کیا۔ صوبوں میں فلڈ ریلیف کمیشن قائم کردیئے گئے۔ بیوروکریسی اپنی دھن میں مگن رہی لوگوں کو بنیادی ریلیف قدرے بہت ہی کم ملا۔ شمالی علاقوں میں لوگ کوکنگ آئل اور پٹرول کے بغیر زندگی گزارنے پر مجبور ہوگئے۔ پسماندہ علاقوں میں کوکنگ آئل کی قیمتیں بہت زیادہ بڑھ گئیں۔

اس سلسلہ میں بزنس کمیونٹی کی طرف سے کوئی Response نہ آیا گورنمنٹ بھی حیران ہوئی لہٰذا مبشر حسن کے پریشر سے 16 اگست 1973ء کو گھی کی صنعتوں کو قومیا لیا گیا۔ بھٹو بزنس کمیونٹی کے

pakistanmylife.com

رویے سے سخت نالاں تھے وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ سرمایہ داروں کا رویہ آخر کار سوشلزم انقلاب کا راستہ کھول دے گا۔ دوسری طرف فنانس منسٹر نے اعلان کیا کہ حکومت سوشل آرڈر کے نفاذ کے سلسلہ میں کوئی مزاحمت قبول نہ کرے گی۔

گھی کو قومی تحویل میں لینے سے خاص ترقی بھی ہوئی اور بائیس خاندانوں کو دھچکا بھی لگا نیشنلائزیشن کا عمل کپاس بونے والوں کو بھی حکومت کے قریب تر لے آیا کسان گورنمنٹ کے ساتھ اجناس معاہدے اچھا نہ سمجھتے تھے کیونکہ گورنمنٹ کی طرف سے مقرر کیے جانے والے کشیور وکریٹس منیجر بے جا کمیشن وصول کر رہے تھے اور رشتو کا بازار گرم کر رہے تھے۔

گھی کی صنعت کو قومیا کر بھٹو کی بزنس کمیونٹی میں ویلیو کم ہوگئی انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ مزید گھی انڈسٹریز نہ قومیائے گے مگر قومیانے کا عمل 1977ء تک جاری رہا۔

یکم جنوری 1974ء کو نئے سال کی آمد پر بھٹو حکومت کی طرف سے تمام نجی اور گھریلو بنکوں کو قومی تحویل میں لے لیا گیا۔ وزیر فنانس نے دعویٰ کیا کہ پیپلز پارٹی اپنے منشور کی تکمیل کر رہی ہے اور ہم مکسڈ کانانومی (Mixed Economy) کو فروغ دے رہے ہیں۔

پبلک سیکٹر کے صنعتوں اور کاروباری اداروں پر مزید قبضے کے رجحان نے بزنس کمیونٹی کو ہلا کر رکھ دیا۔ بزنس کمیونٹی نے پاکستان کی موجودہ صورتحال کو دیکھ کر اپنا سرمایہ افریقہ اور مشرق وسطی کے ممالک میں منتقل کرنا شروع کر دیا۔ صنعتکاروں میں خاص طور پر سہگل فیملی نے اپنا سرمایہ تنزانیہ، کنیا اور متحدہ عرب امارات منتقل کر دیا۔ ہارون فیملی نے نیویارک اور لندن کا رخ کر لیا۔ بنکرز اور بینکوں کے مالکان نے مڈل ایسٹ بنکوں کے اداروں میں اپنا سرمایہ لے جانا شروع کر دیا۔ دوسری بزنس میں فیملیوں نے خاص طور پر داؤد گروپ نے اپنا کاروبار بدل کر چاول اور مچھلی کے کاروبار میں سرمایہ لگا دیا سہگلز نے تعمیراتی امور میں اپنا سرمایہ صرف کرنا شروع کر دیا۔ حبیب اللہ فیملز نے لاہور اور کراچی میں چھوٹی صنعتوں کے ضمن میں اپنا روپیہ لگانا شروع کر دیا۔

نجی شعبے میں سرمایہ کی حرکت اور منجمنٹ سکلز کم ہوتی گئی جس کو ٹیبل کے ذریعے دکھایا گیا

ہے۔ بزنس کمیونٹی نے 73-1972 کے دوران کل رقم 572 ملین روپے صرف کی حالانکہ 65-1964ء میں انہوں نے 1198 ملین روپے سرمایہ کاری میں لگائے تھے۔ انڈسٹری میں GDP کا 5.4 فی صد صرف ہوا علاوہ ازیں اس رجحان کے پیش نظر سیاستدانوں پر خاصی تنقید کی گئی۔ بعد میں ڈرامائی طور پر پبلک سیکٹر میں سرمایہ کاری کی سطح کو بڑھایا گیا۔ اس ضمن میں ایوب کے دور میں چھ مرتبہ سرمایہ کاری میں اونچ نیچ دیکھنے کو آئی۔

پبلک اینڈ پرائیویٹ مینوفیکچرنگ انوسٹمنٹ (رقم ملین میں) سال 60-1959ء قیمتیں مستقل رہیں

سال	پرائیویٹ	پبلک	کل
ایوب دور تا 1960,61,64 (سالانہ اوسط)	992	57	1069
1965 تا 1966ء اور 1969 تا 1970ء (سالانہ اوسط)	930	106	1036
بھٹو دور 72-1971	767	61	828
73-1972	572	68	640
74-1973	648	175	823
75-1974	740	154	894
72-1971			
اور 76-1975 (سالانہ اوسط)	682	115	797

ذریعہ معلومات: اکنامک سروے آف پاکستان بابت 65/1964 تا 77/1976

پاکستان پیپلز پارٹی نیشنلائزیشن کے ذریعے صنعتی اور مالیاتی فیملز گروپ کو سیاسی میدان میں آنے کے لیے روکنا شروع کر دیا اس میں وہ کامیاب رہی مگر وہ مینوفیکچرنگ گروپ کو ناکام نہ بنا سکی

pakistanistudy.com

کیونکہ ایوبی دور میں ہی اس نے اپنی مالی ساکھ خاصی بہتر بنالی تھی۔ پیپلز پارٹی کے دور میں انڈسٹریل سیکٹر کی آوٹ پٹ 2 فی صد رہی جبکہ ایوب دور میں یہ 8 فی صد تھی۔ اس عرصہ میں پبلک سیکٹر کے پاس سارا انتظام آ گیا تھا پرائیویٹ سرمایہ کاری ملک میں سیاسی تبدیلی کی منتظر تھی۔ منیجرز اس امر کا دعویٰ کر رہے تھے کہ مستقبل قریب میں حالات درست ہو جائیں گے مگر حقیقی طور پر ترقی میں جمود آ چکا تھا۔ جب صنعتی ترقی کا معاملہ کھٹائی میں جاتا ہوا دکھائی دیا تو منیجروں نے یہ کہہ کر اپنی جان چھڑائی کہ بڑے صنعتکار تو اپنا سرمایہ بیرونی ممالک میں لگا رہے ہیں۔ اس انقلاب کے ضمن میں سیاسی اور سرمایہ دار راہنماؤں کو سخت مالی دھچکا لگا۔ فرم اور فنانشل اداروں کی طاقت کم ہوئی سیاستدانوں اور سرمایہ داروں نے منفی سوچنا شروع کر دیا۔ حکومت کی مخالفت کی گئی۔ 1972ء میں ملک میں جامع لیبر اصلاحات کو متعارف کرایا گیا اس کے تحت گورنمنٹ نے خاصے اقدامات کیے تھے۔

صنعتوں کی لیبر فورس:

صنعتوں کی تنظیم لیبر فورس نے ایوب خاں کی حکومت ختم کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ بہت سے شہروں اور صنعتی علاقوں خاص طور پر لاہور اور لائلپور کے صنعتی مزدوروں نے پیپلز پارٹی کو انتخابات میں کامیاب کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔ مبشر حسن کے مطابق پاکستان کی لیبر ہماری پارٹی کا اثاثہ ہے۔ پیپلز پارٹی نے بعض ورکرز یونین سے معاہدہ کیا تھا کہ وہ الیکشن جیتنے کے بعد ان کے اختیارات اور تنخواہوں میں خاطر خواہ اضافہ کرائیں گے یہ بھی وعید سنائی گئی تھی کہ دولت کے توازن کو کنٹرول کرنے کے لیے صنعتی پالیسی ترتیب دی جائیں گی۔ مزدوروں کی تنخواہوں اور مراعات میں کچھ اضافہ کر دیا گیا لہذا پبلک سیکٹر میں مزدوروں کی مانگ بڑھ گئی۔ گورنمنٹ نے اعلان کیا کہ مزدوروں کی بہبود کے لیے 250 ملین روپے خرچ کیے جائیں گے جو کہ انڈسٹریل آوٹ پٹ کے 12.5 فی صد بنتے ہیں۔ رپورٹ میں یہ ظاہر کیا گیا کہ یہ رقم صنعتوں کے منافع سے حاصل کی جائے گی اور اس کا بوجھ کنزیومر پر نہ ڈالا جائے گا۔ اور نہ ہی اس رقم کی وجہ سے صنعتی پیداوار کی قیمتیں بڑھائی جائیں گی۔

جب مزدور اصلاحات کا اعلان کیا جا رہا تھا تو اس وقت ملک میں موجود ٹریڈ یونین کا ایک چوتھائی حصہ رجسٹرڈ تھا کہا جاتا ہے کہ انہی یونین کی سفارشات پر لیبر اصلاحات کی قانون سازی کی گئی۔

اس سلسلہ میں لیبر آرڈیننس 1964ء سے سہارا لیا گیا۔ اس وقت تقریباً 2.2 ملین افراد مینوفیکچرنگ کے شعبہ میں مزدور تھے 5,70000 مزدوروں کو یونین کے تحت رجسٹرڈ قرار دیا گیا۔ بعد میں "رجسٹرڈ" کی اصطلاح میں ترمیم کر دی گئی۔ فرموں نے رجسٹرڈ مزدوروں کی تعداد میں نصف کے حساب کمی کر دی گئی لہذا 1.2 ملین رجسٹرڈ مزدوران اصلاحات کے فروٹ سے مستفید ہو سکے۔ کیونکہ چھوٹے صنعتی گروپس کے مزدوروں کو اس سے نکال دیا گیا۔ مزدوروں کی فلاح کے لیے دوسرے اقدامات جاری رہے۔ مزدوروں کے متعلق غیر مساوی سلوک کے سلسلہ میں ملک میں ابتری پھیل گئی۔ چھوٹی صنعتوں کے مزدوری کے وقار کی بحالی کے سلسلہ میں مبشر حسن نے گجرات، کامونکی، مرید کے، لالہ موسیٰ کے دورے بھی کیے تا کہ مزدوروں کو لالی پاپ دیا جا سکے لہذا پیپلز پارٹی کو معلوم ہوا کہ پنجاب میں ان کی ساکھ خراب ہونا شروع ہو گئی ہے۔ سمال انڈسٹریز کے مالکان کو بھی خاطر خواہ پیکج نہ دیا گیا لہذا وہ بھی بھٹو حکومت سے نالاں ہو گئے۔ لیبر پالیسی کے اطلاق کے ضمن میں عمل درآمد ست روی (go slow) کا شکار رہا۔ کاٹیج انڈسٹریز کے لیے خاطر خواہ اصلاحات کرنے کا اعلان کیا گیا۔ جب صنعتیں قومیائی گئی تو دس فرموں سے اچھا منافع ہاتھ لگا بعد ازاں دوسری صنعتوں سے خاطر خواہ نتائج نہ برآمد نہ ہوئے گورنمنٹ شیئرنگ پر 1 فٹ فارمولہ نکالا جس کے تحت مزدوروں، سابقہ مالکان اور منیجروں کو پر 1 فٹ میں برابر کا حصہ دار قرار دینا طے کیا گیا۔ حکومت نے اعلان کیا کہ اس قسم کے اقدامات سے ٹیکس صحیح حاصل ہوگا، بجلی چوری اور کام چوری میں کمی آئے گی۔ قانون بنا دیا گیا کہ ہر صنعت اپنے منافع کا 12% مزدوروں کی بہبود پر خرچ کرے گی۔

اس دور میں مبشر حسن اور اس کا فنانس منسٹر خاص طور پر منیجروں کو فائدہ پہنچا رہا تھا منیجرز بہتی ہوئی گنگا سے دولت ہاتھوں ہاتھ سمیٹ رہے تھے اور بے شمار صنعتوں کو لیکوڈیشن کے عمل سے گزار رہے تھے (نوٹ لیکوریڈیشن سے مراد صنعتوں کے اثاثے بیچ کر تمام انفراسٹرکچر کو روپے کی شکل میں لانا مراد ہے کیونکہ جب صنعت نادہندہ ہو جاتی ہے تو اس کو بیچ کر اس کا سرمایہ قرضہ خواہوں یا حکومت کے خزانے میں جمع کرایا جاتا ہے) منیجرز اور مزدوروں نے صنعت کو مشکل کا شکار کر دیا۔ صنعتی عمل بتدریج زوال پزیر رہا جس کے اثرات زندگی کے تمام شعبوں پر اثر انداز ہوئے سرمایہ کاری میں کمی آئی لہذا اگر اس روٹ پر خوشحال نہ آ سکتی۔

PakistaniyaT.pk

تعلیم کو قومی تحویل میں لینا

The Nationalisation of Education

آئین کی شق 37 کے تحت قرار دیا گیا کہ۔

(الف) حکومت پسماندہ عورتوں میں تعلیم اور معاشی فوائد کو فروغ دے گی۔

(ب) جہالت کو دور کیا جائے گا اور طے شدہ عرصہ کے اندر سیکنڈری تعلیم مفت مہیا کی جائیں گی۔

(ج) مختلف علاقوں میں لوگوں کی تربیت اس نہج پر کی جائے گی کہ وہ تعلیمی، زرعی اور صنعتی میدان میں مثبت کردار ادا کر سکیں، اس میں گورنمنٹ کے ملازمین کی خدمات بھی لی جائیں گی۔

تعلیم کو مربوط نظام کے طور پر پیش کرنے کی سعی جلیلہ کی گئی۔ اس کے لیے ٹائم سکیل متعین کیا گیا۔ بھٹو صاحب ملک کو انڈسٹریل اسٹیٹ اور سبز انقلاب سے مزین کرنا چاہتے تھے لہذا طے پایا کہ سیکنڈری تعلیم کو فری اور لازمی قرار دیا جائے اور طلباء کو سفری سہولت اور دیگر سہولتیں مہیا کی جائیں۔ تعلیم ہی ہیومن وسائل کا حصہ ہے لہذا پسماندہ علاقوں میں علم کی شمعیں روشن کی جائیں۔

ملک میں تعلیم عام کرنے کے سلسلہ میں پالیسی بنائی گئی اور تعلیمی اصلاحات کو متعارف کرایا گیا۔ 20 دسمبر 1971ء کو تعلیمی پالیسی کا اعلان کیا گیا اس پالیسی میں فنی تعلیم کی تربیت کو عام کرنے پر زور دیا گیا۔ تمام پرائیویٹ تعلیمی اداروں کو قومی تحویل میں لے لیا گیا۔ یکم ستمبر 1972ء کو 175 پرائیویٹ کالجز کو صوبائی تحویل میں لے لیا گیا۔ 1979ء میں کابینہ کی پالیسی کے تحت کئی ایجوکیشنل سیکٹر براہ راست حکومت کی تحویل میں چلے گئے صرف دو درجن کے قریب ادارے بچے تھے جو قومی تحویل میں نہ گئے بلکہ پرائیویٹ کنٹرول میں رہے ان میں سینٹ میری اکیڈمی راولپنڈی، برن ہال ایبٹ آباد، سینٹ جوزف اینڈ گرائمر سکول کراچی شامل تھے۔ جو ادارے سرکاری تحویل میں نہ گئے تو ان کی ایڈمنسٹریشن غیر ملکی مشنریوں کے حوالے کر دی گئی۔ اداروں کو قومیانہ صریحاً سیاسی معاملہ تھا۔ بھٹو نے تعلیمی پالیسی میں واشگاف الفاظ میں کہا کہ بڑھتی ہوئی آبادی کو تعلیمی زیور سے آراستہ کرنے کے لیے ایسا قدم اٹھانا ضروری ہو گیا تھا۔

بھٹو کے دور میں 43 فی صد بچوں کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے رجسٹریشن کی گئی۔ 7 ملین بچے پھر بھی اداروں میں جا کر تعلیم حاصل نہ کر سکے کیونکہ ان کی عمریں زیادہ تھی اس میں 5 ملین لڑکیاں

شامل تھیں۔ حکومت نے تعلیم بالغاں پروگرام بھی شروع کیا۔

تعلیمی عمل کو پروان چڑھانے کے لیے زیادہ سرمایہ کی ضرورت تھی لہذا اخراجات کی بنا پر دیرپا منصوبہ بندی نہ کی جا سکی۔ تعلیمی اصلاحات شروع کی گئیں جس میں غربا کو تعلیم دلوانے کی طرف راغب کیا گیا۔ تمام تعلیمی اداروں میں اساتذہ کی تربیت کے لیے ادارے کھولے گئے۔ حکومت نے پرائمری ایجوکیشن کی مد میں خطیر رقم خرچ کی تعلیم کو ہر ممکن سستا کیا گیا۔

مختلف مذہبی جماعتوں کی طرف سے شوشہ اُڑایا گیا کہ ملک میں تعلیمی اداروں کو قومی تحویل میں لے کر سوشلزم کی تعلیم دی جا رہی ہے اخبارات شہاب، اردو ڈائجسٹ اور ''زندگی'' کے رسالوں میں حکومت کی تعلیمی پالیسی کے متعلق شبہات کا طوفان کھڑا کر دیا گیا۔ انجمن حمایت اسلام کا ادارہ اصل میں صوبہ پنجاب میں مذہبی اور عام تعلیم دینے میں پیش پیش تھا اس نے اپنے خدشات کا اظہار کرنا شروع کر دیا کہ ملک میں لادینیت پھیلائی جا رہی ہے۔ سندھ میں ٹیچرز کی تنظیم ویسٹ پاکستان کالج ٹیچرز ایسوسی ایشن (WPCTA) نے بھی پیپلز پارٹی کی حکومت کے خلاف بدشگونی کو خاصی ہوا دی۔ اس سے پہلے یہ تنظیم ایوب خاں کی تعلیمی پالیسیوں پر بھی احتجاج کر چکی تھی۔ اس تنظیم کے اساتذہ میں سابقہ کمیونسٹ راہنما ایرک کیریان، منظور احمد، ظہور احمد، اور محمد امین مغل پیش پیش تھے انہوں نے پی پی پی کے خلاف بھرپور تحریک شروع کر دی۔

ہائر ایجوکیشن کے شعبہ میں پرائیویٹ سیکٹر کا قبضہ تھا جو لوگوں سے بھاری فیسیں بٹور رہا تھا۔ انجمن حمایت اسلام نے قرار دیا تھا کہ اگر حکومت تعلیم کو ملک کے کونے کونے میں عام کرنا چاہتی ہے۔ تو اسے پرائیویٹ سیکٹر کو تعلیمی عمل سے بالکل نکال دینا چاہیے اس سلسلہ میں (WPCTA) نے انجمن حمایت اسلام کی مخالفت شروع کر دی۔ کیونکہ یہ تنظیم ہائر ایجوکیشن کو پرائیویٹ اداروں کے تحت دینے میں پیش پیش تھی۔ پرائیویٹ سیکٹر لاہور، راولپنڈی، کراچی، حیدرآباد میں مہنگی تعلیم دینے میں مصروف تھا۔ ایوب دور میں ایسے اساتذہ جنہوں نے حکومت کے خلاف ایجی ٹیشن بھی کی تھی بعد ازاں ان کو نوکری سے نکال دیا گیا تھا۔ WPCTA نے اس امر کی سخت مخالفت کی تھی۔ انجمن حمایت اسلام سائپرس کے اداروں کے خلاف تھی دوسری طرف شاہ حسین جو کہ پنجاب کا صوفی شاعر تھا اس نے ایوب حکومت کی سخت مخالفت کی اور پیپلز پارٹی میں شامل ہو گیا اس کا کالج تھا جس کا نام شاہ حسین کالج تھا۔ اس کالج کے اساتذہ نے ایک بھاری رقم کے ساتھ تنظیم قائم کی تھی۔ اور 1970ء کے الیکشن کس فہم کے دوران مبشر حسن کی مالی مدد کی تھی۔ شہر کے مڈل کلاس ٹیچرز اس پالیسی سے متاثر ہونے لگا۔

PakistanStudy.com

ہیلتھ سیکٹر میں اصلاحات

Reforms in Health Sector

تعلیم کی طرح صحت بھی ایسا شعبہ تھا جو کہ عوام کی فلاح کے ضمن میں خاص توجہ کا متقاضی تھا۔ تعلیم اور صحت کے معاملات میں پاکستان کی کارکردگی ہمارے ہمسایہ ترقی پذیر ممالک کے مقابلے میں بہت ابتر تھی۔ 1972ء میں جب P.P.P کی حکومت برسر اقتدار آئی تو اُس وقت کی ایک رپورٹ کے مطابق ہمارے ملک میں ہر سال 1000 میں سے 120 نومولود بچے مرجاتے تھے ایک سے پانچ سال کی عمر کے بچوں کی اموات کی شرح 1000 میں 25 فی صد تھی عام شرح اموات فی ہزار کی 14 فی صد تھی۔ اور اوسط عمر 54 سال تھی۔ لہٰذا ہماری صحت کا معیار انڈیا اور سری لنکا سے بھی پست تھا۔ جنوبی ایشیا میں بچے کی پیدائش کے وقت عورتوں کی شرح اموات جنوبی ایشیا کے ممالک سے بہت زیادہ تھی۔ لہٰذا شماریاتی اعداد کے تحت صحت کے معاملے میں ہماری حالت خاصی پتلی تھی۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ ایسی پالیسی ترتیب دی جائے تاکہ عوام کی صحت کو عالمی معیار کے مطابق بنایا جائے۔ سب سے پہلے تپ دق اور چیچک کے خاتمے کا پروگرام بنایا گیا تاکہ شرح اموات کو کم کیا جائے۔ اس کے بعد ٹی بی اور ہیضے (کالرا) کا خاتمہ کیا جائے۔

راولپنڈی کے ڈاکٹر غلام حسین جو P.P.P کی کابینہ میں شامل تھے انہوں نے حکومت کی خاطر خواہ توجہ صحت کے معاملات کی طرف مبذول فرمائی۔ G.D.P کا صرف 2.4 فی صد صحت پر خرچ کرنا ترقی پذیر ملک کے لیے بہت کم تھا۔ وہ اربن مڈل کلاس کے لوگ صحت کی بہتری اور سہولیات کے متعلق خاصے تشویش مند تھے۔ شہر کے غریب لوگ بھی صحت کی بنیادی سہولیات کے متعلق پریشان تھے۔ صنعتوں کے مزدور بھی صحت کا حق مانگ رہے تھے۔ دیہاتیوں نے اس ضمن میں زیادہ اصرار نہ کیا تھا۔

تعلیمی پالیسی کی طرح بھٹو حکومت نے جامع پبلک ہیلتھ کیئر پروگرام کو متعارف کرایا۔ اگست 1972ء میں منسٹری آف ہیلتھ نے عوام کے لیے اس پروگرام کو متعارف کرایا۔ شیخ رشید جسے بابائے سوشلزم کہا جاتا تھا۔ وہ اپنے آپ کو دیہاتی سوشلسٹ کہا کرتے تھے وہ P.P.P کی کابینہ میں شامل تھے اور ہیلتھ منسٹر کے عہدے پر فائز تھے۔ انہوں نے صحت کی ایک سکیم پر کام کیا۔ جس کو بنیادی صحت یونٹ

(BHU Basic Health Unit) کہا جاتا تھا۔ اس سکیم کے تحت لارج دیہی مراکز صحت میں 8000 تا 15000 لوگوں کی میڈیکل خدمت کو یقینی بنائے جانے کا عندیہ دیا۔ سکیم کے تحت شہروں میں ڈسٹرکٹ ہسپتال قائم کیے گئے ایک دیہی مرکز میں مریضوں کے 60 بیڈز ہوتے تھے اور شہروں میں تربیت یافتہ ڈاکٹرز کو تعینات کیا گیا۔ شیخ رشید نے چین کی طرز کا ڈاکٹر نظام یعنی "Bare Foot Doctors" کو متعارف کرایا۔

اس قسم کی ایجاد کے بعد وزیر صحت نے قرار دیا تھا کہ ہماری صحت کی پالیسی مشکل کا شکار ہے۔ "بیئر فٹ ڈاکٹر سکیم" کو دیہات میں اطلاق کرنا مشکل کام ہے۔ دیہاتوں میں ڈاکٹروں کو منتقل کرنے میں خاصی دشواری پیش آرہی تھی۔

ہیلتھ پروگرام کے تحت دوا ساز اداروں میں کام کرنے والوں مزدوروں کی میڈیکل کیئر (care) کے سلسلے میں بعض اقدامات کیے گئے۔ حکومت نے ایمپلائز سوشل سیکورٹی انسٹی ٹیوٹ (E,SS is) پنجاب سندھ اور سرحد میں قائم کیے تھے یہ اَدارے ایوبی گورنمنٹ نے 1967ء میں قائم کئے تھے۔ یہ ادارے مزدور کی طبی بہبود کے لیے تھے۔ پیپلز ہیلتھ سکیم کے تحت (ESSIS) کو ختم کر دیا اور سارا بوجھ مزدوروں پر ڈال دیا گیا۔

پیپلز ہیلتھ سکیم کے تحت میڈیکل کالجز میں نشستیں زیادہ کر دی گئیں۔ راولپنڈی فیصل آباد لاڑکانہ اور کوئٹہ میں نئے میڈیکل کالجز کھولے گئے۔ 77-1972ء کے دوران 6000 ڈاکٹروں کی زائد تعداد ان کالجز سے نکلی۔ لہٰذا ڈاکٹرز کی تعداد بھٹو حکومت میں 13000 سے بڑھ کر 20,000 ہوگئی 1977ء میں پاکستان میں 11000 میڈیکل گریجویٹ تھے لہٰذا پاکستان سے ڈاکٹروں کی بڑی تعداد میں ہجرت کر کے اپنا رخ شمالی امریکہ اور مشرق وسطیٰ کے ممالک کی طرف کر لیا۔ اور پھر پاکستان میں ڈاکٹروں کی تعداد کم ہونا شروع ہوگئی لہٰذا حکومت نے اس سلسلہ میں سوچنا شروع کر دیا۔ پیپلز ہیلتھ سکیم عام لوگوں کی بہتر صحت کے لیے کارآمد نہ ہو سکی ہسپتال اور ڈاکٹر بڑھانے سے خاطر خواہ نتائج حاصل نہ ہو سکے کیونکہ ملک کی آبادی بہت تیزی سے بڑھ گئی تھی لہٰذا نرسوں اور ڈاکٹروں کی تعداد مریضوں کے مقابلے میں کم ہوگئی خاص طور پر مڈل کلاس میں صحت کے حوالے سے دوبارہ تشویش پھیل گئی

Pakistanstudy.com

پرائیویٹ ہسپتال کے عملے نے لوگوں کو لوٹنا شروع کر دیا۔ صحت عام انسان کی پہنچ سے دور ہوتی گئی۔

گورنمنٹ کی ایک اور پالیسی سے جو مئی 1973ء میں متعارف کرائی گئی، کی وجہ سے مڈل کلاس طبقے کو ایک اور دھچکا لگا۔ شیخ رشید نے ایک سکیم شروع کی جو کے تحت دوا ساز اداروں کو پابند کیا گیا کہ وہ اپنا اصل نام اور ٹریڈ مارک تبدیل کیے بغیر معیاری اور سستی دوائیں تیار کریں تا کہ دوائی عام آدمی کی پہنچ میں آئے اور دواؤں کی کمی ختم ہو سکے۔ لہٰذا دوا ساز کمپنیوں نے قیمتوں میں اضافہ کر دیا اور دوسرے نام سے بعض کمپنیوں کی دوائیں خود بنانا شروع کر دیں۔ اس کے بھی مثبت نتائج نہ نکل سکے۔ رٹیل (Retale) کو آرڈر دیا گیا کہ وہ نسخے کے بغیر دوائی فروخت نہ کریں جس ملک میں ڈاکٹر کم ہوں عطائی زیادہ ہوں وہاں پر کیسے ممکن تھا۔

عطائیوں نے مریضوں کو دوائیں اپنے مطلب سے بھاری قیمت پر دینی شروع کر دیں لہٰذا کمپنیوں (دوائی بیچنے والے) نے حکومت کے خلاف احتجاج کرنا شروع کر دیا۔ لہٰذا جب حکومت اس ضمن میں ناکام ہو گئی تو پہلے والی پالیسی از خود بحال ہو گئی۔

لہٰذا جس ملک میں ملاوٹ، بے ایمانی، مفاد سمیٹنے کی ہوس زیادہ ہو وہاں کوئی پالیسی کامیاب نہیں ہوتی۔ پیپلز پارٹی کو تمام اصلاحات کے خاطر خواہ نتائج حاصل نہ ہو سکے کیونکہ انقلاب ایک رات میں نہیں آتا انقلاب سے قبل قوم کی ذہن سازی لازمی ہے مگر ہماری سیاست مستقبل کے سبز باغ دکھا کر اپنا ڈنگ ٹپاتی رہتی ہے۔ سکیم یا فلاح کبھی اچھی یا بری نہیں ہوتی یہ لوگ ہی ہوتے ہیں جنہوں نے اپنے عمل سے اپنے کردار کو ظاہر کرنا ہوتا ہے اگر نیت اچھی عمل اچھا ہے تو نتیجہ اچھا اگر نیت بری ہے تو نتیجہ بھی برا۔

اکنامک پالیسیوں پر شہریوں کا مخالف ہو جانا

The Urban Bias in Ecnomic Polices

شہری لوگوں کا خیال تھا کہ حکومت کا زیادہ رخ دیہی علاقوں کی ترقی اور سہولیات کی طرف ہے۔ پیپلز پارٹی نے اعلان کیا تھا کہ وہ دیہی ترقی کو فروغ دے گی اور شہری اور دیہی لیول پر اشیاء کی قیمتوں میں یکسانیت کو لازم بنائے گی۔ مگر مہنگائی میں اضافہ ہوتا گیا۔ اور قیمتوں میں استحکام ہرگز نہ آیا۔ پہلا بحران خزاں 1972ء میں آیا جب گنے کی کاشت میں قدرے کمی واقع ہو گئی۔ لہٰذا تین مہینوں کے

لیے شہری علاقوں میں چینی کی قیمت دُگنا ہو گئی۔ حکومت کے پاس چینی کا سٹاک نہ تھا مجبوراً چینی باہر سے منگوانی پڑی۔ گورنمنٹ نے شہری آبادی کے راشن کارڈ بنا دیئے اور چینی کی قیمت عام آدمی میں رہنے کے لیے سب سڈ دینے کی کا اعلان کیا۔ مگر چینی کی مقدار کم رہی لہٰذا اس مسئلے کے حل کے لیے متوازی نجی مارکیٹ کو اجازت دے دی گئی کہ وہ اس مسئلہ کا حل نکالے۔

گنے کی پیداوار اور قرضوں کے سلسلہ میں حکومت نے ایک سکیم شروع کی جو کسانوں کے لیے مہنگی ثابت ہوئی ایک طرف تو کسان ہلکان ہو گیا تو دوسری طرف چینی کارخانوں کے مالک خسارے میں چلے گئے۔ گنا سندھ کی اہم فصل تھی سندھی سینٹر لارڈ بھٹو حکومت کے خلاف ہو گئے کیونکہ گنے کی قیمت جو ملوں نے مقرر کی تھی اس میں کسان کو نقصان تھا۔ ملوں میں گنا وقت پر نہ کیا راب کم ہو گئی لہٰذا چینی کم پڑ گئی اور مارکیٹ نے منہ مانگے دام وصول نے حکوم تنے غریبوں کو سستے داموں کھدر دینا چاہا۔ مگر اس سے بھی ملکی حالت موسمی، حالات اور مارکیٹ کی صورتحال کے تحت خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی۔

کاٹن ایکسپورٹ بیورو نے فائبر کی ایکسپورٹ روکنے کے لیے بھاری ٹیکس لگایا ہے۔ کاٹن اور کپڑے کے سلسلہ میں بھی سکیم ناکام رہی۔ مجبوراً حکومت کو کوٹہ سسٹم متعارف کرانا پڑا، 1972ء میں بھٹو نے ملک میں زرعی اصلاحات متعارف کرائیں۔ بھٹو صاحب ایک طرف تو خود جاگیردار تھے دوسرا پیپلز پارٹی میں جاگیرداروں کی بڑی اکثریت بھی شامل ہونے لگی ایسے افراد جو سیاست میں درمیانے طبقے سے آئے تھے بعد میں وہ بھی جاگیرداروں کا دم بھرنے لگے۔ انتخابات سے قبل P.P.P نے دعویٰ تو بہت زیادہ کیا ہے۔ مگر ملکی حالات اور بڑے لوگوں کی اثر اندازی کے باعث یہ دعوے پروان نہ چڑھ سکے 11 مارچ 1972ء کو ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر بھٹو نے زرعی اصلاحات کا اعلان کیا جن کا ذکر گذشتہ صفحات پر کر دیا گیا ہے کہا گیا کہ فی کس یعنی ہر کوئی 500 ایکڑ نہری اور 1000 بارانی اراضی رکھ سکے گا فالتو زمینیں مزارعوں میں بانٹ دی جائیں گی۔ پہلے باقی زمین پر حکومت اپنا قبضہ کرے گی اور مالکان کو اس کی تلافی کے ضمن میں کوئی رقم نہ دی جائے گی مزارعین کے تحفظ کے لیے ایک نیا قانون بھی بنایا گیا کہ مزارعوں کو زمین سے بے دخل کرنا بعض حالات کی صورتحال کو دیکھ کر ہوگا 1972ء تک اس پالیسی تک کوئی عمل نہ ہوا وڈیرے لینڈ ریونیو اور معاملہ دے کر زمینوں کی غرداوریاں اپنے نام کراتے رہے۔ آہستہ آہستہ 1959ء والی صورتحال بحال ہونے لگی مزارعے اور زمیندار زمین کا معاملہ لگان، بٹائی کے بارے میں خود معاملات طے کرنے لگے بھٹو کی حکومت نے ایک اہم قدم یہ ضرور اٹھایا کہ جو زمینیں ایوب کے دور میں وڈیروں کو الاٹ کی گئی تھی ان کو واپس لے لیا۔ اس ضمن میں تمام ایوارڈ منسوخ کر دیئے گئے

Pakistanstudy.pk

کیونکہ ایوب خان نے یہ زمینیں سول (نمک حلالی) ملٹری والوں کو بیوروکریسی اور صنعت کاروں کو صنعت لگانے کے لیے دی تھیں۔ اس طریقہ سے کسانوں کو تو کچھ تھوڑا بہت فائدہ ہوا۔ مگر انہیں بنجر زمینیں ہی دی گئیں کئی سال کے لیے ان زمینوں کا ٹیکس معاف کیا گیا۔ کلیم کے تحت آنے والی زمینوں کا اشتمال (Consolidation) کر کے دوم سوئم۔ چہارم کر کے زمینداروں کو فائدہ پہنچایا گیا۔ پانی کے معاملے کو بہتر بنایا گیا اجناس کی منڈی تک رسائی کے لیے بعض اقدامات کیے گئے۔

خاندانی وراثتی نظام کے تحت زمین جو چھوٹوں ٹکڑوں میں بٹ کر پیداوار پر اثر انداز ہو رہی تھی اس کی طرف کوئی پیش رفت نہ کی گئی آہستہ آہستہ چھوٹے چھوٹے قطعات زمین کے مالک ہی ہماری زراعت کا نمونہ بنتے گئے۔ بڑے بڑے جاگیرداروں اور درمیانے سائز کے فارمز رکھنے والوں نے ذاتی اور سیاسی اثر و رسوخ سے دیہی زمین پر قانونی یا غیر قانونی طور پر قبضہ جمانے میں کامیاب ہوتے رہے بھٹو نے اپنی سیاست کو دوام بخشنے کے لیے بھی بعض ایم این اے کو 1000 گز کے پوش علاقوں میں پلاٹ دیئے۔

دیہی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے کسانوں کے لیے اور دیہی عوام کے لیے کچھ امپروومنٹ (Improvements) کو ترجیح دی گئی مگر بعد ازاں بیوروکریسی اور انتظامیہ کے رویہ سے اس کو فروٹ فل نہ بنایا جا سکا وزیر فنانس وزیر مبشر حسن نے مئی 1972ء کو پبلک ورکس پروگرام کو متعارف کرایا جس کے تحت غریب دیہاتیوں کو نوکریاں دینے کا وعدہ کیا گیا۔ یہ ورکس پروگرام پلاننگ کمیشن کا تھا اس میں "Eligibl Schems" بھی تھیں جن کو صوبوں کی بہتری کے لیے متعارف کرایا گیا تھا یہ ایوبی دور 1963ء کی طرح کا رول ورک پروگرام (RWP) قسم کا تھا یہ پی ڈی سسٹم کے تحت چھوٹے پیمانے کے طرز کی طرح کا پروگرام تھا۔ بھٹو حکومت کا پبلک ورکس پروگرامز بھی بعض ناگزیر وجوہات کے باعث خاطر خواہ نتائج نہ لا سکے ایک تو ان پروگرامز کے لیے سرمایہ کم تھا اور دوسرا انتظامیہ کی بدعنوانی اور نااہلی تھی جے اے رحیم منسٹری آف پروڈکشن نے ایک پروگرام متعارف کرایا جو دیہات میں دیہی پراڈکٹس سے پیشہ ورانہ انقلاب لانے کے لیے تھا۔ اس کے پیچھے ایسٹ پاکستان کمیلا کا تجربہ حائل تھا۔ لاہور کے قریب شہداب کے پاس اس پروگرام کو متعارف کرایا گیا گاؤں کے قریب قصبات میں دیہی مصنوعات کے لیے دکانیں کھولی گئی۔ یہ پلان بھی بعض مصلحتوں کا شکار ہو گیا۔ فوڈ اور پراڈکٹس ڈیپارٹمنٹ نے جو جگہ خریدی تھی تا کہ وہاں دیہی پراڈکٹس کی مارکیٹ قائم کی جائے وہ بھی کچھ پائلٹ پروجیکٹس تک محیط تھی 1972-74ء میں بھٹو حکومت نے لوگوں کی سماجی اور معاشی ترقی کے لیے کام کیا جس کے تحت غریبوں

اور متوسط طبقے کو نوکریاں دلانا مراد تھی تا کہ ان کی انکم بڑھے۔ اس سے شہری لوگوں کو فائدہ ہوا۔ دیہی لوگ اس ثمر سے زیادہ مستفید نہ ہو سکے۔ شہروں میں انڈسٹریل اور فنانس سیکٹر کو توسیع دی گئی مزدور ملک میں سیاسی قوت بنتے گئے حکومت نے تعلیم کے شعبہ میں بھی پھیلاؤ شروع کر دیا۔ اس سے پاکستان میں اکنامک اور سوشل ڈویلپمنٹ کا باب کھلنے لگا۔ یہ امر قابل غور ہے کہ اس تبدیلی کا دائرہ کار شہروں تک رہا اور دیہات والے زیادہ مستفید نہ ہو سکے۔ مگر پھر میں قصبات اور شہروں میں ترقی کا عمل ہونا باقی تھا۔

سوالات

Questins

سوال 1: مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کیونکر ایک واضح اکثریت حاصل کر کے اُبھری اس کے پیچھے کیا محرکات تھے؟

سوال 2: بھٹو حکومت کی سماجی و معاشی پالیسیوں کا تجزیہ کریں۔

سوال 3: بھٹو کی زرعی، اور تعلیمی اصلاحات کو بیان کریں کیا ان اصلاحات سے مثبت نتائج سامنے آئے مثالوں سے جواب کی وضاحت کریں۔

سوال 4: بھٹو کی طبی ورلیبر پالیسی پر سیر حاصل بحث کریں۔

سوال 5: بھٹو کا حزب اختلاف کے متعلق رویہ کیا تھا اس کے اہم خدوخال کا تنقیدی جائزہ لیں۔

سوال 6: بھٹو نے نیشنلائزیشن کا عمل کیوں شروع کیا؟ اس کے پیچھے کیا محرکات تھے؟ کیا اس عمل سے ملکی معیشت میں بہتری آئی؟

سوال 7: تعلیمی اداروں کو قومیانے پر کیا اثرات سامنے آئے اس کا تنقیدی جائزہ لیں۔

سوال 8: بھٹو حکومت کی ہیلتھ سکیم کیوں ناکام ہوئی اس کے پس پردہ کیا محرکات تھے؟

سوال 9: بھٹو کی حکومت نے زرعی اصلاحات کیوں کر متعارف کرائیں کیا وہ اپنے مقصد کامیاب رہے؟ اگر ناکام رہے تو اس کی وجوہات کیا تھیں؟

سوال 10: بھٹو کے مکمل دور کا معاشی پالیسیوں کے حوالے سے تنقیدی تجزیہ حالات و واقعات کی روشنی میں پیش کریں۔

☆☆☆

Pakistanmcs.pk

باب نمبر3

آئینی مسئلہ

THE CONSTITUTIONAL PROBLEM

تعارف:
Introduction

پاکستان کی تاریخ سیاسی اور آئینی مسائل سے بھری ہوئی ہے۔ پہلا آئین سات سال کی محنت کے بعد منظر عام پر آیا اسے محنت نہیں بلکہ وقت کا دھوکا کہنا مناسب ہوگا۔ بدقسمتی سے یہ اڑھائی سال ہی چل سکا۔ جس کے نتیجہ میں ایوب خاں کا مارشل لاء آ گیا اور 1962ء کا آئین ملک کا قانون بن گیا یہ آئین ایک آمرانہ صدر کی نمائندگی کرتا تھا۔ جس نے ملک میں علاقائیت کا بیج بویا اس نے ملک کو محرومیوں کے سوا کچھ نہ دیا۔ 1969ء میں دوسرا مارشل لاء پاکستان کا مقدر بنا بعد میں 24 سال بعد پاکستان میں عام انتخابات ہوئے تقریباً ربع صدی میں عام لوگوں کو ووٹ کے حق سے محروم رکھا گیا 1970ء کے انتخابات نے ہماری سیاسی عمل بڑی حد تک متاثر کیا تاہم ہماری سیاسی اشرافیہ اور ملٹری حکومتیں سیاسی نظام کو عوام کی اُمنگوں کے مطابق ڈھالنے کا قول واقرار کرتی رہی مگر انہوں نے اپنی مرضی عوام پر ٹھونسی اشرافیہ اور فوج نے پے رپے سیاسی بحران پیدا کر کے مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنا دیا۔ 1971ء کے بعد ایک نیا پاکستان ذوالفقار علی بھٹو کی قیادت میں چیلنجز اور مسائل کے ساتھ ٹکر لے رہا تھا۔ جب مشرقی پاکستان علیحدہ ہوا تو ملک کی فضا گمبھیر ہوگئی نئے سرے سے سیاسی استحکام کرنے میں مسائل سامنے آئے۔ ملک کو ایک اور آئین دیا گیا تا کہ عوام متحد رہیں۔ 1973ء میں جو آئین پاکستان کا مقدر بنا اس میں تمام احباب وحضرات خواہ حزب اقتدار کے لوگ ہوں یا حزب اختلاف نے تمام نے اپنا کردار ادا کیا 14 اگست 1973ء کو اس کے عمل کا آغاز ہوا اس میں پارلیمانی نظام کو متعارف کرایا گیا تھا جس کا سربراہ وزیراعظم تھا جو بہت مضبوط دکھایا گیا۔ لہذا اس یونٹ میں آئین کی تیاری کے سلسلے جو

مسائل سامنے آئے ان پر سرحاصل بحث کی گئی ہے۔ بھٹو نے آئین کے نفاذ کے سلسلہ میں جو حکمت عملی اپنائی اس کے برعکس سیاستدانوں کا ردعمل اس یونٹ میں بیان کیا گیا ہے تا کہ طلباء آئین اور سیاسی ترقی کا جائزہ لے سکیں۔

پاکستان میں وفاقی طرز حکومت کی داغ بیل

The emergence of the Fedral Pattern in Pakistan

اگر ہم پاکستان کی سیاسی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمیں 1971ء کے سیاسی منظر میں پاکستان پیپلز پارٹی اور نیشنل عوامی پارٹی (Nap) کے درمیان بنیادی اور نظریاتی تضاد کی کشمکش نظر آتی ہے۔ ولی خاں اور بھٹو ایک دوسرے کے سخت حریف دکھائی دیتے ہیں۔ پاکستان میں اس وقت سیاسی بحران گمبھیر صورتحال اختیار کر گیا جب عراقی سفارت خانے کو سچ مچ قسم کے اسلحہ خانے میں تبدیل پایا گیا اور اس وجہ سے سرحد میں موجود عراقی ایمبسی کو تالا بند کر دیا گیا۔ صوبائی قانون ساز اسمبلیوں میں خواتین امیدوار کا انتخاب روبہ عمل میں آیا۔ زرعی اصلاحات کا تعارف پیش کرایا گیا سرحد اور بلوچستان میں NAP اور JUT کے اپنی اکثریت کے بل بوتے پر وہاں کے گورنروں کو اپنی مرضی کے مطابق منتخب کرانے کا واویلا شروع کر دیا یعنی P.P.P کی طرف سے منتخب شدہ گورنروں کی بے توقیری کرنے کے لیے منصوبہ سازی ہوئی بلوچستان میں نیپ نے گورنر ریسانی کے خلاف جنوری 1971ء کے دوران احتجاجی تحریک شروع کر دی تو تحریک کو طاقت کے ساتھ دبا دیا گیا۔ جب نیپ کے لیڈروں نے سرحد میں اپنی پسپائی دیکھی تو انہوں نے P.P.P پر الزام لگایا کہ وہ سرحد میں کسان مزدور پارٹی کو منظم کر رہی ہے جو سرحد کے زرعی وڈیروں خاوؤں کے خلاف بے زمین ہاریوں کو مشتعل کر رہی ہے۔ اس پروپیگنڈا کی بنا پر NAP میں موجود خاں لوگوں نے پیپلز پارٹی کی مخالفت شروع کر دی تا کہ وہ اپنے مادی مفاد کا تحفظ کر سکیں عام تاثر پھیل گیا کہ P.P.P نے زمین ہاریوں کو منظم کر کے وڈیروں کے خلاف استعمال کرنا چاہتی ہے۔

صوبائی قانون ساز اسمبلیوں میں خواتین کا انتخابات دونوں پارٹیوں میں وجہ نزاع بن گیا۔ پنجاب میں پیپلز پارٹی نے قانون سازی اسمبلی کی 186 نشستوں میں سے چھ پر خواتین کو منتخب کر دیا۔ سندھ قانون ساز اسمبلی کی کل 62 نشستوں کے عوض 2 خواتین ممبران اسمبلی کا انتخاب ہوا۔ P.P.P نے سرحد اور بلوچستان میں بھی منظور نظر خواتین کو منتخب کرایا۔ NAP اور JUI کو مجبور کیا گیا کہ وہ پارٹی ڈسپلن کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پیپلز پارٹی کی خواتین کو منتخب کرانے میں بھرپور کوشش کریں اس

Pakistanstudy.com

ردعمل سے NAP کے رہنما خاص طور پر ولی خاں کے ذہن میں خوف کے سائے جنم لینے لگے۔ کہ پاکستان پیپلز پارٹی پنجاب اور سندھ میں آمریت کو فروغ دے رہی ہے۔ جب یہی کھیل بلوچستان اور سرحد میں کھیلا گیا تو ولی خاں نے پی پی پی کی لیڈر شپ پر اعتراض کیا۔

دوسری طرف 10 فروری 1973ء کو اسلام آباد میں سرحد اور بلوچستان کے گورنرز کو سبکدوش کرایا گیا ان گورنرز کا تعلق NAP سے تھا لہذا ایک مرتبہ پھر عبدالغفار خاں کی پیروی کرتے ہوئے سرحد کو پختونستان بنانے کا مطالبہ پیش کر دیا گیا۔ پختونستان کے متعلق کہا گیا کہ یہ سرحد اور بلوچستان میں پٹھان لوگوں کی گورنمنٹ ہوگی لہذا پٹھانوں پر پٹھان حکمرانی کریں گے لہذا دونوں صوبوں میں مخالفانہ فضا قائم ہونے لگی۔ اس ضمن میں بلوچستان میں میر غوث بخش بزنجو نے خاصا کردار ادا کیا۔

مارچ 1972ء کا معاہدہ: Accord of March, 1972

6 مارچ 1972ء کو صدر بھٹو نے NAP اور JUT سے ایک معاہدہ طے کیا تھا۔ اس معاہدہ کے تحت NAP کے ساتھ اختیارات کے سلسلہ میں کچھ شرائط طے پائی تھیں۔ اس معاہدہ کے تحت NAP اور JUT سے سیاسی اتحاد کا معاہدہ کیا گیا تھا تا کہ ملک میں صوبائی امن وامان قائم ہو سکے اس معاہدہ کے تحت قرار پایا تھا کہ سرحد اور بلوچستان کے گورنرز انہی دونوں صوبوں سے لیے جائیں گے۔ جب بھٹو نے اس معاہدہ کی خلاف ورزی کی تو بلوچستان میں میر غوث بخش اور سرحد میں ولی خاں نے کھلم کھلا حکومت کی مخالفت کرنا شروع کر دی۔ انہوں نے مطالبہ شروع کر دیا کہ بھٹو کو ملک سے مارشل لاء ختم کر دینا چاہیے قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے اجلاس بلائے جانے کو جمہوری اداروں کو بحال کیا جائے۔ ولی خاں نے اس امر پر زور دیا کہ جہاں تک زمینی اصلاحات (Reformes Land) کا معاملہ ہے اس حکم کے اطلاق کے سلسلہ میں صوبوں کو اختیار دیا جائے کہ وہ اپنی طرز اور نوعیت کی بنا پر اس پر عمل کریں زمینی اصلاحات بھٹو کا معاملہ نہیں ہے۔ ولی خاں اس حق میں نہ تھے کہ مارشل لاء کی قوتیں ملک میں معاشی افراتفری پھیلائیں۔

اس ضمن میں NAP کے راہنماؤں نے مسلم لیگ کے تین دھڑوں کی حمایت حاصل کر لی تھی۔ خاص طور پر ریٹائرڈ ائیر مارشل اصغر خاں کی پارٹی اور جماعت اسلامی اس امر میں NAP کی مکمل حمایتی بن گئی تھیں۔ ان پارٹیوں نے سرحد میں احتجاج کرنا شروع کر دیا تھا۔ بعض نے سرعام کہنا شروع کر دیا تھا کہ اگر بھٹو نے اس معاملہ میں سرحد اتحاد سے ٹکر لی تو وہ پاش پاش ہو جائیں گے دوسری طرف بھٹو

NAP کی مانگیں برلانے میں ناکام رہے۔ لہذا ملکی حالات نازک مرحلے میں داخل ہونا شروع ہو گئے 18 فروری کو لندن سے بی بی سی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا بی بی سی کے بولنے والے (Spoksman) آئن مک انٹائر (Ian Mc Initire) نے کہا کہ آیا بھٹو حکومت ملکی سلامتی اور اصلاحات کو عملی جامہ پہنانے کے لیے NAP کو اعتماد میں لے گی۔ کیا ملک میں مارشل لاء ختم کر کے زرعی اصلاحات سے نئے انقلاب کی راہ ہموار ہوگی۔ واشنگٹن کہا گیا کہ اس کا سارا دارومدار بھٹو کی نیت پر ہے۔ اگرچہ 19 مارچ کو مقامی لوکل باڈیز کے انتخابات کو معطل کر دیا گیا تھا۔ قرار دیا گیا کہ یہ انتخابات صوبائی گورنروں سے زیر نگران ہونگے صدر کے اس حکم کو سراہا گیا مگر ڈر کی تلوار لٹک رہی تھی۔ کہ بھٹو اپنی چال چل رہے ہیں۔

NAP کا سیاسی نظریہ

Political Ideology of NAP

نیپ کے لیڈروں نے علاقائیت ازم کی سوچ اپنا رکھی تھی۔ اس میں سیکولرازم ریجنل ازم اور سوشلزم کو بھی شامل کیا گیا۔ جب سے مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بنا اس وقت سے ولی خاں نے پختونستان کے قیام کو شد و مد کے ساتھ پیش کرنے کا اعلان کیا انہوں نے صوبائیت اور قومیت کا بیج بونا شروع کر دیا انہوں نے قومیت کی بنیاد زبان پر رکھی ان کا خیال تھا کہ ہر صوبے کا آئین اس صوبے کی اپنی زبان میں ہونا چاہیے ولی خاں اس بات پر پختہ یقین رکھتے تھے کہ پاکستان میں صوبوں کو عکاسی زبان کرتی ہے۔ تمام صوبوں کے اختیارات کو مربوط ہونا چاہیے۔ بلوچستان اور سرحد میں A.N.P کی مقبولیت کے تحت وہ اسے پاکستان میں پیپلز پارٹی کے بعد دوسری بڑی جماعت متصور کرتے تھے ان کا خیال تھا کہ آہستہ آہستہ ان کی پارٹی پنجاب اور سندھ میں اپنی جگہ بنا لے گی ان کا دوٹوک موقف تھے کہ ہم صرف اس آئین کو قبول کریں گے جس میں صوبوں کے اختیارات کی تقسیم مساوی سطح پر کی گئی ہو۔

ولی خاں اپنی سیاسی پارٹی کو روشن خیال متصور کرتے ہوئے اس امر کا اعادہ کرتے تھے کہ عنقریب پنجاب اور سندھ میں ہمارے ہم خیال عام ہو جائیں گے اور پھر ہم اس ملک کی کایا پلٹ دیں گے ان کا یہ بھی خیال تھا کہ پاکستان میں چار صوبے 1947ء سے آنے والے مہاجرین کا استحصال کر رہے ہیں انہوں نے کہا کہ مہاجرین نے اس ملک کے لیے خاصی قربانیاں دی تھیں لہذا انہیں سندھی یا پنجابی وغیرہ کہنا غلط ہے ان کو صرف اور صرف پاکستانی کہنا چاہیے اصل میں وہ اس ملک

PAKISTANIYAT.PK

میں حکومت کے حقدار ہیں۔ ولی خاں کا یہ بھی دوٹوک موقف تھا کہ پاکستان میں بڑھتے ہوعلاقائیت اور صوبائیت کوصرف ANP روک سکتی ہے جب ANP آل پاکستان پارٹی بن جائے گی تو تمام قوموں اور مہاجرین کواصل حقوق حاصل ہوجائیں گے اور چھوٹے موٹے جھگڑے ازخود ختم ہوجائیں گے۔

سوچنے والی بات یہ تھی کہ ANP خود ایک علاقائی پسند تنظیم تھی اس کی بنیاد سوشلزم پر تھی ان کے والد کو سرحدی گاندھی کا لقب دیا گیا۔ یہ پارٹی ہمیشہ انڈیا اور روس نواز بنی رہی آخر اس کے پاس تمام سیاسی پارٹیوں کو متحد کرنے کا کیا فارمولہ یا نظریہ تھا؟

بحران کا دوبارہ آنا: The Averting of Crisis

آئینی مسئلہ اور سیاسی پارٹی کے مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے ANP نے صوبہ سرحد میں وسیع احتجاج کا سلسلہ شروع کر دیا۔ بھٹو صاحب جو اس وقت صدر تھے انہوں نے ولی خاں اور بزنجو کو اسلام آباد آنے کی دعوت دی تا کہ اختلافات کو ختم کیا جا سکے۔ بھٹو کے ایڈوائزر پبلک فیئرز جناب مسٹر معراج محمد خاں نے بیان دیا جس کے بعد حالات سنگینی اختیار کر گئے 4 مارچ 1972 کو بھٹو کے سپوکس مین نے بیان جاری کیا کہ پیپلز پارٹی کو اس امر کے معاملے میں چنداں اختلاف نہ ہے کہ صوبہ سرحد کا خواہ کوئی بھی نام رکھ دیا جائے خواہ یہ نام پختون خواہ ہو یا کوئی اور مگر یہ صوبہ پاکستان کا ہی حصہ رہے گا۔ اس سلسلہ میں جمعیت علماء اسلام اور ANP کے مذاکرات بھٹو حکومت سے 2، 3 اور 4 مارچ 1972ء کو ہوتے رہے لہذا چند تجاویز پر اتفاق ہو گیا تا کہ پاکستان میں صوبائیت اور آئینی مسئلہ کا حل ہو سکے۔ اس ضمن میں ایک معاہدہ 5 مارچ کو منظر عام پر آیا اس معاہدے پر تینوں پارٹیوں (P.P.P, ANP, JUI) نے اتفاق کر چکی تھیں اس معاہدے کے اہم خدوخال یہ تھے۔

(i) اختیارات کی تقسیم: The Distribution of Power

NAP اور JUI صوبہ سرحد کی بڑی جماعتوں نے ایک اتحادی کی شکل اختیار کر لی جبکہ بلوچستان میں NAP ایک بڑی اکثریت کی پارٹی کے طور پر منظر عام پر آئی۔ لہذا معاہدہ ہوا کہ NAP اور JUI دونوں مل کر صوبے کا نظم ونسق سنبھالیں گے۔

(ii) مارشل لاء کا خاتمہ: Withdrawal of Martial Law

پیپلز پارٹی نے تجویز دی کہ 21 اپریل 1972ء کو قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کر کے بھٹو

حکومت کے لیے اعتماد کا ووٹ لیں گے۔ اعتماد کا ووٹ لینے کے بعد بھٹو حکومت اعلان کرے گی کہ 14 اگست 1972ء کے بعد مارشل لاء ختم کر دیا جائے گا مگر NAP اور JUI جون میں ہی مارشل لاء کو ختم کرنے کا مطالبہ کر رہی تھیں۔

بعد میں اس امر پر اتفاق ہو گیا کہ مارشل لاء 14 اگست 1972ء تک جاری رہے گا اس کے بعد ختم ہو جائے گا لہذا اس عرصہ کے اندر بھٹو حکومت قومی اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ حاصل کر لے گی۔

PPP نے تجویز دی کہ قومی اسمبلی آئین سازی کے سلسلہ میں ایک کمیٹی تشکیل دے گی جو یکم اگست 1972ء کو آئین کا ڈرافٹ اسمبلی میں پیش کرے گی مگر NAP اور JUI اس بات پر اصرار کر رہی تھیں کہ آئینی ڈرافٹ قومی اسمبلی میں یکم جولائی کو پیش کیا جائے اور قومی اسمبلی جولائی کے مہینے میں اپنا اجلاس منعقد کرے۔ مگر بعد میں دونوں پارٹیاں اس امر پر متفق ہو گئیں کہ آئین کا ڈرافٹ یکم اگست کو پیش کر دیا جائے اور دوبارہ قومی اسمبلی کا اجلاس 14 اگست 1972 کو منعقد کیا جائے۔ آئین کو تمام صوبوں کے مفادات کو مدنظر رکھتے ہوئے بنایا جائے گا اور سلسلہ ار اس کی اسمبلی سے منظوری لی جائے گی۔

عبوری آئین: The Interim Constitution

PPP نے تجویز دی کہ قومی اسمبلی کا پہلا سیشن 21 اپریل 1972ء سے شروع ہوگا جو مسلسل تین دن جاری رہے گا۔ NAP اور JUI نے تجویز دی تھی کہ اسمبلی کا اجلاس 23 اپریل کو بلایا جائے۔ بعد میں دونوں پارٹیاں اس امر پر متفق ہو گئیں کہ قومی اسمبلی کے ممبران کو اجلاس میں شرکت کی دعوت 23 مارچ کو دی جائے گی اور قومی اسمبلی کا تین دن کا اجلاس 14 اپریل سے شروع ہوگا۔ اس عرصہ کے دوران خاص موضوعات پر بحث کی جائے گی اور ہر کسی کو تقریر کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

PPP نے اس امر کی تجویز دی کہ قومی اسمبلی آئین کی تیاری کے سلسلہ میں ایک عبوری آئین متعارف کرائے گی اس آئین کی بنیاد 1935ء کے ہند انڈیا ایکٹ اور 1947 کے آزادی ایکٹ سے ماخوذ ہوگا۔ اس عبوری آئین میں 1962 کے آئین کے تحت کچھ دفعات کی ترامیم بھی سامنے لائی جائیں گی۔ NAP اور JUI نے اس امر پر زور دیا کہ عبوری آئین صرف 1935 اور 1947ء کے ایکٹس سے ماخوذ ہیں لہذا 1962ء کے آئین کو اس عبوری آئین سے دور رکھا جائے۔

صدر بھٹو نے دونوں جماعتوں کی متفقہ تجویز پر اتفاق کرتے ہوئے اقرار دیا کہ اسمبلی میں

Pakistanstudy.pk

بحث وتمحیص کا سلسلہ تین دن سے زیادہ نہ ہوگا۔

صوبائی قانون ساز اسمبلیاں: The Provincial legislatice Assemblies

PPP نے عندیہ دیا کہ عبوری آئین کے پیس ہونے کے بعد یکم مئی 1972ء کو صوبائی قانون ساز اسمبلیوں کا اجلاس بلایا جائے۔ مگر حسب سابق JUI اور NAP نے مطالبہ پیش کیا کہ صوبائی قانون ساز اسمبلیوں کا اجلاس 10 اپریل کو طلب کیا جائے۔ پھر طے پایا کہ صوبائی قانون ساز اسمبلیوں کا اجلاس 21 اپریل کو بلایا جائے۔ طے پا گیا کہ جب تک مستقل آئین منظور نہیں ہوتا صوبوں کے گورنروں سے آئینی مسئلہ جات پر گفتگو کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔ گورنروں کو اس امر کا پابند کیا گیا کہ وہ آئینی مشورے صوبائی اکثریتی پارٹیوں کے ساتھ گفتگو کے بعد دیں گے۔

مستقبل کی تبدیلیاں: Future Changes

پاکستان پیپلز پارٹی اور جمعیت علماء اسلام (JUI) کا معاہدہ آہستہ آہستہ بعض مفاداتی وجوہات کی بنا پر ٹوٹ گیا جس نے پختونستان کے قیام کی بنیادیں فراہم کرنا شروع کر دیں۔ حالانکہ اس کی چنداں ضرورت نہ تھی کسی صوبے کا محض دوسرہ نام رکھ دینا ملکی تقسیم کے لیے اہم نہیں ہوتا بلکہ اس کے پیچھے لمبے محرکات اور تاریخ ہوتی ہے جیسا کہ مجیب ازم نے مشرقی پاکستان کو علیحدہ کر کے تاریخ رقم کی تھی۔ پیپلز پارٹی نے ملک کو وفاقی طرز کا آئین دیا تھا جس کی وجہ سے NAP پیپلز پارٹی کے قریب ہوتی گئی اسی طرح اور صوبائی سیاسی پارٹیوں نے بھی ایسا ہی مظاہرہ کیا۔ مثال کے طور پر NAP کے رہنما خود ہی کہتے تھے کہ دفاع، غیر ملکی معاملات غیر ملکی تجارت کرنسی اور وفاقی ٹیکس سمیت تمام اختیارات گورنمنٹ آف پاکستان کے پاس ہونے چاہیے ان کے معاہدے سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کمیونی کیشن کے شعبے جیسا کہ سڑکیں ریل، سول ایوی ایشن، ٹیلی گراف ٹیلی فون کو بھی فیڈرل حکومت کے ماتحت دیکھنا چاہتے تھے۔

اس کے علاوہ NAP اور JUI نے صنعتی اور معاشی ترقی میں حکومت کا ہاتھ دینے کا اعلان کیا NAP کے لیڈروں نے ہر ممکن زور دیا کہ صوبہ سرحد میں حکومت سرمایہ کاری کرے صنعتیں لگائے تا کہ اس کا فائدہ سرحد اور بلوچستان حکومت کو ہو۔ اس سلسلے میں NAP اور JUT نے سرمایہ داروں کے تحفظ کا برملا اعلان کیا۔

صوبہ سرحد میں پرائیویٹ سرمایہ کاروں نے سرمایہ کاری کی اس کا برملا اعتراف NAP کے

فنانس منسٹر مسٹر غلام فاروق نے 73-1972ء کے بجٹ کے دوران کیا۔ انہوں نے کہا کہ صوبہ سرحد کو ماضی میں جان بوجھ کر معاشی طور پر پسماندہ رکھا گیا ہے یہاں پر صنعتی ترقی نہ ہونے کے برابر ہے اگر گورنمنٹ صوبے کو وافر طور پر سستی گیس اور بجلی فراہم کرے تو ہم ترقی کر سکتے ہیں بہر حال پرائیویٹ سیکٹر میں معاشی ترقی دیکھنے میں آئی ہے۔ اگر ہمارے صوبے کو ہالیڈے ٹیکس فری زون قرار نہ دیا گیا تو معاشی ترقی رُک سکتی ہے صوبائی طور پر ہمارے ساتھ سوتیلی ماں کا سلوک کیا جا رہا ہے۔ یہ ایک ملتا جلتا ردعمل تھا جو دیکھنے میں آیا سرحد اور بلوچستان کی صوبائی حکومتوں میں NAP اور JUI کے وزراء کی تعداد دیکھنے میں آئی۔ دونوں سیاسی جماعتوں کے درمیان 11 مارچ 1972ء کو ایک معاہدہ طے پا گیا جس کے تحت قرار پایا کہ صوبہ سرحد میں وزیر اعلیٰ JUI کا ہوگا جبکہ بلوچستان میں وزیر اعلیٰ NAP سے لیا جائے گا۔ ولی خاں نے اعلان کیا کہ وہ اپنے صوبہ سرحد کی اسمبلی کی نشست سے استعفیٰ دیں گے اور اپنی قومی اسمبلی کی نشست برقرار رکھیں گے۔ NAP نے جن لوگوں کے نام کو لسٹ آئینی کمیٹی کے لیے دیئے ان کے نام یہ تھے۔ جسٹس (ریٹائرڈ) شیخ عبدالحمید، عزیز اللہ اے شیخ اور اس ایم ظفر یا در ہے ایس ایم ظفر ایوبی دور میں وزیر قانون رہے تھے۔

ولی خاں، بزنجو اور ارباب سکندر نے یہ کمیٹی سیاسی معاملات کی بنا پر تشکیل دی تھی لہذا اس وقت NAP قومی آئینی دھارے پر نمایاں فعال نظر آ رہی تھی۔ اس دور میں NAP اور JUI کا سیاسی رویہ نہایت مثالی تھا دونوں پارٹیوں نے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور اعتماد کی فضا قائم رکھی۔ NAP کی سیاسی حکمت عملی کا لب لباب یہ تھا (i) پرائیویٹ سرمایہ داروں کی گرتی ہوئی ساکھ کو گرا کر قومی سرمایہ کاری کو فروغ دینا (ii) بڑے خاں (عبدالغفار خاں) کی ذہنی اصلاحات کے پیکج کو عملاً نافذ کرنا (iii) جمعیت علماء اسلام کے ساتھ تعاون کی فضا کو بحال رکھنا۔ علاوہ ازیں JUI کی حکمت عملی کے نکات یہ تھے (i) بنیادی سکولز میں عربی کی تعلیم کو رائج کرنا (اس پالیسی کی بنا پر صوبے سرحد کے آدھے فارغ التحصیل علماء کو نوکری مل سکتی تھی)۔

ولی خاں اپنے آپ کو مقبول لیڈر منوانے کے سلسلہ میں بھٹو حکومت پر مثبت تنقید بھی کرتے رہتے تھے ان کی پیشن گوئی تھی کہ بھٹو حکومت پنجاب اور سندھ کا اپنا کارڈ ختم کر رہی ہے کیونکہ اس کی پالیسیاں ہٹ دھرمی اور خود غرضی پر مبنی ہیں۔ 1972ء میں سندھ میں زبان کا مسئلہ سینگنی اختیار کر گیا لہذا بھٹو کی مقبولیت میں خاص کمی دیکھنے کو ملی۔ اور ولی خاں کا مستقبل میں ستارہ چمکتا ہوا دکھائی دینے لگا۔ بھٹو

PakistanMuseum.org

نے ان دونوں جماعتوں کا اتحاد توڑنے کے لیے دوغلی قسم کی پالیسی اپنائی دونوں صوبوں کی ترقی میں غیر منصفانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے بلوچستان کو 100% ترقیاتی فنڈز دیئے گئے جبکہ سرحد کو 119% فنڈ دیا گیا NAP اور JUI کو نیچا دکھانے کے لیے کسان مزدور پارٹی کی حکومتی پشت پناہی کی گئی بلوچستان میں قبائلی مختلف گروہوں میں تقسیم تھے۔ یہ لوگ پاکستان اور ایران میں تقسیم چلے آ رہے تھے اس ضمن میں گورنر بزنجو کو ایران کے دورے پر بھیج دیا گیا تا کہ وہ پاکستانی اور ایرانی بلوچوں کی سماجی اور اکنامک پاور کا جائزہ لے سکیں تاہم مسلم لیگ (قیوم گروپ) اور پیپلز پارٹی نے عطاء اللہ مینگل کی حکومت پر پے در پے حملے کرنا شروع کر دیئے۔ تاہم مینگل قبائل نے پٹ فیڈر کے علاقے میں رہائش پذیر پنجابیوں پر ہلہ بول دیا اور مینگل حکومت نے تہیہ کر لیا کہ فیڈرل گورنمنٹ میں موجود تمام غیر بلوچوں کی نوکری ختم کر دی جائے گی۔ اس ضمن میں بعض باغی اور متحارب قبائل بھی مینگل حکومت کے ساتھ مل گئے۔ بلوچستان کی حکومت نے بجٹ پر خاص تنقید کی۔ لس بیلا کے جاموٹ قبیلہ خاص طور پر جام صاحب آف لس بیلا اور میر نبی بخش (نائب صدر مسلم لیگ بلوچستان) کو زبردستی بلوچستان سے بھگا دیا گیا انہیں مجبوراً سندھ حکومت کے پاس پناہ لینی پڑی بلوچستان حکومت نے کسان مزدور پارٹی کے رہنماؤں کو گرفتار کرنے کے ورنٹ جاری کر دیئے انہیں مجبوراً گرفتاری سے بچنے کے لیے پنجاب کا رُخ کرنا پڑا لہٰذا دور میں صوبے اور وفاق کے تعلق خاصے دگرگوں رہے۔ ستمبر 1972ء میں ''لندن پلاٹ'' مسئلہ ابھر کر سامنے آ گیا جب حکومت نے اخباروں کو اپنے قبضہ میں لے لیا اریوسف ہارون اور محمد ہارون جو کر NAP اور مجیب الرحمان کے حمایتی تھے ان پر حملہ کر دیا۔ اس وقت عطا اللہ مینگل اور ولی خاں بعض وجوہات کی بنا پر لندن میں تھے۔ یہ دونوں لندن اس لیے گئے تھے کہ شیخ مجیب کے ساتھ ملاقات کر سکیں جو اس وقت بیماری سے صحت یاب ہوئے تھے۔ یہ تینوں ایک لمبی جدائی کے بعد ملے تھے۔ ان دونوں نے سازشی طور پر مجیب الرحمان کو کہا کہ وہ مسٹر گاندھی کو ترغیب دیں کہ وہ پاکستان میں موجود بھارتی فوجی دستوں کی روانگی کے عمل کو لمبا کریں۔ تا کہ کوئی نیا سازشی منصوبہ بنایا جائے انہی کے لیے مسٹر بھٹو نے ''ونٹر پاکستانی'' (Winter Pakistani) کا نام تجویز کیا تھا کہ یہ موسم گرما یورپ میں گزارتے ہیں او رلندن پلاٹ سازش میں شامل ہو کر اس سے مکمل انکار کرتے ہیں اس واقعے سے پاکستانی عوام میں خاصا شعور بیدار ہوا تھا۔

اکتوبر 1972ء کا معاہدہ: Accord of Oct 1972

جب ولی خاں لندن میں تھے تو بھٹو نے وفاقی اصولوں پر آئین کے سلسلہ میں ان کے ساتھ وسیع معاہدہ کر لیا۔ آئینی تحریک اور عمل میں شامل ہونے سے قبل NAP کے لیڈروں نے اپنے آپ غیر جانبدار محسوس کرا لیا تھا۔ لندن پلاٹ کیس نے ولی خاں کی سیاسی افادیت کو خاصا دھچکا پہنچایا تھا۔ مگر بھٹو پھر بھی وفاق کی سالمیت کے لیے ان جماعتوں کو ساتھ لے کر چلنا چاہتے تھے۔ NAP کے کچھ لوگ وفاقی نظام کے ساتھ امریکن وفاقی نظام کو بھی اہم سمجھتے تھے۔ 20 اکتوبر کو بلوچستان کے گورنر بزنجو اور سرحد کے ارباب سکندر خاں اور وزیر اعلیٰ مفتی محمود نے ایک معاہدے پر دستخط کیے اس معاہدے کے تحت ملک کا نظام پارلیمانی طرز کا ہوگا اور وزیر اعظم زیادہ اختیارات کا مالک ہوگا ایوان دو رکنی ہوگا یعنی قومی اسمبلی اور سینٹ یہ دونوں ایوان صدر کا انتخاب کریں گے یہ صدر 15 سال کے لیے منتخب ہوگا۔ اسے قومی اسمبلی سے دو تہائی ووٹ لینے ہوں گے۔ صوبوں اور وفاق کے درمیان اختیارات کی تقسیم کو مساویانہ بنیادوں پر تقسیم کیا جائے۔ بحر حال وفاقی کی (Supparmacy) برقرار رہے گی۔

نیا آئین 179 صفحات کا تھا جس کو 31 دسمبر کو اسمبلی میں پیش کیا جانا تھا ولی خاں جب واپس ملک آئے تو انہوں نے اس امر کا عندیہ دیا کہ نئے آئین کی توثیق NAP سے کروانا ہوگی۔ ولی خاں نے کہا کہ وزیر اعظم کے اختیارات کم کرنا ہوں گے۔ سینٹ قومی اسمبلی کے ساتھ بجٹ کے معاملے میں اہم کردار ادا کر رہے گا۔ اگر سینٹ کسی امر کے متعلق اپنی رائے منفی شکل میں دیتا ہے تو اس سارے معاملے کو دوبارہ قومی اسمبلی کی طرف پلٹا کر اس کا مناسب حل تلاش کرنا ہوگا جو سینٹ کے ہاں عند المنظور ہو 20 جنوری 1973ء کو ولی خاں نے اس امر کو تسلیم کر لیا کہ آئین۔ قومی امنگوں کی ترجمانی کرے گا۔ اس خوشگوار ماحول کے نتیجہ میں 10 فروری کے عراقی ایمبسی (سفارتخانہ) سیکنڈل کو دفن کر دیا۔

1973ء کے آئین کی ابتداء یا وجود

Emergence of the 1973 Constitution

پاکستانی حکومت عراق کے ساتھ اچھے تعلقات کی خواہاں تھی۔ اور حالات کو معمول پر لانا چاہتی تھی عراقی وزیر برائے تعلیم ڈاکٹر احمد عبدالستار الجواری نے 19 تا 23 اپریل 1973ء کو پاکستان کا سرکاری دورہ کیا اس نے مسٹر بھٹو اور وزیر دفاع و بین الاقوامی تعلقات مسٹر عزیز احمد کے ساتھ بات

Pakistanmcq.com

چیت کے کئی دور کیے۔ دونوں پارٹیوں نے عراقی ایمبیسی بندوقوں اور سمگلنگ پر کھل کر بات چیت کی۔ عراقی وزیر نے حکومت پاکستان کے گوش گزار کرایا کہ یہ بندوقیں پاکستان کی کسی سیاسی پارٹی کے لیے ملکی کی علیحدگی کے سلسلے میں نہ تھیں یہ بلوچوں کے لیے تھی جو کہ ایرانیوں کو سبق سکھانے کا ذریعہ تھیں۔

اخباروں میں 26 اپریل کو اس داستان کو خوب مرچ مسالہ لگا کر پیش کیا گیا لہٰذا NAP اور JUI کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ اگر پاکستانی حکومت عراقی وزیر کی وضاحت کو قبول کرتی ہے تو پر سرحد اور بلوچستان میں قائم ان کی حکومتوں کو کیوں بحال نہیں کیا جاسکتا۔ اگر وفاقی حکومت کو پھر بھی شک ہے تو وہ بڑے پیمانے پر جوڈیشل انکوائری کرواسکتی ہے۔ ان کے اس بیان سے یہ سیاسی فائدہ ہوا کہ دوسری جماعتوں کے سیاسی لیڈر بھٹو کو برا بھلا کہنے لگے ان کا خیال تھا کہ بھٹو خوامخواہ ان سیاسی پارٹیوں پر الزام لگا رہے ہیں لہٰذا تمام سیاسی پارٹیوں نے NAP اور JUI کو معصوم عن الخطا قرار دے کہ مستقبل میں اپنے تحفظ کے لیے پیپلز پارٹی کے خلاف یونائیٹڈ ڈیموکریٹک فرنٹ کی بنیاد رکھ دی۔

بھٹو حکومت کو اس ضمن دونوں صوبوں میں NAP اور JUI کے انتخابات میں بدمزگی (Upalatable) کی کیفیت سے دوچار ہونا پڑا۔ کہ آیا وہ اسمبلیاں تحلیل کر کے نئے انتخابات کرائے یا صوبوں میں سے کوئی نیا اتحاد (Coalition) متعارف کرائے۔ مگر بھٹو نے دوسرے آپشن کو اختیار کیا لہٰذا دونوں صوبوں میں نئے اتحاد کے لیے کوششیں تیز کر دیں۔ اپوزیشن پارٹیوں سے بات چیت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اپریل 1973ء کے پہلے ہفتے یہ بات طے پا گئی کہ صوبائی خود مختاریت کو ختم کیا جائے اور اس مسئلہ کا حل آئین کے مطابق نکالا جائے۔ اس سلسلہ میں اپوزیشن اور حکومت میں تناؤ پیدا ہوگیا اپوزیشن نے اس سوچ کو آمریت قرار دے کر اسمبلی کا واک آؤٹ کر دیا اور جب تک نیا آئین اختیار نہ کیا گیارہ اپریل 1973ء سے پہلے اسمبلیوں میں نہ آئے۔

گیارہ اپریل کو مسٹر بھٹو نے گیارہ بجے تک قومی اسمبلی میں اپنی تقریر مکمل کرنا تھی جبکہ وہ 1:45 منٹ تک ہاؤس میں داخل نہ ہوسکا۔ اسی اثنا میں سپیکر آف دی ہاؤس نے پیچھے بیٹھے ہوئے ہنچوں پر ارکان کو تقریر کرنے کی دعوت دی تا کہ وقت گزارہ جائے۔ تقریباً 12:45 بجے اپوزیشن کے ادھیڑ عمر راہنما مسٹر قاضی عادل عباسی ہاؤس میں داخل ہوئے تو انہیں نے فتح کا نشان بنایا وہ اپنی نشست پر بیٹھے ہی تھے کہ وزیر قانون اور پارلیمانی معاملات عبدالحفیظ پیرزادہ نے آئینی ترامیم کو ہاؤس میں بیان کرنا شروع کر دیا۔ چند منٹوں بعد حزب اختلاف کے بعض لیڈرز راہنما ہاؤس میں داخل ہوئے تو ان کا والہانہ

استقبال کیا گیا۔ 1:27 بجے ولی خاں اور بزنجو ہاؤس میں داخل ہوئے تو تالیوں کے ساتھ ان کا استقبال کیا گیا جب آئین کی منظوری کے سلسلہ میں ووٹ دینے کا وقت آیا تو صرف تین ارکان کے انکار میں ووٹ میں آئے ایک سندھ سے اور دو پنجاب سے اس میں بھٹو کے سابقہ لاء منسٹر محمود علی قصوری نے بھی انکار میں ووٹ دیا ان کے علاوہ تمام ممبران نے آئین کے حق میں ووٹ دیئے۔

آئین کی تمام ترامیمی آرٹیکلز طریقہ کار کے سلسلہ میں تھے صوبوں اور وفاق کے درمیان اختیارات کے مسئلہ کو زیادہ ہوا نہ دی گئی کیونکہ باہمی طور پر اپوزیشن اور حکومت نے صوبائی معاملات کو خوش اسلوبی سے طے کرنے کا معاہدہ کر لیا تھا۔ تقریباً دو بجے سے کچھ منٹ پہلے جناب صدر بھٹو صاحب اسمبلی میں داخل ہوئے اور انہوں نے آئین کے سلسلہ میں مخصوص ریمارکس دیئے۔ انہوں نے کہا کہ صوبوں اور وفاق کے درمیان معاملات کے طے کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ آئے گا۔

1956ء اور 1962ء کے آئین کی طرح 1973ء کا آئین بھی صوبائی خود مختاری کے سلسلہ میں سوالیہ نشان بنا رہا۔ NAP اور JUI نے صوبہ پنجاب اور سندھ سے لاحق احتمالات (Apprehension) (خطرات) کو کھل کر بیان کیا۔ ان کے اس احتمال کی وجہ سے آرٹیکل 153 کے تحت کونسل آف کامن انٹرسٹ کے وجود عمل میں لایا گیا طے پایا اس کونسل میں چاروں وزراء اعلیٰ شامل ہونگے اور اتنے ہی افراد فیڈرل گورنمنٹ سے منتخب کیے جائیں گے۔ یہ کونسل معاشی فرق جیسے مسائل پر فیصلے دے گی۔ اس ضمن میں پارلیمنٹ ذمہ دار ہوگی کہ تمام معاملات احسن طریق سے حل کیے جائیں گے لہٰذا پانی کی سپلائی، بجلی اور قدرتی گیس کی تقسیم کے معاملہ کو آئینی طور پر حل کیا جائے گا اگر قدرتی وسائل کے ضمن میں کوئی معاملے ابھرے تو انہیں دفعات آئین 155 تا 158 کے تحت ریویو کے ذریعے حل کیا جائے گا۔ وفاقی حکومت ہر حال تمام صوبوں کے ساتھ مساوی سلوک کرے گی۔ اگر مسئلہ یا جھگڑے کا حل حکومت نہ نکال سکے تو چیف جسٹس آف پاکستان آرٹیکل 159 کے تحت ایک ثالثی (Arbitrator) کا انتخاب کرے گا۔

اسلام اور پاکستان کا نیا آئین

Islam and the new Constitution of Pakistan

پاکستان کی قومی اسمبلی نے 10 اپریل 1973ء کو تیسرا نیا آئین متعارف کرایا اور 14 اگست کو

Pakistanmaterial.com

یہ نافذ العمل ہوا۔ پاکستان کا پہلا آئین پارلیمانی طرز کا تھا اسے آئینی اسمبلی نے انتخابات کے 9 سال بعد مرتب کیا گیا تھا اور اسے 1958ء کے ملٹری انقلاب نے ملیامیٹ کیا پھر 1962ء میں صدر ایوب خاں نے ایک اور آئین متعارف کرایا۔ یہ دن مین شو (یعنی صدارتی) قسم کا آئین تھا۔ اس میں اختیارات کا سارا منبع صدر کے پاس تھا۔ تیسرا آئین مجموعی طور پر پارلیمانی طرز کا تھا مگر اس میں دو ایوانی آئینی طریقہ کار اپنایا گیا تھا۔ اور اسی کے نتیجہ میں نئی اسمبلی معرض وجود میں آئی تھی۔ اس آئین کے متعلق مختلف ماہرین نے آراء میں کہا تھا کہ یہ ایک اچھا جمہوری لائحہ عمل ہے۔ اس وقت پاکستان نہایت نازک دور سے گزر رہا تھا اندرونی اور بیرونی خطرات کے بادل لہرا رہے تھے۔ آئین کی تدوین کے وقت مختلف مکتبہ فکر کے لوگوں کے تاثرات کو مدنظر رکھا گیا تھا۔ پیپلز پارٹی میں بھٹو وہ واحد لیڈر تھے جن کے فیصلے اسمبلی میں اثر انداز ہو رہے تھے لہذا کہا جاتا ہے کہ موقع اور حالات کی مناسبت سے یہ ایک ملک گیر محافظ آئین تھا۔

یہ آئین نہ صرف اسلامی اصولوں یا حقوق کا منبع تھا بلکہ اس میں سماجی انصاف اور معاشی ترجیحات کو بھی مدنظر رکھا گیا تھا۔ اس میں سماجی ترقی ازم بھی نظر آتا ہے۔ اس کی بعد شقیں پچھلے دو آئینوں کا چربہ بھی تھی۔ اس میں کنفیوژن بھی دیکھنے میں ملی تھی۔ ایک طرف تو قرارداد مقاصد کو تمہید کے طور پر اس میں شامل کیا گیا جس میں اللہ کی حاکمیت کا برملا اعلان کیا گیا۔ مگر پھر بھی بعض شقوں میں قرآنی نصوص اور احادیث کا چندان خیال نہ رکھا گیا۔ ماہر قانون دان گوندل اس پر کنٹری کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آئین میں موجود ملک میں اسلامی جمہوریہ کہنے سے یہ مراد ہے کہ صدر اور وزیر اعظم مسلمان ہوں گے نہ کہ یہ کہ آئین میں موجود غیر اسلامی شقیں ختم کر دی جائیں گی بلکہ قانون سازی اسمبلی کے افراد ہی اپنی مرضی اور حالات کے تحت کریں گے۔ قانون سازی صرف رائے شماری پر ہوگی نہ کہ اسلامی اصولوں پر ہوگی۔

اس آئین میں بعض مقامات پر اسلامی سوشلزم کے اثرات بھی نمودار ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جب نیشنلائزیشن کی بات ہو۔ ذرائع پیداوار پر حکومت کی قانون سازی کی بات ہو یا لوگوں کو روٹی کپڑا مکان دینے کی سلوگن طرز بات ہو۔

معاشیاتی اسلامی سوشلزم اور آئین

Ecnomics slamic Socialism

1966ء میں دنیا کی دو سپر پاورز نے تمام دنیا کو اپنا گرویدہ بنانے کے لیے اپنے بلاکس بنائے ہوئے تھے۔ سرمایہ داری اور سوشلزم میں خاموش اور سرد اور بنم گرم جنگ جاری تھی دونوں گروپس حقوق کی بات کرتے تھے ترقی پذیر ممالک کو لازماً ان دونوں میں سے کسی جھولی میں گرنا ہوتا تھا۔ سرمایہ داری اور سوشلزم پر مباحثے عام تھے۔ مفلوک الحال طبقے اپنی بقا سوشلزم میں ہی سمجھتے تھے اور استحصال پسند اور کھاتا پیتا طبقہ سرمایہ داری کو اپنی آخری پناہ گاہ سمجھ رہا تھا۔ انسان معاشرتی حیوان ہے اور معاشرتی انصاف کے بغیر اس کی بقا کو خطرہ لاحق رہتا ہے۔

1966ء میں لبرل، مذہبی اور سیاسی گروہوں میں اس بات کا خاصا بازار گرم رہا کہ آیا اسلام سوشلزم کا حامی ہے یا سرمایہ داری کا یا اس کا کوئی اپنا ازم ہے اگر ہے تو یہ کہاں نافذ العمل ہے۔ اس دور میں اسلام کو سوشلزم کے ساتھ جوڑنے کے تانے بانے بنائے گئے اور ایک نئی اصطلاح (Term) ''اسلامی سوشلزم'' کو متعارف کرایا گیا اس کی تعریف اور شرح کے مباحثے عام ہوئے اور عام ہوتے ہوئے خاصوں کے نیاروں تک جا پہنچے۔ اس سے قبل اس مسئلہ پر عرب ممالک کے مسلمان سکالرز نے بھی اپنی رائے کا اظہار کیا تھا ان میں مشرق وسطی، شام اور مصر کے نامور سکالرز شامل تھے۔ اسلامی بھائی چارے کے ممبر ڈاکٹر مصطفیٰ السبائی نے 1959ء میں عربی زبان پر اپنی کتاب ''سوشلزم آف اسلام'' کے موضوع پر متقابلانہ اور مدبرانہ بحث کی تھی۔ اس نے مشرق وسطی میں خاصی پذیرائی حاصل کی تھی۔ نصیر نے اس سے قبل ''عرب سوشلزم'' کے موضوع پر کتاب لکھی تھی۔ 1962ء تک پاکستانی مذہبی سکالرز عرب کے اس کام سے ناواقف تھے، مصر ایک عالم انجی نے ''اسلام اینڈ ریوو آف کمیونزم'' کے موضوع پر کتاب لکھی۔ پاکستان میں خاص طور پر علامہ غلام احمد پرویز نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ''نظام ربوبیت'' میں سوشلزم اور کمیونزم کا مدلل تجزیہ کیا۔ مادیت جدلیت اور فلسفہ ہیگل کو آسان الفاظ میں پیش کر کے اسلام کی حقیقت اور Supermacy کو عیاں کیا۔ قرآن میں موجود ورثہ کی آیات کے اسلام کو عبوری دور سے تعبیر کیا۔ اور مادزے تنگ اور اسلام کے موضوع پر سیر حاصل بحث کی انہوں نے کہا اسلام وہاں سے شروع ہوتا ہے جہاں سوشلزم ختم ہوتا ہے۔ اس سے قبل انہوں نے اپنی کتاب ''انسان نے کیا سوچا'' میں دنیا کے تمام نظاموں کا نچوڑ پیش کیا۔ اور دنیا کے نظاموں کے مسائل کا حل اپنی مایہ ناز کتاب ''اسلام کیا ہے؟'' میں پیش کیا۔ یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ آئین یا نظاموں کے بارے میں جتنی تحقیق ادارہ طلوع اسلام نے کی اتنی کسی نے نہ کی ہے، صدر ایوب خاں سمیت تمام لبرل سیاستدان کسی نہ کسی طریقہ سے

ضرور ادارہ طلوع اسلام سے منسلک یا مستفید رہے تھے۔غلام احمد پرویز نے ''اقبال اور قرآن'' کے نام سے بھی ایک کتاب لکھی اصل میں غلام احمد پرویز اقبال اور قائداعظم کے شیدائی تھے اس سے قبل علامہ محمد اقبال نے بھی برصغیر میں مغربی سرمایہ داری کو ظلم قرار دیا تھا۔انہوں نے لینن (Lenin) کی تعریف میں نظم ''لینن کی خدا سے فریاد'' میں تمام روایتی مذہب پر تنقید کی انہیں منسوخ المسائل قرار دیا اس کے بعد ''خدا کا فرشتوں کو حکم'' کے عنوان پر نظم میں انہوں نے اعلان کیا کہ یہ زمین خدا کی ہے لہذا زمین سے حاصل شدہ وسائل چند افراد کے لیے نہیں ہیں زمین اور اس کے وسائل پر تمام انسانوں کا مساوی حق ہے۔زمین کو ذاتی ملکیت میں نہیں ہونا چاہیے اسے حکومت کے پاس ہونا چاہیے۔اور حکومت ہی اسے ضرورت کے مطابق لوگوں کو فائدہ اٹھانے کی اجازت دے گی زمین میں موجود رزق کے سرچشموں پر تمام عوام کا بلاتفریق حق ہے۔دنیا کے تمام مسائل غیر مساوی وسائل کی تقسیم کا شاخسانہ ہے۔اس کے بعد انہوں نے اپنی نظم ''شیطان کی مجلس شوریٰ'' میں بھی انہوں نے کیمونزم کو اچھی معیشت قرار دیا انہوں نے کہا کہ یہ اسلام سے قریب تر اور اسلام ہی سے ماخوذ ہے اس سے مادیت پرستوں میں اخلاقی جذبات پیدا ہوں گے۔یہ مادہ پرستوں کی کھیتی پر اچھا درخت ہے۔1930ء میں سر فرانسس ینگ ہس بینڈ کے نام خط میں انہوں نے کہا تھا ''اگر بالشوزم خدا پر کامل یقین کر لیں تو وہ اسلام کے بہت قریب ہو جائیں گے اور مستقبل قریب میں اس میں کوئی شک نہ ہے کہ یا تو روس میں اسلام کا غلبہ ہوگا یا روس والے اسلام پر آ جائیں گے'' اس کے علاوہ اقبال نے قائداعظم کو جو خطوط لکھے ان کے مرکزی خیال میں اسلامی سماجی اصولوں کی جھلک نظر آتی ہے علاوہ ازیں انہوں نے پنڈت جواہر لال نہرو کے ملحدانہ سوشلزم کو مسترد کیا۔علاوہ ازیں مسلم لیگ بھی عوام کی امنگوں کے مطابق ان کے سماجی ومعاشی مسائل حل کرنے کا منشور پیش کر رہی تھی اسی پس منظر کے پیش نظر 1966ء میں پاکستانی کمیونسٹ حضرات نہایت مثبت انداز سے اسلام اور سوشلزم میں جوڑ لگانے پر مسلسل سرکھپائی کر رہے تھے۔قائداعظم اور لیاقت علی خاں بھی بعض مواقع پر ''اسلامی سوشلزم'' کی اصطلاح استعمال کرتے تھے (یہ وہی اصطلاح تھی جسے مسلم جدیدیت کے بانی راہنما جمال الدین افغانی 1890ء میں استنبول میں استعمال کرتے تھے) ایوب خاں نے بھی تیسرے پانچ سالہ منصوبے میں اسلامک سوشلزم کو حکومت کا مقصد قرار دیا تھا۔(مگر اس وقت کے کاروباری حضرات خاص طور پر اے کے شمر نے مخالفت میں ڈال کر اس پر تنقید کی تھی) اس کے علاوہ پاکستان کی مذہبی جماعتوں اور خاص کر جماعت اسلامی نے اس کی کھل کر مخالفت کی لہذا جب تیسرا پانچ سالہ منصوبہ چھپایا ہوا تو اس میں لفظ ''اسلامک سوشلزم'' حذف کر دیا گیا ستمبر اکتوبر 1966ء ماہنامہ ''نصرت'' نے اس موضوع پر کھل کر بحث شائع کی۔اس میں قرآنی آیات کی شرح وتعبیر کو اس طرح پیش کیا گیا کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام سوشلزم کے خلاف ہے لہذا اس رسالے میں ملے جلے

اقتباسات شائع کیے گئے۔بعض نے اس پر تنقید کی تو بعض نے حمایت،سوشلزم کے مخالفین غیر ملکی حضرات نے کہا کہ اگر سوشلزم ہی اسلام تھا تو یہ اسی لیے ناکام ہو گیا تھا اب تم پھر دوبارہ سوشلسٹ بننے جا رہے ہو۔

بھٹو اور سوشلزم: Bhutto and Socialism

بھٹو جب ایوب خاں کی حکومت سے علیحدہ ہوئے تو 1966ء میں انہوں نے سوشلزم کی تحریک چلائی ان کا خیال کہ اس طرح انہیں عوام کی آہستہ آہستہ مقبولیت اور حمایت حاصل ہو جائے گی وہ سوشلزم کو اسلام کا اہم حصہ خیال کرتے تھے مگر ان کے دیرینہ ساتھی اور پیپلز پارٹی کے بنیادی خیالی راہنما مسٹر جے اے رحیم جو کہ کٹر کیمونسٹ تھے بھٹو کے ان خیالات سے اتفاق نہ کرتے تھے اور جب مولانا کوثر نیازی کو بھٹو نے پارٹی کا پروپیگنڈا سیکرٹری مقرر کیا تو مسٹر جے اے رحیم نے سخت احتجاج کیا کیونکہ کوثر نیازی دائیں ہاتھ (سرمایہ داری بلاک) کے پرزور حامی تھے۔پاکستان پیپلز پارٹی تمام جماعتوں کے اختلاف کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے بھٹو اپنے موقف پر تن تنہا ڈٹے رہے۔جب دسمبر 1970 کو PPP کو مغربی پاکستان سے واضح کامیابی حاصل ہوئی تو اسے اسلام کی عظیم فتح قرار دیا گیا۔حقیقت میں ترقی پذیر ممالک میں عوام کی دو کلاسز موجود ہوتی ہیں ایک Low (کم تر) اور دوسری (بالاتر) High اس قسم کے ممالک میں وسائل امیروں کی طرف منتقل ہوتے جاتے ہیں اور مسائل غربا کا مقدر بن جاتے ہیں لہذا ہر سیاسی جماعت ایک دلکش منشور پیش کر کے غریب طبقے کو سبز باغ دکھاتی ہے اس وقت بھی یہی کچھ ہوا۔بھٹو صاحب صدر ایوب کو ڈیڈی کہہ کر مخاطب ہوا کرتے تھے۔تاشقند معاہدے میں ان پر روس نے CIA کا ایجنٹ ہونے کا الزام عائد کیا انہیں تاشقند اجلاس سے چلتا کیا گیا تو انہوں نے پاکستان میں اس کا منفی واویلا شروع کر دیا۔وہ ہر جلسہ میں لوگوں کو کچھ اہم بات کا تاثر دینے کی بات کر کے بات گول مول کر جاتے اکثر کہا کرتے کہ میں بتاؤں گا کہ تاشقند میں کیسے ہم جیتی ہوئی جنگ ہارے مگر وہ اس کے متعلق کچھ نہ بتا سکے۔بھٹو نے لوگوں میں شعور اُجاگر کیا انہیں حقوق کے متعلق بتلایا۔پارٹی میں عام سماجی طبقے کو پذیرائی دی۔وہ خود بہت بڑے سندھی جاگیردار تھے مگر انہوں نے پھر بھی غریب طبقے کے لیے روٹی کپڑے اور مکان کی آواز لگائی پیپلز پارٹی کا نعرہ تھا اسلام ہمارا دین، جمہوریت ہماری سیاست، سوشلزم ہماری معیشت طاقت کا سرچشمہ عوام، اصل میں وہ سوشلزم معیشت کو اسلامی مساوات کا نام دیتے تھے انہوں نے ''مساوات'' اخبار بھی نکالی۔بہرحال پاکستان میں ایک نئے جذبہ محرکہ اور ایک نئی منزل کی تلاش کا سفر شروع ہو گیا۔مگر انقلاب ایک رات میں نہیں آ جایا کرتا اس سلسلہ میں لوگوں کی تربیت کرنا پڑتی ہے۔لوگوں کو ذاتی مفاد کے مقابلے میں اجتماعی مفاد کی قربانی کا درس دیا جاتا ہے۔انقلابی لوگوں کا رہنما خود سب کیلئے عملی ماڈل ہوا کرتا ہے۔مگر پاکستان کی

FREE AMU NOTES.COM

سیاست فورس اور فراڈ گھومتی ہوئی نظر آتی رہی ہے۔ زمینی حقائق لوگوں کے طبقے اندرونی مخفی خواہشات اور بیرونی مخالفین کسی بھی انقلاب کے آگے سینہ سپر ہو کر اس کا راستہ روک لیتے ہیں۔

مگر پاکستان کی سیاست اس بات کی گواہ ہے کہ انتخابات سے پہلے لوگوں کے اذہان وقلوب میں خوب انقلابی تقاریر اور فلاحی الفاظی سے مسائل کا حل بتلایا جاتا ہے اور جب انتخابات میں ایسی پارٹی کو کامیابی حاصل ہو جاتی ہے تو پھر اس کا نقطہ نظر کچھ اور ہی ہو جاتا ہے۔ انتخابات سے قبل PPP ایک تحریک کی شکل میں اُبھری اس کے بہت سے اغراض ومقاصد تھے اس میں کمیونسٹ سے لے کر سوشلزم کا سفر اور سوشلسٹ افراد بھی شامل تھے دینی جماعتوں کا مخصوص طبقہ بھی اندرون خاطر پیپلز پارٹی کی اصلاحات کا حامی تھا اس کو اسلامک سوشلسٹ حضرات اور بعض لینڈ لارڈز کی حمایت حاصل رہی تھی لہٰذا تمام طبقوں کا اس میں مل جانا اس کی صحیح سمت کی طرف راغب ہونے پر بعض احتمالات کا گمان واضح ہو رہا تھا۔

دوسری طرف مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا مسئلہ بہت اہم تھا۔ مغربی پاکستان اب پاکستان بن چکا تھا۔ بین الاقوامی سیاست میں پاکستان کو دھچکا لگا لہٰذا یہ ابتدائی دور تھا جب برصغیر اور خاص طور پر ایشیا میں پاکستان کو اپنی معاشی منصوبہ بندی واضح کرنا نہایت ضروری تھی۔ اسے اپنے مستقبل کو پرکشش بنانے کے لیے لائحہ عمل تیار کرنا تھا۔ اپنے ہمسایہ ممالک کے ساتھ امن معاہدوں کو حتمی بنانا تھا اسے اپنی سماجی ومعاشی ترقی کے لیے ایک واضح سمت کا تعین کرنا تھا۔

پاکستان کو بنگلہ دیش کی پالیسیوں کے متعلق بھی دیکھنا تھا کیونکہ دونوں ممالک اسلامی تھی جہاں تک اسلامی سوشلزم نافذ کرنے کا تعلق تھا تو اس کے لیے ماضی میں واضح گراونڈ ہونی چاہیے تھی۔ دوسری طرف پیپلز پارٹی نہ تو خالصتاً مذہبی جماعت تھی کہ اس کے بانی عربی زبان اور قرآنی تعلیمات پر مکمل عبور رکھتے تھے کیونکہ لبرل ہو کر تو پاکستان میں فلاح وسماج ازم کا کام کیا جا سکتا ہے۔ مذہبی ہو کر علماء کی موشگافیوں سے بچنا تقدیر ہی کی بات ہو سکتی ہے۔ مگر "اسلامی سوشلزم" کا لفظ آئین میں شامل نہ کرنا اب تک ایک راز سے کم نہ ہے حالانکہ الیکشن سے قبل پیپلز پارٹی اس کا ڈھول پیٹا کرتی تھی کیا اس اصطلاح کے ساتھ ناروا سلوک کیا گیا یا اس کی باقیات کو آئینی ٹانکا لگا دیا گیا یا اسلامی اصولوں کی جہت ہمہ گیر ترقی کی طرف موڑ کر اسے ایک نافذ العمل شکل میں لانے کی کوششیں کی گئی۔ اس وقت خاص طور پر دو سیاسی جماعتیں تھی جو خالص سوشلزم نظریات کا پرچار کرتی تھیں ایک نیشنل عوامی پارٹی (NAD) اور

دوسری ہزاروی کی جماعت العلماء تھی۔ یہ دونوں پارٹیاں اپوزیشن میں تھیں بھٹو صاحب ان سے استفادہ حاصل کر سکتے تھے۔ مگر انہوں نے ایسا نہ کیا۔ اور المختصر بعد میں رسمی اسلام کی شقوں کو ہی آئین کا حصہ بنا دیا گیا۔ دیکھا جائے تو آئین میں لفظ اسلام رسمی طور پر شامل کیا گیا اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اس کی معاشی شرح زکوۃ صدقہ، خیرات، ہدی، احسان وغیرہ قرآن میں شامل ہیں۔ مگر آئینی کلیدی اطلاقی عمل میں اس سے خاطر خواہ استفادہ تو دور ان ہیت الفاظ ہی سے دور رہا گیا۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس میں اسلامی نظام کی روح کو بری طرح متاثر کیا گیا یا آئینی الفاظ واصطلاحات میں بند رکھ دیا گیا۔

اس آئین کی دفعات عام قسم کی ہیں اس میں بھٹو صاحب کے ابتدائی پالیسوں کی جھلک نظر آتی ہے۔ اس طریقہ سے بھٹو ایک روشن خیال نظر آتے ہیں۔ تمہید (Premable) کی ایک شق میں کہا گیا ہے۔ "کہ پاکستانی عوام قومی اور سیاسی اور سالمیت کو بچانے کے لیے ایک فلاحی ریاست کی بنیاد رکھتے ہوئے ایک نئے نظام (New Order) سے استفادہ حاصل کریں گے یہاں پر "Based on Islamic Socialism" کے الفاظ داخل کیے جا سکتے تھے۔ مگر (New Ordr) لکھ کر اس کو فلاح کے لیے کھلا چھوڑ دیا گیا۔ اس میں کوئی بھی ازم (Isem) داخل کرنے کی گنجائش رکھ دی گئی تھی۔

اکنامک دفعات

Ecnomic Provisiems

آرٹیکل نمبر 3 میں کہا گیا ہے "حکومت اس امر کو یقینی بنائے گی کہ استحصال (Exploitation) کی تمام اشکال کو ختم کر دے اور بتدریج بنیادی اصولوں کی تکمیل کرے اور اس کے ذریعے ہر کسی کو اس کی قابلیت اور کام کے لحاظ سے اس کا حق دیا جائے۔" استحصال کو ختم کرنے کے حوالے سے سابقہ دونوں آئین میں بھی حوالے ہیں۔ مگر اس آرٹیکل کا آخری آدھا جملہ پہلے آئین سے مختلف ہے۔ اس کا مطلب کلاسیکل (قدیم۔ روایتی) کمیونزم سے ہے۔

"From each according to his capacitg, to each according to his need"

"ہر کسی کو اس کی قابلیت اور ہر کسی کو اس کی ضرورت کے تحت (رزق) دینا" مگر کمیونزم کے فارمولہ کے تحت جو کوئی اپنا فریضہ اچھے طریقے سے ادا کرے گا اس کو اس کا اجر (Reward) ملے گا یہ

Jawaharwww.com

میرٹ پر ہوگا مگر اس سے دوسروں ضرورت مندوں کے اجر پر کوئی فرق نہ پڑے گا۔ یہ نظریہ روس میں 1956ء میں نمایاں ہوا اس کو عموماً "Profit Motive" (منافع کمانے کا جذبہ محرکہ) کہا جاتا تھا۔ اس سے قبل اصطلاح قدر زائد "Surplus Value" پر زور دیا گیا تھا کہ انسانوں کی ضرورت پوری ہو جانے کے بعد جو دولت باقی رہ جاتی ہے وہی سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں آ کر معاشرے میں مختلف خرابیوں کا موجب بنتی ہے۔ مگر پاکستان کے آئین میں بیان کیا گیا فارمولہ روس کے فارمولے سے الگ تھا اس میں لفظ "Ability" استعمال کیا گیا جس کا مطلب کام کرنے کی اہلیت مراد ہے۔ روسی فارمولے کے مطابق ان کا خیال تھا کہ صنعت کار قدر زائد (Surplus Value) کی بنیاد پر اپنا سرمایہ بڑھاتے رہتے ہیں یہ سرمایہ مزدور پیدا کرتے ہیں لہذا سرمایہ دار کو اجازت نہ ہوگی کہ وہ سارا سرمایہ سمیٹ جائے بلکہ اس میں مزدور کا حصہ ہونا لازمی ہے۔ ان کو اجر ان کی محنت کی بنا پر ملنا چاہیے کیا یہ آرٹیکل اسلامک سوشلزم سے زیادہ قریب تر ہے؟

اسی آرٹیکل نمبر 3 پر جسٹس محمد منیر (سابقہ چیف جسٹس آف پاکستان) اپنی مایہ ناز کتاب "Constitution of the Islamic Republic of Pakistan" پر جامع کمنٹری کی ہے لکھتے ہیں۔ ''یہ آرٹیکل سوشلسٹ نظریات کی ترجمانی کرتا ہے۔'' "Exploitation" (تخریبت) یا استحصال ایک جامع اصطلاح ہے اس کا مطلب ہے کہ انسان کی ذاتی محنت یا محنت کے نتیجہ میں آنے والی آمدنی کو کوئی یونہی بغیر قانون کے اُچک کر لے جائے مثال کے طور پر سرمایہ دار صنعت کار کا مزدور پر استحصال اور جاگیردار کا مزارعہ پر ظلم اگر اس کا مطلب یہ ہو کہ پیداوار کو سوشلی طور پر کنٹرول کرنا مقصود ہو تو اس کے نتیجہ میں پیداوار کو حکومت ہی تقسیم کرے گی اگر اس پیداوار کو تقسیم کرنا ہو تو بنیادی پیدا کنندہ گان (Subsistances producer) میں اسے یکساں طریقے سے تقسیم کیا جائے گا۔ اس نظام کے تحت ہر کسی کو اس کی ضرورت کے مطابق نہیں ملے گا۔ مگر ہر کسی کو وہی حصہ ملے گا۔ جس کے لیے اس نے جتنا حصہ ڈالا ہوگا۔ یا اس کے لیے جتنی محنت کی ہوگی اگر اس پرائمری پیداوار کو مختلف مشینوں کے استعمال سے عوام کے لیے مہنگا بنا دیا جائے تو اسمیں بتدریج دوسرے صنعتی کارکنوں کا حصہ بھی ان کی محنت کے حساب سے کم یا زیادہ ہو سکتا ہے خواہ ابتدائی پیداواری گروہ صنعتی گروہ سے کم ہی لے رہا ہو۔ تمام سوشلزم کی یہی فلاسفی ہے کہ تمام افراد کی مشترکہ محنت یا کوشش سے پیداوار بڑھائی جا سکتی ہے۔ اس لیے اس میں سب کا حصہ باتناسب حصہ حاصل شدہ محنت کا ہے۔ استحصال کی اصطلاح میں زائد ذاتی ملکیت

بھی ہے۔ آہستہ آہستہ حکومت معاشرہ بن جاتی ہے اور کمیونٹی میں ہر کوئی ہر کسی کے لیے اور ہر کوئی اپنے لیے کام کرنا شروع کر دیتا ہے۔ وہ سب اپنی ضرورت کے مطابق معاوضہ لیں گے باقی حکومت کو دے دیں گے آہستہ آہستہ ہاتھ سے کام کرنے والی لیبر ختم ہو جائے گی اور مشینی میکنزم شروع ہو جائے گا پر ترقی کی اہم شکل ہوگی اور ہر کوئی بیٹھ کر اپنی ضروریات وصول کرے گا۔ اس طرح تمام کمیونٹی (Voluntary Productive Cooperabtion) ''ازخود راضی خوشی پیداواری تنظیم'' بن جائے گی۔

پاکستان میں استحصال کی مختلف اشکال دیہاتوں میں فقراء اور جبری مشقت (Forced Labour) کی شکل میں موجود ہیں۔ فقیر سے مراد ناخوشی سے بغیر معاوضہ کے کام کرنا اور جبری مشقت بغیر معاوضہ کے لوگوں کو محنت پر مجبور کرنا بنیادی حقوق کے منافی ہے۔

آرٹیکل (A) 38:

اس آرٹیکل کا لب لباب یہ ہے ''حکومت تمام لوگوں کے معیار زندگی کو بلند کرے گی اور اس امر کو ملک و حکومت پر حاوی نہ ہونے دیا جائے گا کہ تمام دولت اور پیداواری ذرائع چند لوگوں کے ہاتھوں کا کھلونا بن جائیں۔ یا دولت کی زیادہ تر مقدار کی تقسیم مخصوص طبقے میں ہی نہ رہے۔ اس امر کو یقینی بنایا جائے گا کہ آقا اور ملازم، جاگیردار اور مزارع کو حقوق کے لحاظ سے ان کی مساوی حیثیت کی ایڈجسٹمنٹ کی جائے۔'' پچھلے آئین (دونوں آئین) میں "Concentration of Wealth" کی بجائے الفاظ یا "Undue Concentration of Wealth" یعنی غلط طریقے سے دولت کا کسی کے پاس مرتکز ہو جانا مراد ہے۔ مگر 1973ء کے آئین میں "Undue" کا لفظ حذف کر دیا گیا اور ثابت کیا گیا کہ کسی کے پاس دولت کا زائد اکٹھا ہو جانا خواہ وہ جائز طریقے سے ہی کیوں نہ ہو اس کو روکا جائے گا بلکہ یہاں ذرائع پیداوار اور ان کی تقسیم کا مسئلہ اٹھایا گیا ہے۔ یعنی عوام کی اجتماعی معاشی صورتحال کو مدنظر رکھ کر ان کو قومی دولت میں شمولیت کے مواقع دیئے جائیں گے اسی آرٹیکل کی بدولت Nationalization (قومیایا) کا عمل وجود میں لایا گیا یعنی جب عوامی مفاد اس امر کا تقاضا کرے گا کہ ان کی معاشی حالت پتلی ہوتی جا رہی ہے تو حکومت مختلف صنعتیں ادارے قومیا لے گی ان کا کنٹرول سنبھال لے گی اور ذرائع پیداوار وہاں کے کارکنان میں مساوی تقسیم کر دے گی۔

آرٹیکل (C) 18 میں کہا گیا ''وفاقی حکومت یا کسی صوبائی حکومت یا کسی ایسی کارپوریشن کی طرف سے جو مذکورہ حکومت کے زیر نگرانی ہو، دیگر اشخاص کو قطعی یا جزوی طور پر خارج کر کے کسی تجارت،

FreePakMaterial.com

کاروبار یا صنعت یا خدمت کا انتظام کرنے میں مکمل اختیار کی حامل ہوگی۔"

اور آرٹیکل نمبر(B) 253 میں واشگاف کہا گیا "مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) بذریعہ قانون۔ اعلان کر سکے گی کہ ایسے قانون میں مصرحہ کوئی کاروبار، تجارت، صنعت یا خدمت، وفاقی حکومت یا کوئی صوبائی حکومت یا ایسی سی حکومت کے زیر نگرانی کوئی کارپوریشن دیگر اشخاص کو، مکمل یا جزوی طور پر خارج کر کے چلائے گی یا زیر ملکیت رکھے گی۔"

(b)253 اس امر کی طرف استدلال کرتی ہے کہ پارلیمنٹ کو اختیار حاصل ہے کہ وہ قانون بنا کر کسی ادارے کو بھی نیشنلائزڈ کر سکے۔ مگر اگر (a) 253 آرٹیکل کا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ "پارلیمنٹ بذریعہ قانون ایسی جائیداد یا اس کی کسی قسم کے بارے میں جو کوئی شخص ملکیت، تصرف، قبضہ یا نگرانی میں رکھ سکے گا اُس کے متعلق انتہائی تحدیدات مقرر کر سکے گی۔"

انہی آرٹیکلز کو مدنظر رکھتے ہوئے جناب بھٹو شہید نے معاشی اصلاحات رائج کرتے ہوئے ایک آرڈیننس جاری کیا تھا جس کے تحت کوئی بھی فرد زیادہ سے زیادہ 150 ایکڑ سے زائد سیراب زرعی زمین نہ رکھ سکے گا۔ زمینی اصلاحات کا تو اعلان کر دیا گیا مگر صنعت کاروں نے صنعتوں میں لگا ہوا پیسہ کھینچنا شروع کر دیا اور فیکٹریاں بند کر دیں۔ صنعتی زیادہ دولتیے اکثر کہا کرتے تھے کہ اب پاکستان صنعت کاری کے لیے محفوظ ملک نہ رہا ہے اور ہمیں اپنی صنعتیں آہستہ آہستہ بیرونی ممالک میں شفٹ کرنا ہونگی۔ آخر کار حکومت نے صنعتکاروں کو معاف کر دیا اور وزیر صنعت نے اپنا استعفیٰ حکومت کو پیش کر دیا۔ اس دور میں بائیں اور دائیں بازوؤں کے افراد نے سرمایہ کے متعلق دفعات پر خاموشی اختیار کرنے کو غنیمت تصور کیا۔ انہوں نے اس دفعہ کو موخر قرار دیتے ہوئے قرار دیا کہ سماجی انصاف کے اصول کے تحت حکومت کو نجی دولت کے متعلق سوچ سمجھ کر ہاتھ ڈالنا چاہیے ایسے اصول بناتے وقت اجتماعی معاشرے کے مفاد کو مدنظر رکھنا چاہیے۔ اس دور میں بعض طبقوں نے معاشی اصلاحات کے ضمن میں حکومت کی توجہ اس امر کی طرف مبذول فرمائی کہ "زکوٰۃ" جو اسلامی حکومت کا اہم ٹیکس ہے اور ہر مالدار مسلمان کو ادا کرنا اس کا فریضہ ہے اس کو کیوں خاطر میں نہیں لایا گیا۔ بعض نے کہا کہ آرٹیکل نمبر 2 میں قرار دیا گیا ہے کہ اسلام مملکت کا مذہب ہوگا اور آرٹیکل نمبر(F)38 میں ربا (سود) کو جلد از جلد ختم کرنے کا اعادہ کیا گیا ہے اس پر عمل کیوں نہیں کیا گیا ہے اس کو اہمیت کیوں نہ دی گئی ہے۔ زکوٰۃ کو مستقل ٹیکس کہا گیا ہے اور اس کا القرآن الحکیم میں واضح حکم ہے۔ کیا حکومت اس کو رضامندی کی خیرات کا درجہ دینا چاہتی ہے۔ سود کی مختلف اشکال اور بنک کے طریقہ کار میں موجود سودی عناصر کو کیوں عیاں نہیں کیا گیا ہے؟

1962ء کے آئین میں آرٹیکل نمبر 18 کے تحت اس کو "Usury" کا نام دیا گیا تھا وکلا نے لیگل فکشن کے ذریعے ثابت کیا کہ قرضے وغیرہ سود کی مد میں آتے ہیں۔ اس ضمن میں آرٹیکل نمبر 227(a) کا حوالہ دیا گیا جس میں واشگاف کہا گیا تھا۔ "تمام موجودہ قوانین کو قرآن وسنت میں منضبط اسلامی احکام کے مطابق بنایا جائے گا۔" 1956 کے آئین میں بھی یہ بات موجود تھی یہاں لفظ موجودہ قانون" سے "سیکولر قانون" مراد ہے۔ اسلام کے متصادم قوانین سے مراد فقہی قوانین بھی ہیں جس کے بارے میں عوام اور علماءِ کرام اکثر اختلافات کرتے رہتے ہیں۔

سماجی دفعات

Social Provisions

سماجی دائرہ کار میں عورت کی حوصلہ افزائی کی گئی اور اسے حقوق فراہم کیے گئے کہ وہ پبلک لائف میں آ کر اپنی مرضی یا قابلیت کے مطابق پیشے کا انتخاب کرے۔ اس سلسلے میں کوئی مذہب، عقیدہ نسل اور رنگ آڑے نہیں آئے گا آرٹیکل نمبر 34 میں کہا گیا۔ "قومی زندگی کے تمام شعبہ جات میں عورتوں کی شمولیت کو یقینی بنایا جائے گا اس سلسلہ میں مناسب اقدامات کیے جائیں۔" آرٹیکل نمبر 51 (4) کے تحت عورتوں کی مجلس شوریٰ میں نمائندگی کے سلسلہ میں 20 نشستیں دی گئی اس میں 10 قومی اسمبلی کے لیے اور 10 سینٹ کے لیے مخصوص تھیں۔ عورتوں کے لیے چھ نشستیں تھیں اس کے علاوہ ایک بہادر انہ قدم اٹھاتے ہوئے آرٹیکل نمبر (2)221 میں قرار دیا گیا کم از کم ایک عورت کو ضرور اسلامی کونسل کی ممبر شپ کے لیے منتخب کیا جائے گا اس طرح کونسل کے اراکین کی تعداد آٹھ کر دی گئی۔

اس سے قبل صدر ایوب خاں نے "مسلم فیملی لاز آرڈیننس جنوری 1961ء کے تحت عورتوں کے حقوق کے سلسلہ میں دوسری شادی پر پہلی بیوی سے اجازت لینا لازمی قرار دی گئی تھی۔ یتیم پوتے کی وراثت، اور عورتوں کے "نان ونفقہ کے حقوق کو واضح کیا گیا تھا۔ ایوب کے فیملی لاء آرڈیننس کے متعلق بعض مذہبی طبقے خلاف تھے مگر پھر بھی بھٹو حکومت نے ان قوانین کو نافذ العمل بنائے رکھا کیونکہ وہ ترقی پسند انسان تھے حالانکہ مذہبی حلقوں کی واضح تعداد اسے اسلام کے خلاف اور مردوں کے حقوق کی پامالی تصور کرتے تھے، اسمبلی میں بارہا ان قوانین کو کالعدم قرار دینے کا شوشہ اٹھتا رہتا تھا۔

تعلیم کی اہمیت کو بھی واضح کیا گیا اس پر بہت زور دیا گیا۔ پرائمری تعلیم کو حاصل کرنا فرض اور

Pakistanmag.com

لازمی قرار دیا گیا اس کو پالیسی کے اصول میں واضح کیا گیا یہ پرانے آئین 1962ء کا بھی عندیہ تھا مگر 1973 کے آئین میں ایڈوانس سیکنڈری تعلیم کے حصول پر زور دیا گیا جہالت کو ختم کرنے پر زور دیا گیا آرٹیکل (B) 37 کے تحت قرار دیا گیا کہ ایک مناسب دی جانے والے معیاد کے اندر سیکنڈری تعلیم کو لازمی اور مفت مہیا کیا جانا ہوگا۔ تعلیمی پالیسی میں پرائمری تعلیم کو لازمی اور مستقبل کے تعلیمی پروگرام کی منصوبہ بندی کی گئی تھی۔

1965ء میں ایوب خاں کے دور میں بھی تعلیم کو عام کرنے کے سلسلے میں مختلف حلقوں سے بے شمار فنڈز حاصل کیے گئے تھے۔ مگر معاشی ترقی میں ان فنڈز کو کم کر دیا گیا تھا۔ مگر بھٹو حکومت نے اس شعبہ میں اپنا منصوبہ روشناس کرایا۔ جس کے مختلف مراحل تھے۔ یہ کہ پرائمری تعلیم کو ہمہ گیر بنایا جائے گا۔ اس سلسلہ میں غیر ملکی تعلیمی اداروں سے امداد حاصل کی جائے گی اسلامیات کو ہی صرف لازمی قرار نہ دیا جائے گا بلکہ عربی زبان کو بھی بتدریج لازمی بنایا جائے گا۔ پالیسی میں واشگاف اعلان کیا گیا کہ ملک میں دو قسم کے تعلیمی ادارے کام کر رہے ہیں ایک مدرسہ کی تعلیم ہے تو دوسری سرکاری، رسمی یا اعلیٰ تعلیم، دونوں قسم کے مکتبہ میں فکر و نظر تضاد بڑھتا جا رہا ہے اس کو ختم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ مذہبی مدرسے نجی فنڈز سے چل رہے ہیں اور ماڈرن تعلیم کے مدارس حکومت چلا رہی ہے اس سے ملک میں دو نظام رائج ہونے کا خطرہ ہے۔ ترقی میں اتاترک نے قدیم مدرسہ نظام کو ختم کر دیا تھا۔ المشہور الازہر یونیورسٹی مصر بھی موجودہ صدی میں اپنے نصاب کو جدید خطوط پر استوار کرنے میں کوشاں ہے۔

نصیر کے دور میں الازہر یونیورسٹی میں میڈیکل اور زراعت کی تعلیم جاری کر دی گئی تھی۔ انڈونیشیا اور تنزانیہ کی حکومتوں نے مدرسہ تعلیم میں خاطر خواہ تبدیلیاں لا کر تعلیمی نظام میں جدیدیت پیدا کی ہے۔ لہٰذا اسلامی جمہوریہ پاکستان کو بھی اس سلسلہ میں اہم اقدامات کرنا ہیں اس دور میں تعلیمی ادارے قومیا لیے گئے تاکہ سب کو یکساں تعلیم مل سکے۔

اسلامی دفعات اور قانون سازی

Islamic Provisions and Lesgilation

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو پاکستان میں آئین بناتے وقت آئین سازوں کو اس ضمن میں خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ پاکستان میں مختلف مکتبہ فکر کے لوگ آباد ہیں ہر کوئی اسلام کو اپنی

عینک سے دیکھتا ہے یہاں پر موجود نسلیں ابھی تک اپنے پرانے رسم و رواج اور مخصوص حصاری مذہبی سوچ سے باہر نہ آ سکی ہے۔ ہمیشہ ایسے سوالات جنم لیتے رہے ہیں کہ غیر اسلامی جمہوری طرز کی حکومت میں اقتدار اعلیٰ واقعی اللہ تعالیٰ کے لیے ہے یا پارلیمنٹ کے لیے؟ پاکستان بننے سے قبل جماعت اسلامی کے بانی ابوالاعلیٰ مودودیؒ صاحب فرماتے تھے بلکہ بہت سختی کے ساتھ تردید کرتے تھے کہ اسلام جدید جمہوریت کو قبول نہیں کرتا کیونکہ اس میں جمہور قانون سازی کرتے ہیں۔ جبکہ اسلام میں اللہ تعالیٰ قانون دینے والا ہے قرآن میں ہے کہ زمین اور آسمانوں کی بادشاہی (مقتدریت) اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ لہٰذا مودودی صاحب اور روایتی علماء اس بات پر زور دیتے تھے کہ آئین میں اقتدار اعلیٰ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہونا چاہیے اس لیے ہمیں شرعی قوانین کی (Sovereignty) مقتدریت قبول کرنی چاہیے مگر جدید خیال کے لوگوں کی سوچ تھی کہ مسائل اب نئے نئے آ گئے ہیں لہٰذا سیاسی مقتدویت عوام کے پاس ہونی چاہیے۔ مذہبی لوگ فرقوں میں تقسیم تھے اور مزید تقسیم ہو رہے تھے بڑے بڑے علماء کو القران الحکیم کی تعلیم پر عبور نہ ہے۔ مدارس فقہ اور درس نظامی کی تعلیم دے رہے ہیں ہر کسی کے پاس فقہ ہے اور وہ روایات و فقہ کو ہی اصل دین اور شرح القرآن سمجھے بیٹھے ہیں حالانکہ قرآن الحکیم باہم شوریٰ کا حکم دیتا ہے۔ اجتہاد پر بھی ان کا تکیہ نہ ہے بلکہ وہ اپنی خواہشات کو مطمع نظر بنا کر تعصب کا مظاہرہ کر رہے ہیں ایک طرف القران الحکیم کو مکمل ضابطہ حیات قرار دیتے ہیں۔ تو دوسری طرف قرآن کو شرح اور تفسیر کے حوالے سے فقہی کتب کا محتاج سمجھتے ہیں۔ حالانکہ القرآن الحکیم کو مکمل ضابطہ حیات قرار دیتے ہیں تو دوسری طرف قرآن کو شرح اور تفسیر کے حوالے سے فقہی کتب کا محتاج سمجھتے ہیں۔ حالانکہ القرآن کی تفسیر کو قرآن کے اندر موجود ہے اور فروعی مسائل کو بھی اصل دین سمجھ کر عوام پر اپنی مرضی چلانا چاہتے ہیں۔ ملک میں مسٹر اور مولوی کا تضاد زہر قاتل ثابت ہو رہا تھا۔ کیونکہ اگر ہمیں (مراد علماء و عام لوگ) قرآن الحکیم پر عبور ہوتا اور ہم اس کے عامل ہوتے تو سوشلزم یا جمہوریت کے بت ضرور پاش پاش کر دیتے مگر جب کوئی قوم وحی کی تعلیم چھوڑ کر غیروں کی نقالی کرتی ہے تو وہ بندر بن جاتی ہے المختصر جمہوریت پسندوں کا یہ بھی خیال تھا کہ پھر تو ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا اور یہ مضحکہ خیز نتیجہ ہوگا کہ نا اعوذ باللہ جلاوطنی کے بعد خدا نے اپنی حکومت بے دین ممالک میں قائم کر لی ہے جدیدیت کے قائل لوگ مذہبی لوگوں کو قرار داد مقاصد کے ابتدائی متن تک محدود رکھنا چاہتے تھے۔ جدیدیت پسند لوگ اپنی خواہش کے غلام ہو چکے تھے اور وہ مذہبی لوگوں سے مڈبھیڑ کرنا نہیں چاہتے تھے۔

PakStudy.com

قرار داد مقاصد میں بھی الفاظ ''جمہوریت، آزادی، مساوات، عدل'' پر بحث کی گئی کہ جمہوریت کو اسلامی جمہوریت کیوں نہیں کہا گیا ہے؟ آرٹیکل نمبر 2 کے تحت اسلام کو ملک کے مذہب قرار دیا گیا تھا۔ اس کے بارے میں سوالات اٹھائے گئے۔ کیا ملک کو اسلامی قرار دینے سے اسلام نافذ ہو جاتا ہے؟ مسٹر منیر (ریٹائرڈ چیف جسٹس) نے تو اس آئین کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ نہیں کہ پاکستان کے تمام قوانین عین اسلامی ہوں گے بلکہ صرف اور صرف ملک کا صدر اور وزیر اعظم مسلمان ہوگا اس کے علاوہ اور کچھ اس آرٹیکل میں نہ ہے۔

تمہید آئین میں ہی اس امر کا اعادہ کیا گیا ہے کہ پاکستان کے مسلمانوں کو اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی زندگیاں انفرادی یا اجتماعی طور پر اسلامی تعلیمات کے عین مطابق بنا سکیں۔ اسلام سے مراد قرآن اور سنت ہے۔ ایوب خاں کے 1962ء کے اصل آئین میں لفظ ''سنت'' کو حذف کر دیا گیا تھا بعد ازاں عوام کے دباؤ کے تحت 1964ء میں پہلی ترمیم کر کے اس لفظ کو داخل کیا گیا تھا۔ ''سنت'' سے مراد اہل سنت جماعت کی چھ احادیث کی کتابیں ہیں جنہیں مختلف اماموں نے تیسری صدی میں جمع کیا اور شیعہ حضرات کی چار روایاتی کتب ہیں جو ان کے اماموں نے چوتھی ہجری میں جمع کی تھیں۔ احادیث میں خاصا تضاد پایا جاتا ہے۔ علماء حق نے ہر دور میں اس بات پر زور دیا ہے کہ القران الحکیم ہی اصل اور خالص وحی ہے، احادیث بہت زیادہ تعداد میں جھوٹی گھڑی گئی ہیں یہ ایسے اقوال ہیں جو منسوب الی الرسول ﷺ ہیں اسی لیے ان کے آخر میں "اَوْ کَمَا قَالَ" یعنی (جیسے فرمایا ہو رسول ﷺ نے) آتا ہے احادیث خود ہی آپس میں متضاد نہ ہیں بلکہ بعض قرآنی تعلیم کے بھی خلاف ہیں کیونکہ رسول اکرم ﷺ قرآنی تعلیم کے خلاف کوئی بات نہ فرماتے تھے خود قرآن الحکیم کی اس ضمن میں شہادت موجود ہے۔ شعبہ سکول آف تھاٹ (مکتبہ فکر) اپنا ہے تو اہل سنت کی روایات کو غلط اور اپنی کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ لہذا ہم اس بحث سے باہر نکلتے ہوئے اپنے اصل موضوع پر آتے ہیں۔ 1964 کی آئینی ترمیم کے تحت 1962ء کے آئین میں قرار دیا گیا تھا کہ کوئی بھی قانون جو قرآن وسنت کے متصادم ہو، نہیں بنایا جائے گا پرسنل لاء کے سلسلہ میں قرآن وسنت کی تصدیق ہونا لازمی قرار دی گئی تھی۔

آرٹیکل (1) 29 (1) 30:

آئین 1973 باب نمبر 2 آرٹیکل (1) 29 اور (1) 30 میں اس بات کا دوبارہ سے اعادہ کیا

گیا ہے ''کہ مملکت کے ہر شعبے اور ہیت مجاز کی اور مملکت کے کسی شعبے یا ہیت مجاز کی طرف سے کارہائے منصبی انجام دینے والے ہر شخص کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان اصولوں کے مطابق جہاں تک کہ وہ اس شعبے یا ہیت مجاز کے کارہائے منصبی سے تعلق رکھتے ہوں، عمل کرے (1) 30 کے الفاظ ہیں ''ہر فیصلہ کرنے کی ذمہ داری کر آیا مملکت کے کسی شعبے یا ہیت مجاز کا، یا مملکت کے کسی شعبے یا ہیت مجاز کی طرف سے کام کرنے والے کسی شخص کا کوئی فعل حکمت عملی کے اصولوں کے مطابق ہے، مملکت کے متعلقہ شعبے یا ہیت مجاز کی یا متعلقہ شخص کی ہے۔'' یعنی اسلامی فقہی پرسنل لاز کی تجویز مذہبی اداروں کو دے کر اسے اتھارٹی کا درجہ دے دیا گا اور کسی کو بھی اس میں دخل اندازی سے روک دیا گیا۔

آرٹیکل نمبر (3) 29 میں کہا گیا کہ

''ہر سال کی نسبت یا صدر وفاق کے امور کے متعلق اور ہر صوبے کا گورنر اپنے صوبے کے امور کے متعلق حکمت عملی کے صوبوں پر عمل کرنے اور ان کی تعمیل کرنے کے بارے میں ایک رپورٹ تیار کرائے گا اور یہ رپورٹ قومی اسمبلی یا صوبائی اسمبلی کے سامنے، جیسی بھی صورت ہو، پیش کرائے گا اور مذکورہ رپورٹ پر بحث کے لیے قومی اسمبلی، صوبائی اسمبلی کے، جیسی بھی صورت حال ہو، قواعد ضابطہ کار میں گنجائش رکھی جائے گی۔''

آرٹیکل نمبر 31 اسلامی طریق زندگی:

1- پاکستان کے مسلمانوں کو، انفرادی یا اجتماعی طور پر، اپنی زندگی اسلام کے بنیادی اصولوں اور اساسی تصورات کے مطابق ڈھالنے کے قابل بنانے کے لیے اور انہیں ایسی سہولیات مہیا کرنے کے لیے اقدامات کیے جائیں گے جن کی مدد سے وہ قرآن پاک اور سنت کے مطابق زندگی کا مفہوم سمجھ سکیں۔

2- پاکستان کے مسلمانوں کے بارے میں مملکت درج ذیل سعی کرے گی۔

(الف) قرآن الحکیم اور اسلامیات کی تعلیم کو لازمی قرار دینا، عربی زبان سیکھنے کی حوصلہ افزائی کرنا اور اس کے لیے ہم سہولیات پہنچانا اور قرآن پاک کی صحیح اور من وعن طباعت اور اشاعت کا اہتمام کرنا۔

(ب) اتحاد اور اسلامی اخلاقی معیاروں کی پابندی کو فروغ دینا۔

Pakistanmcq.com

(ج) زکوٰۃ (عشر) اوقاف اور مساجد کی باقاعدہ تنظیم کا اہتمام کرنا اس کے علاوہ باب نمبر 9 آرٹیکل نمبر 227 تا 232 اسلامی ایڈوائزری کونسل سے متعلقہ ہیں۔ 1956ء کے آئین میں ایک لاء کمیشن مقرر کیا گیا تھا کہ وہ اسلامی اصولوں اور قانون سازی کے متعلق رپورٹ پیش کرے گا کہ آیا موجودہ قوانین اسلام کے عین مطابق ہیں۔

یہ بات بتلانا نہایت ضروری ہے کہ کیمونزم بھی ایک نظریہ کا نام ہے کیمونزم ہیگل کے فلسفہ مادی جدلیت کی بنیاد پر قائم کیا گیا کہ کائنات ازخود چل رہی ہے، خدا نام کی کوئی ہستی کائنات میں موجود نہ ہے۔

کائنات ازخود وجود میں آ گئی۔ لہٰذا جو بھی شئے اپنی منازل طے کر کے ازخود بقا پیدا کر لیتی ہے وہ دوام حاصل کر لیتی ہے۔ سارا فساد سرمایہ داروں کی منڈیوں کا ہے جنہوں نے عالمی جنگوں کا بازار گرم کیا۔ لہٰذا سرمایہ کی بجائے محنت کا معاوضہ ہونا چاہیے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس طرح کا معاشی نظام ازخود چل کر تمام دنیا کو جنت بنا دے گا کیمونسٹوں کو دھریہ بھی کہا جاتا ہے۔ ان کے ہاں اخلاقی اقدار نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اسے ہم نیچرل ازم کی جدید تصویر بھی کہہ سکتے ہیں۔ مگر جب تک اذہان وقلوب میں قرآنی پاکیزگی نہ آئے آپ کیسے کسی پر ایثار، احسان کر سکتے ہیں جن کے پاس آخرت کا تصور نہ ہو وہ دنیا کو کیسے جنت بنا سکتے ہیں۔ جن کی گھٹی میں شراب اور شباب سمایا ہو وہ حیا اور تکریم انسانیت کو کیسے فروغ دے سکتے ہیں۔ لہٰذا جب بھی تنظیم کے راہنماؤں کے سرمایہ میں کمی، لالچ یا بدحالی آئے تو یہ نظام ازخود ختم ہو جاتا ہے پاکستان جو کہ ایک اسلامی نظریاتی ریاست تھی اور اس کا وجود ہی دوقومی نظریہ کا مرہون منت تھا۔ تو یہاں پر اسلام کے ساتھ سوشلزم کے سابقے لاحقے لگانا اسلامی آفاقیت کی توہین کے مترادف تھا۔

کیونکہ آئین میں پاکستان کو "Islamic State" ڈیکلر کیا گیا تھا اسلام کے تو اپنے بنیادی اور روشن اصول ہیں کیونکہ پاکستان کے عوام اسلام کے ساتھ جذباتی لگاؤ رکھتے ہیں۔ مگر سمجھنا اس بات کا ہے کہ اسلام کی اصل اور مکمل شکل خلافت راشدین کے بعد ختم یا تبدیل کر دی گئی تھی یا آہستہ آہستہ اسلام کی عملی شکل جو ہم تک پہنچی وہ اسلام کی رسمی شکل ہے۔ آئین میں بھی لفظ اسلام استعمال کیا گیا مگر اس پر قانون سازی بہت کم ہوئی دوسری طرف علماء کے بے شمار فرقوں اور ان کی عملی اور فکری قرآن سے دوری نے بھی اصل اسلام کو عوام کے سامنے نہ آنے دیا قرآن الحکیم کے مفاہیم میں علماء آپس میں

الجھے ہوئے ہیں لہٰذا الجھے ہوئے دوسروں کو صراط مستقیم کیسے دکھائیں گے؟ قرآن الحکیم پر غور اور اس کی تعلیم سے ہمیشہ چشم پوشی کی گئی۔ لہٰذا سیاسی اور ذہین طبقے نے فلاح واصلاح کے لیے ازخود راستے تلاش کرنے شروع کر دیئے کبھی وہ ویلفیئر، مساوات، اور سوشلزم کے الفاظ استعمال کرنے شروع کر دیئے پاکستانی عوام ملاں کی حکومت سے ہمیشہ سے خائف رہی اسی لیے ان کو زیادہ ووٹ نہیں دیئے جاتے۔ لوگ انہیں مساجد تک محدود رکھنا چاہتے ہیں۔

آرٹیکل نمبر 228

اسلامی کونسل کی ہیئت وترکیبی وغیرہ:

1- یوم آغاز سے نوے دن کی مدت کے اندر اسلامی نظریات کی ایک کونسل تشکیل دی جائے گی جس کا حصہ میں بطور اسلامی کونسل کا حوالہ دیا گیا ہے۔

2- اسلامی کونسل کم از کم آٹھ اور زیادہ سے زیادہ (بیس) ایسے ارکان پر مشتمل ہوگی جن کو صدر ان اشخاص میں سے مقرر کرے گا جنہیں اسلام کے اصولوں اور فلسفے کا جس طرح کے قرآن پاک وسنت میں ان کا تعین کیا گیا ہے علم ہو یا پاکستان کے اقتصادی، سیاسی، قانونی اور انتظامی مسائل کا فہم وادراک پر دسترس حاصل ہو۔

3- اسلامی کونسل کے ارکان مقرر کرتے وقت ان امور کا تعین کرے گا کہ۔

(الف) جہاں تک قابل عمل ہو کونسل میں مختلف مکاتب فکر کو نمائندگی حاصل ہو۔

(ب) کم از کم دو ارکان ایسے افراد ہوں جس میں سے ہر ایک عدالت عظمیٰ یا کسی عدالت عالیہ کا جج ہو یا رہا ہو۔

(ج) کم از کم چار ارکان ایسے ہو سا جن میں سے ہر ایک کم سے کم پندرہ سال کی مدت سے اسلامی تحقیق یا تدریس کے نام سے وابستہ ہو۔

(د) کم از کم ایک رکن خاتون ہو۔

4- صدر اسلامی کونسل کے ارکان میں سے ایک کو اس کا چیئرمین مقرر کرے گا۔

اس کی شق 3 (الف) میں لفظ سکول آف تھاٹ (مکتبہ فکر) آیا ہے اس سے ظاہر ہے کہ اس

Pakistanstudy.pk

بات کو مان لیا گیا ہے کہ پاکستان میں مکتبہ فکر کے نام سے جو فرقہ بندی ہو چکی ہے۔ اسے قانونی حیثیت حاصل ہوگئی ہے کیا اس میں قدیم فرقے سنّی۔ شیعہ موجود ہیں یا احمدی بھی آسکتے ہیں۔ دوسری طرف سر سید احمد خانؒ اور علامہ اقبالؒ جیسے لوگ بھی اپنا مکتبہ فکر رکھتے تھے انہیں جدید اسلام کا مکتبہ فکر کا نام دیا جاتا ہے۔ فرقہ بندی الگ سوچ اور عمل کا موجب ہے لہذا سوچنے کا مقام ہے کہ پھر کیسے نظریاتی کونسل کسی منزل پر پہنچے گی؟

کونسل کی حیثیت ایڈوائزری قسم کی ہے کہ کونسل اپنی رپورٹ سات سال تک مکمل کرلے گی۔ 1973ء تو کونسل کو خاصی اچھی اتھارٹی دیتا ہے اس سلسلہ میں ہمیں آرٹیکلز سے ہی استفادہ حاصل کرنا ہوگا۔

آرٹیکل 299 اسلامی کونسل سے مجلس شوریٰ وغیرہ کی مشورہ طلبی:

''صدر یا کسی صوبے کا گورنر اگر چاہے یا اگر کسی ایوان یا کسی صوبائی اسمبلی کی کل رکنیت 2/5 حصہ اگر مطالبہ کرے تو کسی سوال پر اسلامی کونسل سے مشورہ کیا جائے گا کہ آیا کوئی مجوزہ قانون اسلامی احکام کے منافی تو نہیں۔''

آرٹیکل نمبر 230 اسلامی کونسل کے کارہائے نمایاں

1- اسلامی کونسل کے کارہائے نمایاں حسب ذیل ہونگے۔

(الف) مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) اور صوبائی اسمبلیوں سے ایسے ذرائع اور وسائل کی سفارش کرنا جن سے پاکستان کے مسلمانوں کو اپنی زندگیاں انفرادی اور اجتماعی طور پر ہر لحاظ سے اسلام کے ان اصولوں اور تصورات کے مطابق ڈھالنے کی ترغیب اور مشورہ ملے جن کا قرآن پاک اور سنت میں تعین کیا گیا ہے۔

(ب) کسی ایوان، کسی صوبائی اسمبلی، صدر یا کسی گورنر کو کسی ایسے سوال کے بارے میں مشورہ دینا جس میں کونسل سے اس کی بابت رجوع کیا گیا ہو کہ آیا مجوزہ قانون اسلامی احکام کے منافی ہے کہ نہیں۔

(ج) ایسی تدابیر کو اپنانا جن سے نافذ العمل قوانین کو اسلام احکام کے مطابق بنایا جائے گا نیز ان مراحل کی جن سے گزر کر محولہ تدابیر کا نفاذ عمل میں لانا چاہیے سفارش کرنا اور۔

(د) مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) اور صوبائی اسمبلیوں کی راہنمائی کے لیے اسلام کے ایسے احکام کی ایک موزوں شکل میں تدوین کرنا جنہیں قانونی طور پر نافذ کیا جاسکے۔

2- جب آرٹیکل 229 کے تحت، کوئی سوال کسی ایوان، کسی صوبائی اسمبلی یا کسی گورنر کی طرف سے اسلامی کونسل کو بھیجا جائے، تو اسکے بعد 15 دن کے اندر اس ایوان، اسمبلی، صدر یا گورنر کو جیسی بھی صورتحال ہو اس مدت سے مطلع کرے گی جس کے اندر وہ مذکورہ مشورہ فراہم کرنے کی توقع رکھتی ہو۔

3- جب کوئی ایوان، کوئی صوبائی اسمبلی، صدر یا گورنر جیسی بھی صورتحال ہو یہ خیال کرے کہ مفاد عامہ کی خاطر اس مجوزہ قانون کا وضع کرنا جس کے بارے میں سوال اٹھایا گیا تھا مشورہ ہونے تک ملتوی نہ کیا جائے تو اس صورت میں مذکورہ قانون مشورہ مہیا ہونے سے قبل وضع کیا جاسکے گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ جب کوئی قانون اسلامی کونسل کے پاس مشورے کے لیے بھیجا جائے اور کونسل یہ مشورہ دے کہ قانون اسلامی احکام کے منافی ہے تو ایوان، یا جیسی بھی صورتحال صوبائی اسمبلی، صدر یا گورنر اس طرح وضع کردہ قانون پر دوبارہ غور کرے گا۔

4- اسلامی کونسل اپنے تقرر کے سات سال کے اندر اپنی حتمی رپورٹ پیش کرے گی۔ اور اپنی سالانہ عبوری رپورٹ پیش کیا کرے گی۔ یہ رپورٹ خواہ حتمی ہو یا عبوری، موصول سے چھ ماہ کے اندر دونوں ایوانوں اور ہر صوبائی اسمبلی کے سامنے برائے بحث پیش کی جائے گی اور مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) اور اسمبلی، رپورٹ پر غور وخوض کرنے کے بعد حتمی رپورٹ کے بعد دو۔ سال کی مدت کے اندر اس کی نسبت قوانین وضع کرے گی۔

آرٹیکل نمبر 231:

قواعد ضابطہ کار کے متعلق کہا گی اہے کہ اسلامی کونسل کی کارروائی ایسے قواعد وضابطہ کار کے ذریعہ منضبط کی جائے گی جو کونسل صدر کی منظوری سے وضع کرے۔

PakVarsityUK

آرٹیکل 40 عالم اسلام سے رشتہ استوار کرنا اور بین الاقوامی امن کو فروغ دینا

"مملکت اس بات کی کوشش کرے گی کہ اسلامی اتحاد کی بنیاد پر مسلم ممالک کے مابین برادرانہ تعلقات کو برقرار رکھا جائے اور اسے مستحکم بنایا جائے۔ ایشیا، امریکہ اور لاطینی امریکہ کے عوام کے مشترک مفادات کی حمایت کی جائے۔ بین الاقوامی امن وسلامتی کو فروغ دیا جائے۔ تمام اقوام کے مابین خیر سگالی اور دوستانہ مراسم پیدا کیے جائیں۔ اور بین الاقوامی تنازعات کو پرامن طریقے سے طے کرنے کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ 1969ء میں جب ایک جنونی یہودی نے بیت المقدس کو آگ لگائی تھی تو پاکستان نے اس بارے میں خاصا احتجاج کیا تھا اور سعودی عرب کے شاہ فیصل کے تعاون سے ایک اسلامی مملکت کی تنظیم قائم کی۔

اسلام نے حقوق کا درس چودہ سو سال پہلے ہی دیا تھا لہٰذا آئین میں تقریر وغیرہ کی آزادی (آرٹیکل 19) انجمن سازی کی آزادی، اجتماع کی آزادی، نقل وحرکت کی آزادی، حقوق جائیداد کا تحفظ تجارت پیشے یا کاروبار کی آزادی وغیرہ کو آئین میں شامل کیا گیا۔

علاوہ ازیں اسلامی دفعات درج ذیل ہیں۔

1- آرٹیکل نمبر 2 کو پاکستان کو اسلامی جمہوریہ قرار دیا گیا۔
2- قرارداد مقاصد کو آئین میں شامل کر اللہ کی حاکمیت کا برملا اظہار کیا گیا۔
3- اسلام کو سرکاری مذہب قرار دیا گیا۔
4- صدر مملکت اور وزیراعظم کا مسلمان ہونا لازمی قرار دیا گیا۔
5- پہلی مرتبہ مسلمان کی تعریف کی گئی۔ مسلم کے لیے توحید، رسالت فرشتے، اللہ کی کتب کے علاوہ محمد ﷺ کو آخری نبی ماننے کی شرط رکھی گئی۔
6- آئین میں ترمیم کے ذریعے قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا۔
7- اسلامی تعلیمات کو فروغ دینے کے سلسلہ میں اس امر کا اعادہ کیا گیا کہ تمام بچوں کو قرآن و سنت کی لازمی تعلیم سے نوازہ جائے گا۔
8- اوقاف کے نظام کو بہتر بنانے کا عزم کیا گیا۔

9- معاشرتی برائیوں عصمت فراشی جوا فحش لٹریچر وغیرہ پر پابندی لگانے اور غیر مسلموں پر طبی مقاصد کے سوا شراب نوشی پر پابندی عائد کرنے کا اعادہ کیا گیا۔
10- اسلامی نظریے کے تحفظ کو یقینی بنانے کا عہد کیا گیا۔

پیپلز پارٹی ایک بڑی اور سیکولر نظریات کی حامی جماعت بن کر اُبھری۔ آئین میں مختلف اسلامی دفعات شامل کی گئی ان پر عمل کم کیا گیا۔ جب دیکھا جاتا کہ مذہبی طبقے پریشر ڈال رہے ہیں تو توضیحات کو فی الفور نافذ کر دیا جاتا مثلاً جب نظام مصطفیٰ کی 1977ء کی تحریک چلی تو یکدم شراب نوشی پر پابندی عصمت فروشی کو ممنوع قرار دیا گیا اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کے علاوہ جمعہ کی چھٹی منظور کر لی گئی۔

سوالات

سوال1: NAP اور PPP میں اقتدار حاصل کرنے کے لیے کس قسم کی رسہ کشی ہوئی نیز پیپلز پارٹی نے زیر اقتدار آ کر NAP کے ساتھ کسی قسم کا رویہ برقرار رکھا اس کا نتیجہ کیا نکلا، مکمل وضاحت کریں۔

سوال2: عراقی ایمبسی (سفارتخانہ) کا مسئلہ کس طرح NAP پر اثر انداز ہوگا۔

سوال3: بھٹو حکومت نے سرحد اور بلوچستان کی حکومتوں کو کس طرح اپنے زیر نگین کرنے کی کوشش کی۔ کیا وہ اس میں کامیاب رہے بیان کریں۔

سوال4: 1973ء کا آئین کس قسم کا تھا اس کی خصوصیات بیان کریں۔

سوال5: بھٹو نے آئین میں معاشی اصلاحات کرنے کے لیے کون سی آئینی دفعات کو آئین میں واضح کیا جو اسلامی سوشلزم کی نشاندہی کرتے تھے بیان کریں۔

سوال6: بھٹو نے اسلامی سوشلزم کی اصطلاح کو کیونکر استعمال کیا انہوں نے اس ضمن میں کون کون سی آئینی شقیں متعارف کرائیں جس سے ملک میں سوشلزم نافذ ہونے کا عندیہ ملتا ہے۔

سوال7: آئین 1973ء کی سماجی اور معاشی دفعات کو واضح کریں۔

سوال8: 1973ء کے آئین میں اسلامی دفعات کونسی تھیں ان دفعات کو بیان کریں۔

سوال9: آپ کے نزدیک اصل اسلام اور جمہوریت میں کس قسم کا فرق ہے؟

☆☆☆

Pakistanistudy.com

باب نمبر4

پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت کا خاتمہ

END OF THE P.P.P RULE

تعارف: Introduction

پاکستان پیپلز پارٹی نے بھٹو کی قیادت میں فیلڈ مارشل ایوب خاں کی حکومت کے بعد 1971ء میں اقتدار سنبھالا۔ 1971ء میں مشرقی پاکستان علیحدہ ہوگیا۔ مشرقی پاکستان میں علیحدگی کے بعد دوبارہ انتخابات منعقد کیے گئے مگر مغربی پاکستان (موجودہ پاکستان) میں بنگلہ دیش کی علیحدگی کے بعد دوبارہ انتخابات منعقد نہ کرائے گئے بھٹو حکومت 5/1/2 (ساڑھے پانچ سال) سال قائم رہی بھٹو حکومت ختم ہونے کی ملکی اور غیر ملکی وجوہات تھیں۔ اس کے علاوہ پیپلز پارٹی کے اندر سے بھی بعض عناصر نے اس کے خاتمہ کی راہ ہموار کی جس کو ہم اس باب میں خصوصاً اور مختصراً بیان کرنے کی کوشش کریں گے ضیاء الحق جس کو خود بھٹو نے اردن کے شاہ حسین کی سفارش پر سات ملٹری افسران کی سنیارٹی کو نظر انداز کر کے چیف آف آرمی سٹاف بنا بیٹھے وہی اس کی حکومت کا خاتمہ کرنے والا شخص ثابت ہوا۔ جس طرح نواز شریف نے پرویز مشرف کو صرف اس لیے آرمی چیف بنایا کہ نہ تو اس نے ازخود اور نہ کسی اور نے اس کی اس عہدے پر سفارش کی تھی آخر اسی نے نواز شریف کو پابند سلاسل کرنے کے بعد سعودی عرب جلا وطن کر دیا۔ ڈاکٹر عبدالقدیر (مایہ ناز ایٹمی سائنسدان) کے حال ہی کے بیان میں کہا کہ پاکستان میں غداروں کی کمی نہ ہے ہماری تاریخ پر مصداق نظر آتی ہے۔ پاکستانی لوگوں کا جمہوری مزاج ہی کچھ ایسا

ہے کہ یہ کسی جمہوری لیڈر کو 5 سال تک مشکل سے ہی برداشت کرتے ہیں دوسری طرف حکمران طبقہ پہلے ہی اس حقیقت کو بھانپ لیتا ہے کہ اس کے لیے صرف پانچ سال ہی ہیں اور (B) 58(2) کی تلوار کبھی بھی ان کا خاتمہ کر سکتی ہے تو وہ ان احتمالات کے پیش نظر قومی دولت کی لوٹ کھسوٹ اور بدعنوانی کا سلسلہ مسلسل جاری رکھنے میں اپنے مشن کی تکمیل تصور کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ عوام اور سیاسی جماعتیں ملٹری کو خطوط لکھ کر بیان دے کر اسے اپنا مخصوص کردار ادا کرنے کی دعوت دیتی ہیں۔ یہی حکمران جن کو عوام سب سے پہلے نجات دہندہ تصور کرتی ہے بعد میں اسے آمر۔ مطلق العنان کا خطاب دیتی ہے یہی ہمارا سیاسی کلچر ہے۔ اور اسی کے گرد ہماری سیاسی تاریخ گھومتی ہوئی نظر آتی ہے۔ ایوب خان نے ایک طویل حکومت کی بعد میں جمہوری حکومت قائم ہوئی اس کے بعد تیسرا مارشل لاء پاکستان کا مقدر بن گیا۔ لہٰذا اب میں اس سلسلہ میں ہونے والے اسباب وواقعات کو جامع انداز میں پیش کرنے کی سعی کروں گا۔

فوج کی واپسی: The return of the Militory

5 جولائی 1977ء کے آپریشن فیئر پلے نے بھٹو حکومت کو چلتا کیا اور جنرل محمد ضیاء الحق آئین کو کاغذ کا چیتھڑا کہنے والے، پاکستان کے سیاہ وسفید کے مطلق العنان حکمران کی شکل میں پاکستان میں نمودار ہوگئے۔ اس کی وجہ بڑھتی ہوئی مہنگائی، سول نافرمانی، الیکشن میں دھاندلی، ملک میں سیاسی افراتفری قرار دی گئی۔ سیاسی جماعتوں نے ازخود پیپلز پارٹی کی حکومت گرانے کے لیے ایڑھی چوٹی کا زور لگا دیا تھا۔ سیاسی جماعتوں کی قومی اتحاد کے نام سے بنائی گئی یہ تحریک ایک عوامی تحریک کی شکل میں منظر عام پر آئی اسے طاقت کے زور سے دبانے کی کوشش کی گئی مگر یہ مزید تیز ہوتی گئی۔ بھٹو کو اپنے اوپر خود اعتمادی کچھ زیادہ ہی تھی آخر کار کور کمانڈرز کے ساتھ رابطے بھی ان کی حکومت کے خاتمے کو نہ روک سکے۔ اس کے پیچھے بہت سے محرک تھے وہ یوں ہیں۔

1977ء کے عام انتخابات: General Election of 1975

ملٹری ملک کے سیاسی حالات پر خاص طور پر 1976ء سے ہی نظر رکھے ہوئے تھی جنوری 1977ء کو حکومت نے فیصلہ کیا کہ 7 تا 10 مارچ تک عام انتخابات کرائے جائیں پیپلز پارٹی الیکشن سے کئی مہینے پہلے ہی اپنی مہم کا آغاز کر چکی تھی۔ سیاسی تجزیہ نگار حزب اختلاف جماعتوں کا تجزیہ کرتے ہوئے قرار دے رہے تھے کہ اپوزیشن کئی حصوں میں تقسیم ہو چکی ہے ان کے زبانی بیانات ان کو متحد نہیں

PakistaniyUni.PK

کرسکیں گے۔لہٰذا پیپلز پارٹی الیکشن میں Sweep کر جائے گی۔لہٰذا غیر متوقع صورتحال کے پیش نظر 11 جنوری 1977ء کو بعض سیاسی جماعتوں نے پاکستان نیشنل الائینس (PNA) المشہور پاکستان قومی اتحاد کا اعلان کر دیا۔اس میں 09 سیاسی جماعتیں شامل تھی وہ یہ تھیں۔

(i) تحریک استقلال (TI) (ii) جماعت اسلامی (JI) (iii) جمعیت العلماء اسلام (JUI) (iv) جمعیت العلما پاکستان (JUP) (v) پاکستان مسلم لیگ پگارہ گروپ (MPL- Page) (vi) نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی (NDP) (vii) پاکستان ڈیموکریٹک پارٹی (PDP) (viii) خاکسار تحریک (KT) (ix) آزاد کشمیر مسلم کانفرنس (AKML) پاکستان قومی اتحاد میں بائیں بازو کی جماعتیں اور بنیاد پرست پارٹیاں شامل تھیں۔

JUI , JUP , JI اور KT اسلامی بنیاد پرست قسم کی جماعتیں تھیں, AKMC, PDP, PML بائیں بازو کی جماعتیں تھیں۔TI (تحریک استقلال) ریٹائرڈ ائیر مارشل اصغر خان کی پارٹی اپنے آپ کو بائیں بازو سے درمیانی پارٹی کہتی تھی NDP بائیں بازو کی پارٹی تھی اور یہ NAP کی رسمی وارث پارٹی تھی۔

KT, PDP اور AKML جماعتوں کی حیثیت نوزائیدہ سیاسی تھی PDP کے لیڈر نوابزدہ نصراللہ خاں بزرگ سیاستدان تھے انہیں چیمپین آف ڈیموکریسی اور فرنٹ سپوکس مین کی حیثیت حاصل تھی۔

جب قومی اسمبلی کے عام انتخابات کا اعلان ہوا تو پیپلز پارٹی کو واحد بری کامیاب پارٹی قرار دیا گیا تو پیپلز پارٹی کے راہنماؤں نے از خود اپنی تعریف کرتے ہوئے اس مینڈیٹ کو ان کی سابقہ کارکردگی، سماجی و معاشی پالیسیوں، اسلام کے متعلق ان کی خدمات، اور خارجہ پالیسی کو قرار دیا۔دوسری طرف پاکستان قومی اتحاد نے کھل کر پیپلز پارٹی کی کردار کشی کی مہم شروع کر دی۔انہوں نے اپنی تحریک کو نظام مصطفیٰ ﷺ تحریک کا نام دے کر لوگوں کے مذہبی جذبات سے فائدہ اٹھانا شروع کر دیا۔انہوں نے خود بھٹو کے خاندان کی کردار کشی شروع کر دی بھٹو کے والد کے والد کا نام کاشی رام کی سند پیش کی اور نصرت بھٹو کو صدر نکسن کے ساتھ ڈانس کرتے ہوئے دکھایا گیا۔جب قومی اسمبلی کے نتائج سامنے آئے تو قومی اتحاد نے اسے واضح دھاندلی قرار دیا اور صوبائی الیکشن میں حصہ نہ لینے کا اعلان کر دیا۔نیشنل اسمبلی الیکشن 1977ء کے نتائج کے حوالے سے ٹیبل آپ کی مدد کرے گا۔

نیشنل اسمبلی لایکشن 1977

نام پارٹی	اراکین تعداد (جو الیکشن میں کھڑے ہو)	نشستیں (حاصل کردہ)	اوسط
PPP	191	155	58.1
PNA	168	36	35.4
PML	37	01	
(قیوم) آزاد	324	08	
دوسری چھوٹی پارٹیاں	21	0	

پاکستان قومی اتحاد نے انتخابات میں دھاندلی اور تشدد کو خوب ہوا دی تھی اس کے بارے میں ثبوت پیش کیے اور عوام میں اس کا پروپیگنڈا کیا۔صوبائی انتخابات جو 10 مارچ کو منعقد ہونے تھے اس کا بائیکاٹ کر دیا گیا۔

PNA فیصلہ کیا کہ وہ اپنی تحریک عوام کے پاس لے کر جائیں گے لہٰذا انہوں نے احتجاج کے سلسلہ میں اپنے مطالبات پیش کیے جو یہ تھے۔

(i) قومی اسمبلی کے انتخابات کے نتائج ناقبول ہیں لہٰذا جلد از جلد فریش انتخابات کرائے جائیں (ii) چیف الیکشن کمشنر کو فالفور اُس کے عہدے ہٹا دیا جائے (iii) وزیر اعظم بھٹو جلد مستعفی ہو جائیں۔بعد میں حکومت کی پختہ گرنٹی ملنے پر کہ الیکشن دوبارہ منتخب کرائے جائیں گے تو بھٹو کے استعفیٰ کا معاملہ ختم کر دیا گیا۔

عوامی تحریک

Mass Movement

الیکشن میں دھاندلی کے ثبوت اور واقعات نے عوام کے دل میں حکومت کے خلاف نفرت پیدا ہوتے ہوئے آگ کا گولہ بن گئی۔پہلے یہ تحریک چھوٹے پیمانے پر تھی پھر آہستہ آہستہ اس میں ایسی پارٹیاں یا افراد شامل ہوتے گئے جنہیں پیپلز پارٹی نہ پسند کرتی تھی "نظام مصطفیٰ نافذ کرو" کے نعرے گلی گلی

PakistaniUrdu.com

پھیل گئے۔ حالانکہ نظام مصطفیٰ کا مطلب ہر انتہا پسند سیاسی اور مذہبی جماعت کے ہاں الگ تھا لفظ ایک تھا مگر اس کی تشریح ہر کوئی مکتبہ فکر اپنی جماعت کے مزاج کے مطابق کر رہا تھا، اگر نظام مصطفیٰ کا مقصد واطلاق ہر پارٹی کے لیے ایک ہوتا تو سیاسی فرقہ بندی کی کیا ضرورت تھی؟ حالانکہ 1973ء کے آئین کو بعض علماء نے عین اسلامی نظام قرار دیا تھا۔ تو پھر وہ کون سے محرکات تھے جو پاکستان کی سلامتی کے ساتھ گھناؤنا کھیل کھیل رہے تھے۔ اس نظام مصطفیٰ کو ہر کوئی اپنے مفاد کے عین مطابق استعمال کر رہا تھا۔ حالانکہ نہ اس پر کوئی فریم ورک کیا گیا کوئی جماعت فتاوی عالمگیری کو تو کوئی معاشی آزادی کے نفاذ کا مطالبہ کر رہی تھی۔ مزدور کسان، وکیل، بزنس مین ہر کوئی نئے نظام سے اپنے مفادات کو حاصل کرنے کا ذریعہ تصور کر رہا تھا۔

بھٹو امریکہ کے لیے واضح خطرہ بن چکے تھے ان کے بعض فیصلے اور اقدامات سے امریکہ کے تھنک ٹینک انہیں امریکہ کے لیے واضح خطرہ قرار دے چکے تھے۔ لہذا اس تحریک کے پیچھے بیرونی ہاتھ بھی کارفرما تھا۔ بھٹو کے سوشلزم افکار اور آئینی آرٹیکلز بھی ان کی حکومت کے خاتمہ کے موجب بنے۔

1977ء کی قومی تحریک 69-1968 کی چلنے والی تحریک سے زیادہ جاندار تھی یہ تحریک بڑے بڑے شہروں سے ہوتے ہوئے قصبات اور گلیوں میں جا پہنچی تھی۔ مارکیٹ ٹاؤنز سیاسی سرگرمیوں میں تبدیل ہو گئے۔ تاجر حضرات نے حکومت کی نیشنلائزڈ پالیسیوں سے اختلاف کرتے ہوئے شٹر ڈاؤن ہڑتالوں کا سلسلہ جاری کر دیا۔ کمرشل سرگرمیاں ختم ہوتی گئیں۔

مذہبی راہنماؤں نے مساجد اور سکولز کو تحریک کا مرکز بنا لیا۔ مذہبی اداروں سے حکومت کے خلاف احتجاجی جلوس نکالے جاتے ان کی قیادت مذہبی راہنما کرتے تھے طلباء، بچے خواتین بھی نظام مصطفیٰ ﷺ کی تحریک میں مارچ کر کے اپنی شمولیت کرتے۔ مئی کے آخر تک دو مہینے کی اس عوامی تحریک میں 250 سے 296 افراد گرفتار کر لیے گئے اور ہزاروں کو زخمی اور پابند سلاسل کیا گیا۔ بھٹو نے اپنے روایتی تقریری انداز میں احتجاج کرنے والوں کو سمجھانے کی کوشش کی اور قوم کو ایسا نہ کرنے کی اپیل کی PNA کے لیڈروں کو گرفتار کیا اور انہیں انٹی نیشنل قرار دیا جلوس منتشر کرنے کیے لیے FSF (فیڈرل سیکورٹی فورس) اور پولیس کو استعمال کیا جاتا تھا۔ PNA کے لیڈرز اپنے خطابات میں سرعام ان باتوں کا اعادہ کرتے۔

1- بھٹو بے دین شرابی اور شباب کا رسیا غلام ہے۔

2- پولنگ اسٹیشنوں پر تعینات فیملی پلاننگ ڈیپارٹمنٹ اور رائس ملنگ کارپوریشن کا عملہ جو

پریذائڈنگ آفیسر تھا اس نے لوگوں اور بالخصوص خواتین کو پولنگ ایجنٹوں کے ذریعے پستول دکھلا کر PPP کے حق میں ووٹ ڈلوائے۔

3- پولنگ کے اختتام کے بعد ہزاروں جعلی ووٹ بیلٹ بکسوں میں ڈال دیئے گئے۔

4- بعض وزیروں نے خود سٹین گنوں کے زور سے بھرے ہوئے بکس پولنگ اسٹیشنوں پر رکھوائے۔ اور اس عمل پر خود بھٹو کو بھی مذمت کرنا پڑی۔

5- گنتی سے قبل ہی نتائج کا ہیر پھیر کر دیا گیا تھا۔

عوامی تحریک کا آغاز 14 مارچ 1977ء سے باقاعدہ ہو گیا تھا پہلا بڑا جلسہ جامع مسجد نیلا گنبد لاہور سے 18 مارچ کو ہوا جس کی قیادت مولانا مفتی محمود، اصغر خاں، ملک محمد قاسم، میاں طفیل محمد اور نوابزادہ نصر اللہ نے کی اس جلسہ میں بہت زیادہ لوگوں نے شرکت کی عوام نے دفعہ 144 کو توڑ ڈالا اور پولیس محض تماشائی بنی رہی 19 مارچ کو مسجد شہداء سے احتجاجی جلوس نکالا گیا پولیس نے مسجد میں گھس کر لاٹھی چارج کیا اور آنسو گیس کے شیلز مسجد میں پھینکے لوگ مسجد کے دروازے بند کر کے بیٹھ گئے جب کافی دیر بعد باہر نکلے تو پولیس نے ان کی خوب پٹائی کی۔ یہ پر امن جلسہ تھا جو پولیس کے عتاب کا شکار بنا۔ تشدد کے واقعات نے پوری قوم کو جھنجوڑ کر رکھ دیا لہذا لوگوں میں احتجاج کی لہر حیرت ناک حد تک پہنچ گئی۔ حکومت کے خلاف روزانہ جلوس نکلنا شروع ہو گئے۔ جمعہ کے روز تین سے سات تک جلوس ایک شہر سے نکلتے۔ کراچی، حیدر آباد، لاہور، سیالکوٹ، فیصل آباد (پرانا لائل پور) گوجرانوالہ، ملتان، ڈسکہ کا مونگی سے تحریک نے جانی قربانیاں پیش کیں۔ حیدر آباد، کراچی اور لاہور میں مارشل لاء لگا دیا گیا۔ سیالکوٹ اور فیصل آباد فوج کے حوالے کر دیئے گئے بہاولنگر اور کوٹ ادو تک فوج نے کرفیو لگا کر کنٹرول سنبھال لیا تشدد کے ساتھ اس تحریک کو دبانے کی تمام کوششیں دم توڑتی نظر آئیں۔ 30 مارچ 1977ء کو لاہور کی لوہاری مسجد میں علماء کے جلوس پر جس طرح تشدد کیا گیا اس کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی پولیس جوتوں سمیت مسجد میں داخل ہو گئی لوگوں پر اندھا دھند لاٹھی چارج کیا گیا علماء کی داڑھیاں نوچی گئیں اور معصوم طلباء کو مسجد کی چھت سے نیچے پھینکا گیا۔ مسجد کی صفیں اور علماء کے جسم خون سے رنگین ہو گئے لہذا اس کے باوجود عوام کا جذبہ سرد نہ ہوا۔ مگر حکومت نے نہایت ڈھٹائی سے صوبائی اسمبلیوں کے اجلاس بلانے اور وزارتیں دینے کا اعلان کیا۔ 19 اپریل کو لاہور میں احتجاجی مظاہرہ ہوا وکلا اور خواتین نے آنسو گیس اور لاٹھی چارج کے باوجود اسمبلی میں داخل ہو کر دکھا دیا پولیس نے اس دن اسمبلی اور ہائی کورٹ میں بھی گولی چلا دی۔ اس دور میں کرفیو کے وقفے میں جلوس نکالنے کا سلسلہ جاری رہا۔ قومی اتحاد کے قائدین کو گرفتار

کر کے سہالہ ریسٹ ہاؤس منتقل کر دیا گیا۔ ان کے ساتھ مذاکرات کے نام پر وقت ضائع کیا گیا۔

بھٹو صاحب نے مذاکرات کی بجائے یک طرفہ ریفرنڈم کی تجویز پیش کر دی اور اپنی ذات کے بارے میں ریفرنڈم کے لیے دستور میں ساتویں ترمیم کرنے کا اعلان کر دیا۔ لاہور ہائی کورٹ نے مارشل لاء کو غیر آئینی قرار دے دیا۔

بھٹو نے اپنی حکومت بچانے کے لیے ایک اور پتہ پھینکا اس نے علماء کو خوش کرنے کے لیے شراب، جوئے اور نائٹ کلبوں پر پابندی لگا دی۔ اتوار کی بجائے جمعۃ المبارک کے دن چھٹی کرنے کا اعلان کیا اور PNA کے علماء کو کونسل آف اسلامک آئیڈیالوجی میں شمولیت کی دعوت دی۔ اس کونسل کے ذریعے اسلامک لیگل کوڈ کی شریعت نافذ کی جا سکتی تھی۔ اسکے باوجود احتجاج میں کمی نہ آئی۔ سعودی عرب، متحدہ عرب امارات اور کویت کے مشیروں نے حکومت اور قومی اتحاد میں مفاہمت کرانے کی کوششیں شروع کر دیں۔ لیبیا نے بھی حکومت اور اتحاد کے درمیان مفاہمت کرانے کی کوششیں کیں۔

گورنمنٹ اور اپوزیشن میں چلنے والی مکالمہ بازی جو اپریل کے آخری ہفتے سے شروع ہوئی وہ ست روی کا شکار رہی۔ کیونکہ باہمی بات چیت میں بعض پارٹیوں سے مشورہ طلب نہ کیا گیا تھا۔ مگر قومی اتحاد اصل میں بھٹو سے ہمیشہ چھٹکارہ پانے چاہتا تھا۔ بعد میں ریفرنڈم ہوا مگر قومی اتحاد بھٹو کو شک کی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ بھٹو اسلامی ممالک کی حمایت حاصل کرنے کے لیے ہنگامی طور پر بتلائے بغیر دورے پر چلے گئے۔ ان کا اس طرح باہر جانا اور معاہدے کو لیٹ کرنا خاصوں کو مغالطے میں ڈال گیا لہذا حکومت اور قومی اتحاد میں خلا بڑھتا گیا اور خاطر خواہ کوئی نتیجہ حاصل نہ ہو سکا۔

ملٹری کا دوبارہ اقتدار میں واپس آنا

Resurgence of the Military

بھٹو کو ستر کی دھائی کے ابتدائی سالوں میں سول حکومت کی Suparmacy کی وجہ سے فوج میں خاصی پذیرائی حاصل رہی کیونکہ 1971ء میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد فوج نے سول حکومت سے دور رہنے کو ترجیح دی تا کہ بنگلہ دیشی علیحدگی کے زخم مندمل ہو سکیں۔ مگر اب موجودہ حالات کو دیکھ کر فوج دوبارہ اقتدار حاصل کرنے کی انگڑائیاں لے رہی تھیں کیونکہ ذہن ہی ایسے ہو گئے تھے کہ اس میں تساہل عارفانہ اختیار کرنا جرم قرار پا رہا تھا۔ بھٹو کے دور کو کبھی 1977ء جیسے حالات سے گزرنا نہیں پڑا تھا لہٰذا فوج بھی اس کے حکومتی ارتقاء کی مداح تھی۔ عوامی تحریک نے آرمی اور بھٹو کے تعلقات کو خراب

کرنا شروع کر دیا تھا بھٹو اپنے آپ کو قائد عوام "Man of the Reople" قرار دیتے تھے۔ وہ کابینہ میں اپنے وزراء سے اپنی مقبولیت کے بل بوتے کی بنا کام لیا کرتے تھے کیونکہ وہ ان کی پالیسیوں کا پرچار کرتے تھے۔ جب PNA کی تحریک شروع ہوئی تو بھٹو نے اپنی تقریروں کا جادو جگا کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا شروع کیا مگر آہستہ آہستہ لوگ ان کے باتونی سحر سے باہر نکلتے گئے دوسری طرف FSF (فیڈرل سیکورٹی فورس) کو پیپلز پارٹی کی محافظ قرار دے کر پارٹی کے امیج کو بھی خراب کیا۔ جب بھٹو نے دیکھا کہ معاملات کو حکومت نہیں سنبھال سکتی تو انہوں نے فوج سے امداد مانگ لی اکثر فوجیوں نے نظام مصطفیٰ کی تحریک چلانے والوں پر گولی چلانا ناپسند کر دیا چار بریگیڈیئرز اسی بات پر احتجاجاً مستعفی ہو گئے لاہور ہی میں ایک کیپٹن نے اپنے سینئرز کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ 16 مئی 1977ء کو کور کمانڈرز کی ایک میٹنگ میں اعلیٰ جرنیلوں سمیت اس بات پر اتفاق کیا کہ ان حالات میں فوج خاموش نہیں رہ سکتی۔ ضیاء الحق نے بھٹو سے استفسار کیا کہ بعض جرنیل آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا آپ کو چاہیے کہ ان کے ساتھ مذاکرات کر لیں تا کہ فوج کو سیاست میں اپنا کردار نہ ادا کرنا پڑے بھٹو صاحب یہ سن کر سخت نالاں ہونگے اور انہوں نے سیاسی بات چیت میں جنرل ضیاء سے مشورہ لینا بند کر دیا اگر اس بابت ضرورت ہوتی تو ڈائرکٹ کمانڈرز کو بلا کر بات کر لیتے 1977ء میں ہی بھٹو نے وزیر اعظم ہاؤس میں سپریم کمانڈر زاور اعلیٰ فوجی حکام کا ایک اجلاس طلب کیا اور فوجی قیادت کو اعتماد میں لینے کی کوشش کی کہ انہیں تیسرے مارشل لاء لگانے کے مضمرات سے آگاہی کرائی انہوں نے فوج کی اعلیٰ قیادت کو یقین دلایا کہ وہ جلد PNA کے مرکزی راہنماؤں سے مل کر ملک میں افراتفری پر قابو پا لیں گے ضیاء الحق نے بھٹو کو یقین دلایا کہ آرمی کوئی تیسری پارٹی نہ ہے۔ لاہور کے کور کمانڈر جنرل اقبال نے بھٹو کے گوش گزار کیا کہ وقتی طور پر ایجی ٹیشن رُک گئی ہے۔ اگر یہ دوبارہ شروع ہوئی تو ملک میں سنگین حالات جنم لے سکتے ہیں۔ لہٰذا ایم بلاسٹ اور فائرنگ ہو سکتی ہے انہوں نے کہا کہ ہماری رپورٹس کے مطابق ڈیموکریٹک یوتھ فورس اصغر خاں سے ہدایات لے کر اپنا پروگرام طے کر رہی ہے اور ریٹائرڈ فوجی حضرات بھی احتجاج میں شریک ہیں کراچی کے کور کمانڈر جنرل ارباب خاں نے کہا کہ ہر کوئی مذاکرات کی کامیابی پر تکیہ لگائے ہوئے بیٹھا ہے۔ جنرل غلام حسن نے برملا کہا کہ طویل فوجی ایکشن آرمی کے وقار کے خلاف ہے۔

29 جون کو قومی اتحاد کے قائدین نے معاہدے کا جو مسودہ پیش کیا تھا 2 جولائی 1977ء کو اس کے اکثر نکات پر اتفاق رائے ہو گیا تھا لہٰذا مذاکرات 8 بجے سے صبح چھ بجے تک جاری رہے۔ صرف تحفظات اور نگران کونسل کے اختیارات پر اختلافات موجود رہے۔ مگر قومی اتحاد کی جنرل کونسل میں ایئر

PakistaniMaterial.com

مارشل اصغر خاں اور شیر باز مزاری نے سخت رویہ اپنائے رکھا۔ موٹر گاڑی میں اکٹھے سفر کرتے ہوئے بیگم نسیم ولی خاں نے مزاری صاحب کی موجودگی میں مفتی محمود صاحب کو مشورہ دیا کہ آپ بھٹو کے ساتھ معاہدہ نہ کریں اور مارشل لاء لگنے دیں۔ مارشل لاء ہی اس کی ضمانت فراہم کر سکتا ہے کہ 90 دنوں تک منصفانہ انتخابات ہو سکیں قومی اتحاد نے 3 جولائی 11 بجے دن دوبارہ اپنا اجلاس طلب کیا اور اختلافی امور کے بارے میں ایک ترمیم شدہ نیا مسودہ تیار کیا اس سلسلہ میں جناب محمد علی قصوری، جناب خالد اسحاق، عامر رضا خاں اور احمد یوسف قانونی مشورے کے لیے تیار بیٹھے تھے بعد میں ایک مسودہ بھٹو کو پیش کر دیا گیا۔ بھٹو نے چار جولائی کو علی الصبح ڈیڑھ بجے پرائم منسٹر ہاؤس کے آڈیٹوریم میں ہنگامی پریس کانفرنس کا انعقاد کیا انہوں نے سخت رویہ اپنائے رکھا اور قومی اتحاد پر خاصی تنقید کی لہٰذا عوام کو تاثر ملا کہ قومی اتحاد کے ساتھ مذاکرات ناکام ہو گئے ہیں۔

جتوئی صاحب کے مطابق مسٹر عبدالحفیظ پیرزادہ نے بھٹو کو سخت رویہ اپنانے کا کہا تھا 4 جولائی کو قومی اتحاد کے اکابرین عبدالقیوم خاں کے ہاں ایک دعوت پر مدعو تھے اور یہ حضرات وہاں باہمی مشاورت کر کے اپنا مسودہ تیار کر رہے تھے تاکہ اسے کل بھٹو کے سامنے پیش کیا جائے۔ بھٹو کے طرف سے کوثر نیازی معاہدہ کے حق میں تھے اور پیرزادہ عبدالحفیظ اس کے خلاف تھے۔

اصل میں اس دور میں ملٹری نے خاص طور پر اچھا رویہ اپنائے رکھا کیونکہ وہ 1971ء کا داغ صاف کرنا چاہتی تھی۔ ملٹری نے ہر ممکن بھٹو حکومت کو مشورہ دیا کہ لوگوں کو طاقت کے ذریعے کچلنے سے ان کی مقبولیت کم ہوگی بین الاقوامی طور پر ہمارا تاثر غلط لیا جائے گا۔ اس دور میں عورتوں اور سول سوسائٹی کے معزز لوگوں نے عوام پر گولی نہ چلانے کے لیے فوج سے التجا کی۔ ادھر PNA فوج کے خلاف نعرے دیواروں پر لکھوا رہی تھی۔ فوج نہایت سخت کرب میں تھی لہٰذا اس نے سینے پر پتھر رکھ کر ایک مرتبہ پھر ملک بچانے کے لیے سیاس میدان میں چھلانگ لگا دی۔ تاکہ اس بحران کا حل نکل سکے۔

لہٰذا 5 جولائی 1977ء کو فوج نے سول حکومت کو چلتا کیا اور ملکی بھاگ دوڑ سنبھال کی فوج نے اپنے اس عمل کو ''فیر پلے آپریشن'' کا نام دیا اس کا مقصد واضح کرتے ہوئے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو کہنا پڑا۔

''اس کام کا بیڑہ میں نے اسلام کے سچے سپاہی کی حیثیت سے اٹھایا ہے۔ میرا واحد مقصد آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کروانا ہے جو اس سال اکتوبر میں ہوں گے۔''

پھر نہ تو وے دن کے اندر انتخابات ہو سکے اور نہ ہی قومی اتحاد قائم رہا لہٰذا ہر کوئی اپنے مفاد

کے پیچھے بھاگتا ہوا نظر آیا اس پر تبصرہ آگے چل کر آئے گا۔

1977 کے الیکشن میں کیا کھویا کیا پایا؟

بھٹو کی حکومت نہایت کامیاب حکومت تھی اسی حکومت کے لیے پاکستان میں پہلے عام انتخابات ہوئے۔ عوام انہیں ملک کا مسیحا تصور کرتے تھے۔ انہوں نے قومی اسمبلی میں 80% سے زائد نشستیں حاصل کیں پھر ان کی چھ سالہ حکومت یکدم 1977ء کے الیکشن کے عمل میں کیونکر ناکام ہوگئی؟ علاوہ ازیں قومی اسمبلی کے انتخابات کا شیڈول ایک سال بعد کا تھا تو پھر ایک سال پہلے الیکشن کیوں کرا دیئے گئے۔ ان کے پیچھے کیا مضمرات پوشیدہ تھے ان کا جائزہ حقائق وواقعات کی روشنی میں لینا لازمی ہے۔

1973ء کے آئین کی دفعات کے مطابق پہلی قومی اسمبلی کے پانچ سال 14 اگست 1977ء کو پورے ہونے تھے۔ 1971ء سے ملک میں ہنگامی حالت بھی نافذ تھی۔ بھٹو کے حامی بھی الیکشن وقت پر کرانے کے حامی تھے ایک انٹرویو میں بھٹو نے ایرانی ٹی وی میں کہا تھا کہ پاکستان میں صدارتی نظام بہتر کارکردگی دکھا سکتا ہے۔

بھٹو اصل میں عوام کی رگ سے واقف ہو چکے تھے اس کے علاوہ وہ منجھے ہوئے سیاستدان تھے بیک وقت اپنوں اور بیگانوں کو گلے لگانے کا فن ان میں موجود تھا۔ بین الاقوامی طور پر بھی ان کا شمار ایک ورسٹائل سیاستدانوں میں ہوتا تھا۔

حکمران پارٹی (یعنی پیپلز پارٹی) نے اقتدار میں آتے ہوئے بعض اہم کامیابیاں حاصل کی تھیں ان کو Stand Points کہتے ہیں مثلاً 1972ء سے 75-1974ء تک افراط زر 25% تھا جو 76-1975ء میں کم ہو کر صرف 5% رہ گیا مگر پھر یہ آہستہ آہستہ بڑھنا شروع ہوگیا GNP 75-1974ء میں 3% سے بڑھ کر 5% ہوگیا۔ زرعی شعبہ جس پر ہمارے ملک کے 75% آبادی کے روزگار کا انحصار ہے اور یہی زرمبادلہ کا اہم ذریعہ ہے۔ اس میں GNP 76-1975ء میں 2.6% بڑھ گیا کپاس کی پیداوار بوجہ سیلاب موسم گرما کی وجہ سے کمی کا شکار رہی۔ بین الاقوامی سطح پر چینی کی قیمتیں بڑھنے سے اس کی ملک میں کمی ہوگئی۔ لہٰذا زراعت کے شعبے میں کئی سالوں کے بعد اس کا گروتھ ریٹ بڑھنے سے حکومت کو خاصی پذیرائی ملی 1976ء موسم بہار میں ملک میں 8.6 ملین ٹن گندم پیدا ہوئی اور چاول کی درآمدات 700,000 ٹن تک جا پہنچی۔ اس سال ٹیوب ویلز لگانے کے عمل میں خاصی سرمایہ کاری کی گئی۔ کھاد پیسٹی سائڈ پر سب سڈی سے کسان کی حالت بہتر ہوئی ذوالفقار علی بھٹو حکومت کی یہ

خاصی کامیابی تھی جس نے بنگلہ دیش کی جدائی کا غم کچھ کم کر دیا۔ مسئلہ کشمیر جس کو Bloody Shirt کا نام دیا گیا اس کے باوجود حکومت نے 1976 میں بھارت کے ساتھ ڈپلومیٹک تعلقات استوار رکھے۔ افغانستان کے پاکستان کے ساتھ تعلقات 1973ء ہی سے کشیدہ تھے بھٹو حکومت نے اس میں بہتری لانے کے لیے صدر داؤد سے بات چیت کی جو کہ بے سود ثابت ہوئی 1974ء میں عالمی اسلامی کانفرنس لاہور میں منعقد کر کے مسلم اُمہ کے لیے نیک شگون کا پیغام دیا گیا۔ ڈاکٹر عبدالقدیر کو پاکستان میں لانے کے لیے بھٹو صاحب کا اہم کردار تھا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ بھٹو نے تھرڈ ورلڈ، ایشیا اور اسلامی دنیا کے لیے نہایت اہم امور سرانجام دیئے جسے امریکہ بالکل ناپسند کرتا تھا۔ بین الاقوامی طور پر ان کی شخصیت منجھے ہوئے لیڈر کے طور پر جانی جاتی تھی۔ 1976ء میں انہوں نے ترقی پذیر ممالک کی معاشی بہتری کے لیے معاشی کانفرنس منعقد کرائی جب 1976ء میں کینیڈا نے پاکستان کی ایٹمی امداد ختم کر دی۔ تب بھی بھٹو حکومت نے اچھی ڈپلومیسی کا مظاہرہ کیا۔

بھٹو نے ملکی اندرونی سیاست پر مکمل کنٹرول حاصل کر لیا تھا۔ 1974ء اور 1975ء میں سرحد اور بلوچستان کے ساتھ چھیڑ چھاڑ ختم ہو گئی تھی۔ تمام صوبوں میں پذیرائی حاصل کرنے والی سیاسی جماعت NAP اپنی حیثیت کھو چکی تھی کیونکہ فروری 1977ء میں ولی خاں گرفتار ہو چکے تھے۔ دوسری اسمبلی میں پہنچنے والی آٹھ سیاسی جماعتیں محض تین ارکان کی وجہ سے اپنی ساکھ کھو چکی تھیں۔ دوسری طرف سیاسی بحث اور عام پبلک میٹنگوں پر دفعہ 144 لگا دی گئی تھی لہذا لوگ کسی بھی سیاسی معاملے میں رابطے کرنے پر مجبور تھے۔ خفیہ والے اپنی رپورٹس میں حکومت کی رٹ کی مضبوطی کے دعوے کر رہے تھے۔ مگر پھر بھی قومی اسمبلی میں خاص طور پر جماعت اسلامی کے پروفیسر عبدالغفور، JUT کے مفتی محمود اور تحریک استقلال کے محمود علی قصوری نے دھویں دار تقاریر کر کے اس خاموشی کو توڑ دیا اخباروں میں حکومت کے خلاف بیان چھپایا ہونے لگے۔ حکومت نے پریس اور پبلی کیشن آرڈیننس کے ذریعے اخباروں کی سرخیوں کو سنسر کرنا شروع کر دیا۔ ایسے اخبارات جو حکومت کے خلاف لکھتے تھے انہیں بند کرنے کے احکام صادر کیے۔ الیکٹرانک اور کاغذی میڈیا پر حکومت کا مکمل کنٹرول تھا۔

1970-71ء میں پیپلز پارٹی نے روٹی، کپڑا، مکان کا نعرہ لگا کر عوام کو اپنا متوالا بنا لیا تھا۔ مگر جب اس پلان پر مکمل عمل درآمد نہ ہوا تو یہ پارٹی عوام میں اپنی مقبولیت کھونا شروع ہو گئی اس کے علاوہ 1972ء کے زرعی اصلاحات کے پروگرام اور بنکوں، تعلیمی اداروں کو نیشنلائزڈ کرنا بھی اس کی مقبولیت

کے آڑے آیا۔

بھٹو حکومت کی اکثر اصلاحات وڈیروں اور سرمایہ داروں کے اثر و رسوخ کی وجہ سے کھٹائی میں چلی گئیں جس کی وجہ سے عوام میں پارٹی کے لیے منفی تاثر پیدا ہوتا گیا۔ بعد میں یہی اشرافیہ سیاست میں شامل ہو رہی تھی۔

ملک میں مہنگائی میں دن بدن اضافہ ہو رہا تھا۔ عام کھانے پینے کی اشیاء بازاروں سے غائب رہنے لگیں ذخیرہ اندوزی ہونے لگی۔ افسروں کی ٹیمیں بھی اس پر خاطر خواہ کنٹرول حاصل نہ کر سکیں۔ مڈل کلاس اور کسانوں کا طبقہ پسماندگی کا شکار ہونے لگا۔

1976ء کو بھٹو حکومت نے ترقی پسندانہ خیال کا دوبارہ مظاہرہ کیا۔ جولائی 1976ء کو بھٹو نے نیشنلائزیشن پروگرام کے ذریعے تمام گندم اور چاول کے چھوٹے موٹے کارخانے سرکاری تحویل میں لے لیے بعد میں کپاس بننے والے کارخانے بھی اس میں شامل کر لیے گئے مالکان کو کچھ نہ کچھ دے کر فارغ کر دیا گیا اور اس امر کا اعادہ کیا گیا کہ ان کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کو تحفظ دیا جائے گا۔ اسمبلی میں ان اقدامات پر دوسری جماعتوں سے سخت احتجاج کیا اور کہا کہ اس طرح ملک میں انارکی پھیلے گی بعض کسانوں نے حکومت کے اس عمل کی حمایت بھی کی۔ شہری لوگوں نے بھی حکومت کے اس عمل کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھا مگر حقیقت یہ تھی کہ جن کے کارخانے سرکاری تحویل میں لیے گئے تھے ان میں مڈل کلاس کے افراد زیادہ تھے مہنگائی کے بڑھنے اور انکم میں اضافہ نہ ہونے کی وجہ سے درمیانہ طبقہ پستا جا رہا تھا۔ لہذا وہ کسی حد تک حکومت کے خلاف بھی ہو گیا۔

دسمبر کے وسط میں "ہفتہ کسان" کے موقع پر حکومت نے بے زمین کسانوں کو سرکاری زمین دینے کا اعلان کیا۔ انہیں باقاعدہ ان زمینوں کا مالک ڈیکلر کیا گیا۔ 5 جنوری کو حکومت نے زرعی اصلاحات کے سلسلہ میں اپنے دوسرے فیز کی کارروائی شروع کرنے کا اعلان کر دیا۔ نجی نہری زمین کی حد ملکیت فی کس 100 ایکڑ اور غیر آبپاشی زمین کی نجی حد ملکیت 200 ایکڑ کر دی گئی۔ روایاتی ٹیکس کلچر کا خاتمہ کرتے ہوئے قرار دیا گیا کہ جن افراد کے پاس 125 ایکڑ آبپاشی والی زمین ہو یا 150 ایکڑ غیر سیراب زمین ہو ان سے تمام زرعی مد کی پیداوار میں ٹیکس وصول کیا جائے گا۔ یہ ٹیکس لگانے پر جاگیردار طبقہ کے طوطے اڑ گئے۔ اس ٹیکس کے متعلق سرکاری حلقوں میں ایک بحث کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ بہرحال اس قدم سے یکدم نتائج نہیں سامنے آ سکتے تھے۔ بعض حلقوں نے نئی ٹیکس

Scanned with CamScanner

پالیسی کا خیر مقدم کیا۔ لہٰذا زراعت کے شعبہ میں اصلاحات سے فی ایکڑ پیداوار میں اضافہ ہوا۔ زمینوں کی ملکیت کے متعلق موقع پر اس کا مداوا کیا جاتا تھا۔

حکومت کی زرعی اصلاحات کی پالیسی کی ملک بھر میں مشہوری کی گئی۔ 1972ء میں بھی زرعی پالیسیوں کی تعریف کا ڈھنڈورہ پیٹا گیا تھا اور اعلان کیا گیا تھا کہ پوری قوم کی ایک فیصد زمین پر 1 لاکھ 30 ہزار پر سابقہ مزارعین کو مالک بنا دیا گیا ہے۔ جاگیردار اپنے مخصوص کلچر کے سبب زمین پر غاصبانہ قبضہ کیے ہوئے ہیں۔ 1971ء کی نیوٹینور پالیسی میں فیملی کی کل زمین اور انفرادی کل زمین کے متعلق بحث چھڑی تھی۔ NDP اور TI نے حکومت کے اس عمل کو Drastic Cut کا نام دیا۔ ان جماعتوں نے خدشہ پیش کیا تھا کہ اس طرح زمین نجی شعبہ میں بہت کم رہ جائے گی۔ بعض سیاسی جماعتوں نے اس پالیسی کو ظالمانہ قرار دے کر عندیہ ظاہر کیا تھا کہ اس طرح حکومت ہی تمام زمینوں کی مالک بن جائے گی۔

پیپلز پارٹی کی خوش فہمی تھی کہ ان کی مقبولیت بہت زیادہ ہے ان کی پالیسیوں کی وجہ سے ہر کوئی انہیں ووٹ دے گا۔ فوج بھی سیاست میں کودنے کی حماقت نہ کرے گی۔ کوئی واضح سیاسی پارٹی بھی اس کے مدمقابل نہ ہے۔ جماعت اسلامی کے علاوہ کوئی بھی جماعت حکومت کو الیکشن کی تیاری کرتے نظر نہ آ رہی تھی۔ پیپلز پارٹی کے اندر جاگیردار اور نو دولیتہ طبقہ شامل ہو رہا تھا اور وہ پارٹی کی پالیسیوں کی حمایت کر رہا تھا۔ مگر بعض دانشور اس امر کا اظہار کر رہے تھے کہ سرمایہ دار اور جاگیردار اس پارٹی میں شمولیت کر کے اسے ہائی جیک کر لیں گے۔ مگر بھٹو ایک ترتیب کے ساتھ اپنی حکومتی پالیسیوں پر گامزن تھے۔

یہ وہ تمام فیکٹرز تھے جس کی بنا پر حکومت نے ایک سال قبل ہی انتخابات کروانے کا پروگرام بنا لیا گیا تھا۔

الیکشن مہم: The Compaign

الیکشن کی تیاری شروع ہونے سے قبل صوبائی اور قومی اسمبلی کے لیے ٹکٹوں کی بندر بانٹ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ہر ٹکٹ لینے والا اپنے آپ کو پہلے ہی سے MNA/MPA اور بعض اپنے آپ کو وزراء یا مشیر تصور کر رہے تھے کیونکہ اسے "One Man Party Show" کہا جا رہا تھا۔ کئی وفادار درمیانے طبقے کے پارٹی کارکن ٹکٹوں کی اس تقسیم سے مایوس بلکہ ناراض ہو گئے۔ ایک ہی ٹکٹ کے بارے میں 10 سے زیادہ افراد نے رجوع کیا۔ لہٰذا پارٹی لسٹ میں نئے چہرے عام ہونے لگے۔ پارٹی کا ٹکٹ حاصل کرنے کے لیے سفارش، فنڈنگ اور اثر و رسوخ کو بے تحاشا استعمال کیا گیا۔ 17 جنوری

1977ء کو جب امیدواروں کی لسٹیں سامنے آئیں تو پتہ چلا کہ 144 نشستوں کے ٹکٹ زیادہ امیدوار ہونے کی وجہ سے سب کو نہ دیئے جا سکے۔ 40 نشستوں پر 100 افراد کو ٹکٹ دیئے گئے جسے بعد میں کانٹ چھانٹ کر کے درست کیا گیا۔ پیپلز پارٹی کے بعض بنیادی اور سرگرم کارکن ٹکٹوں سے محروم کر دیئے گئے۔ جب دوبارہ فائنل لسٹ سامنے آئی تو پتہ چلا کہ روایاتی سیاسی جماعتوں کے نئے سپوتوں کے چہرے پارٹی پر قبضہ کر چکے ہیں۔ ان افراد کو محض دولت اور سماجی اثر و رسوخ کی وجہ سے ٹکٹ دیئے گئے تھے۔ ان میں بعض حال ہی میں دوسری سیاسی جماعتوں سے ہجرت کر کے پیپلز پارٹی میں آئے تھے۔ ان میں 1/5 ایسے افراد کی تھی جنہوں نے 1970ء میں پیپلز پارٹی کے مخالف الیکشن لڑا تھا اور وہ ناکام رہے تھے۔ یہ جاگیردار "فیوڈل" طبقہ تھا جس کی سوچ ہی پیپلز پارٹی کے تصورات سے مختلف تھی۔ تجزیہ نگاروں نے مختلف اخبارات میں رائے دی تھی کہ پیپلز پارٹی سرمایہ داری اور سوشلزم کے ملے جلے رجحانات کا ملغوبہ ہے لہٰذا انتخابی لسٹ اس امر کا اعلان کرتی ہے کہ یہ پارٹی آہستہ آہستہ Left Ring (بائیں بازو یعنی سوشلسٹ تصور) سے دور ہوتی جا رہی ہے اور اس کی اصل حیثیت الیکشن کے بعد سامنے آئے گی۔

اُمیدواروں کی یہ لسٹ اس امر کی غمازی کر رہی تھی کہ پیپلز پارٹی نے اس سلسلہ میں منشور اور میرٹ کو پس پشت ڈال دیا ہے اور محض ہر کسی کو خوش کرنے کے لیے کوئی راستہ نکال رہی ہے۔

بعض حلقوں کو کہنا پڑا یہ لسٹ کسی اندرونی پریشر کا نتیجہ ہے لہٰذا پیپلز پارٹی کے اسی ری ایکشن کی وجہ سے پاکستان قومی اتحاد (PNA) وجود میں آ گیا۔ یہ نو جماعتوں کا اتحاد تھا جس کا نعرہ تھا ایک جھنڈا اور نو ستارے اور پیپلز پارٹی ہارے ہی ہارے۔

پیپلز پارٹی ہارے ہی ہارے اس کا انتخابی نشان ہل تھا۔ اس اتحاد (Coalition) نے قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلی کی نشستوں پر اپنا صرف ایک ممبر کھڑا کیا پیپلز پارٹی نے ایسی ساری صورت حال بھانپ کر اپوزیشن کو توڑنے کے مشورے کیے۔ انہوں نے برادری ازم کا پرچار کیا۔ کیونکہ قومی اتحاد جس مفرجسی، لبرل اور ریڈیکل سیاسی جماعتیں جمع ہو چکی تھیں۔ PNA پیپلز پارٹی کے سخت مخالف تھا۔ اس نے اپنی تقاریر میں بھٹو اور پیپلز پارٹی کی آزاد خیالی پر کھل کر تنقید کی۔ بعض سیاسی جماعتوں کے صدر بھی بھٹو کے سخت مخالف نظر آ رہے تھے۔

NDP نے سرحد کی 46 نشستوں پر اپنے صرف 17 امیدوار کھڑے کیے تھے۔ ان دنوں بلوچستان میں فوج تعینات تھی۔ اس پر تحریک استقلال اور جمعیت علماء پاکستان نے خاصی تنقید کی تھی۔ اس

PakistanVirtualLibrary.com

اتحاد میں مفتی محمود پروفیسر غفور احمد، مولانا شاہ احمد نورانی اور بیگم ولی خاں سرگرم رکن تھیں۔ جب کاغذات نامزدگی جمع کرائے گئے تو قومی اسمبلی کیلئے 1200 اُمیدواروں نے صوبائی اسمبلیوں کے لیے 4000 افراد نے کاغذ جمع کرائے۔ پیپلز پارٹی کے اُمیدواروں پر اعتراض کیا گیا۔ مگر وہ سب اہل قرار دیئے گئے۔ جماعت اسلامی کے جان محمد عباسی نے اپنی شکایت میں کہا کہ انہیں اغوا کیا گیا اور پولیس نے اسے قید رکھا کیونکہ وہ بھٹو کے خلاف امیدوار کھڑے تھے۔ قومی اتحاد نے ابتداء ہی میں پیپلز پارٹی کے رویئے پر الزامات کی بارش کردی تھی۔ الیکشن کمشنر نے بعض الزامات کو بغیر ثبوت کے تحت خارج قرار دے دیا۔

حکومت قومی اتحاد کے رویئے سے الیکشن شروع ہونے سے پہلے ہی سخت تشویش میں پڑ چکی تھی لہٰذا حکومت نے ہر بار اس بات کا اعادہ کیا کہ الیکشن فیئر ہوں گے اور الیکشن کمشنر اس سلسلہ میں آزاد ہیں الیکشن کے سلسلہ میں چیف جسٹس ساجد احمد جان کی خدمات بھی لی گئیں تا کہ الیکشن میں ڈسپلن رولز بنائے جائیں۔ کمیشن نے اجازت دی کہ ہر پارٹی پرامن طریقے سے جلسے جلوس کرسکتی ہے۔

PNA کی الیکشن مہم نے اپنی تقاریر میں مختلف قسم کے حقائق پیش کیے۔

1- بھٹو تو خود وڈیرے خاندان سے ہیں اور ان کا خاندان اڑھائی لاکھ ایکڑ کا مالک وہ بھلا سوشلزم اور فلاحی معاشرہ کیسے قائم کرسکتے ہیں پہلے سندھی وڈیروں کی کمیونٹی میں تو انقلاب لائیں۔

2- بھٹو لادین نظریات کا مالک ہے خود کہتا ہے کہ میں شراب پیتا ہوں مگر تھوڑی سی ایسا شخص اسلام کی بات کس منہ سے کرتا ہے۔

3- قومی اسمبلی میں بھٹو نے اعلان تاشقند کی حمایت کی بعد میں اس کا مخالف کیسے بن گیا۔ اس نے تاشقند معاہدہ افساں کیوں نہ کیا یہ اس کی دوغلی پالیسی ہے۔

4- آمریت کی انگلی پکڑ کر عوامی کہلانے والا جمہوریت پسند کیسے ہوسکتا ہے؟

5- اس نے انتقال اقتدار سنبھالتے ہی 24 گھنٹوں کے اندر مجیب کو جیل سے نکالا اور اسے ایک مکان میں نظر بند کردیا اور اس نورالامین کو جیسے وہ لنگڑا بنگالی کہہ کر پکارتا تھا اسے اپنے گلے لگا لیا لہٰذا یہ اس کی غرداری کیلئے کافی ہے۔

6- اگر وہ وڈیرہ جاگیردار نہیں ہے تو کیوں اس نے ڈیرہ غازی خاں کے کسانوں کا ساتھ نہ دیا جنہوں نے چوٹی کے لغاریوں سے اپنی زمینوں پر قبضہ کیا۔ اس کی زرعی اصلاحات ڈھونگ ہیں۔

7- اگر یہ مزدوروں کا حامی ہے تو اس نے کیوں کہا

Power Will be met with State Power Street

یعنی گلیوں کی طاقت کو ریاست طاقت سے روکا جائے گا۔

8- اگر یہ وفاق کا تنہا ہی حامی تھا تو کیوں 1972ء میں سرحد اور بلوچستان کی حکومتیں برخاست کر کے صدارتی نظام نافذ کیا۔

9- اگر یہ اتنا بڑا شوشلسٹ تھا تو اس نے پارٹی کے نظریہ دان جے ایم رحیم کو پارٹی سے کیوں نکالا۔ اسے سیکورٹی اداروں سے کیوں پٹوایا کہ وہ بیچارہ ملک ہی چھوڑ گیا۔

10- پیپلز پارٹی خود موروثیت کا شکار ہے یہ ون مین شو ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو اس وقت ایک بھی بانی ممبر سنٹرل کمیٹی اس پارٹی میں کیوں نہیں ہے۔

11- بھٹو کی آمریت کا حال یہ ہے کہ اس نے اپنی پارٹی کے بازوار کان احمد رضا قصوری، مختار رانا اور معراج محمد خان کو عقوبت خانوں میں رکھا۔

12- اس کے ظلم کا یہ حال ہے کہ اس نے چودھری ظہور الٰہی پر ایک سو سے زائد مقدمات بنائے اور مسلم لیگ کے صدر خواجہ خیر الدین کو ملک بدر کیا۔

13- خواجہ رفیق کا قتل بھی اسی پارٹی کا انعام ہے۔

14- اسی پارٹی نے 1974ء میں راولپنڈی میں UDF کے جلسے پر سرعام فائرنگ کر کے ساٹھ افراد کو موت کے گھاٹ اتارا۔

15- بیشتر MNA's کو ماڈل ٹاؤن، گلبرگ لاہور اور اسلام آباد میں اونے پونے کے رہائشی پلاٹ الاٹ کیے۔

16- یہ پارٹی پورٹ قاسم میں بارہ کروڑ روپے کے گھپلے کی ذمہ دار ہے۔

اصل میں بھٹو کا جبر وتشدد، سرکاری اداروں کا سیاسی استعمال اور جمہوری حقوق کی نفی زوال کا سبب بنی۔ وہ ملک میں صدارتی نظام رائج کرنے کے خواہاں تھے۔ تا کہ تمام اختیارات ان کی ذات تک مرکوز ہو جائیں اس سلسلے میں انہوں نے لندن سکول آف اکنامکس کے شعبہ سیاسیات کے ہیڈ مسٹر وولف کو پاکستان بلانے کے نظام کو صدارتی بنانے اور ملک میں صدارتی آئین نافذ کرنے کے لیے رپورٹ مرتب کرنے کو بھی کہا تھا۔

PakistaniyatPk.com

ذوالفقار علی بھٹو کی شخصیت کے کئی پہلو تھے اور پاکستان کے عوام کا اپنا مزاج تھا ملک میں مذہبی، لبرل، ریڈیکل، دانشور، ذات پات کے متوالے قسم کی سوچ رکھنے والے افراد موجود تھے جنہوں نے حکومتی اقدامات کو اپنے انداز سے دیکھا اور اپنی رائے بنائی 1977ء میں پیپلز پارٹی کو مکمل یقین تھا کہ اس کی فتح یقینی ہے۔ مگر اندرونی طور پر لوگوں کے ذہن ایک خاص سمت کی طرف احتجاج کے لیے راغب ہوتے رہے۔ اس کا اصل اندازہ کسی کو نہ ہوسکا۔ لہٰذا 1977ء میں جب الیکشن کرانے کا اعلان شروع ہوا تو تمام سیاسی پارٹیوں نے پیپلز پارٹی سے اپنا بدلہ چکانے کی ٹھان لی خاص طور پر مذہبی جماعتوں نے پیپلز پارٹی سے اپنا اور خاص طور پر بھٹو کی خاصی کردار کشی کے انتقام کی آگ ٹھنڈی کی اس طرح آہستہ آہستہ پیپلز پارٹی کا سحر ٹوٹتا گیا۔ کیونکہ نئے سیاسی چہروں نے بھی لوگوں کو سوچنے پر مجبور کر دیا گیا کہ اگر PPP انتخابات میں کامیاب ہوگئی تو ملک کا کیا بنے گا؟ جب انتخابات ہوئے تو 80 تشدد کے واقعات ریکارڈ ہوئے ان کو نمٹا دیا گیا۔ پیپلز پارٹی کو اپنی شکست نظر آگئی۔ نئے آنے والے امیدوار اس صورتحال سے خاصے پریشان ہوگئے وہ دیکھتے تھے کہ ان کے جلوسوں میں (Committed) لوگ کم آتے ہیں سرکار کو جلسہ گاہ بھرنے کے لے گاڑیوں میں سرکاری ملازمین لانے پڑتے ہیں اور قومی اتحاد کے جلسوں میں لوگ از خود سائیکلوں پر اور پیدل چلے آتے ہیں یہ صورتحال تشویش ناک تھی۔ بھٹو نے عوام کو شعور دیا لہٰذا لوگ سیاسی حالات کا تناظر بھی بغور کر رہے تھے۔ بھٹو عام طور پر سفید ہاتھی کا ذکر کرتے تھے کہ یہ ہاتھی انہیں موت کے گھاٹ اتار دے گا۔ لہٰذا اس ہاتھی نے بھی اپنا رنگ دکھایا ہوگا۔

جب قومی اسمبلی کے انتخابات کا اعلان ہوا تو قومی اتحاد نے اسے صریح دھاندلی قرار دیا۔ اس کے بعد تحریک کا آغاز کر دیا گیا۔ بھٹو نے اس پر قابو پانے کے لیے اور علماء کو خوش کرنے کے لیے کچھ شرعی احکام موقع پر نافذ کرنے کا حکم دے دیا۔ مثلاً نائٹ کلب بند کیے گئے۔ افیون ٹھیکے بند کیے گئے۔ شراب نوشی اور عصمت فروشی پر پابندی لگا دی مزید نیشنلائزیشن کے عمل کو ختم کرنے کا وعدہ کیا تاکہ قومی اتحاد والے نرم گوشہ کا اظہار کریں مگر انہوں نے بے روزگاری، ناجائز منافع خوری، مہنگائی جیسے مسائل اور بعض بیوروکریٹس کو ان کے عہدوں سے ہٹانے کا مطالبہ کر دیا یعنی اس طرح PNA نے حکومت کی مجبوری کو مدنظر رکھ کر ایک تیر سے دو شکار کرنے چاہے مگر فی الفور ان مسائل کا حل بھٹو کے پاس نہ تھا لہٰذا قومی اتحاد کی شدت میں چنداں کمی نہ آئی۔ پیپلز پارٹی نے ڈائریکٹ سوشلزم کا نعرہ بھی ختم کر دیا تھا۔

7 مارچ 1977ء کو الیکشن کے دوران 30 افراد ہلاک اور سینکڑوں زخمی ہوئے پیپلز پارٹی نے

FSF سے الیکشن کے دنوں میں خوب فائدہ اٹھایا۔ 1200 پٹواری جو ان دنوں بدعنوانی کے الزام میں معطل تھے انہیں اپنی نوکری پر بحال کر دیا گیا اخبارات پر سنسر لگا دیا گیا۔

الیکشن کے نتائج

الیکشن سے قبل مختلف لوگوں نے مختلف قسم کی پیشن گوئیاں کیں۔ میڈیا مسلسل پیپلز پارٹی کی کامیابی کے گیت گا رہا تھا۔ لوگوں کی رائے کو نظر انداز کرتے ہوئے حکومتی نمائندے اپنی کامیابی کی مبارکبادیں الیکشن سے قبل ہی ایک دوسرے کو دے رہے تھے۔ الیکشن سے قبل ہی پیپلز پارٹی نے اپنی حکمت عملی تیار کر لی تھی کیونکہ پارٹی اچھی طرح لوگوں کے مزاج سے واقف تھی اور پاکستان میں بننے والے مخصوص جمہوری کلچر کو فروغ دینے کے لیے روپے پیسوں کا استعمال بے دریغ طریقہ سے کر رہی تھی۔ بعض جیالے پارٹی کے متوالے اور بعض اپنے حالات کا جائزہ لے کر پارٹی سے متنفر ہو گئے تھے۔

کس کو کتنے ووٹ ملیں گے؟ لوگوں کو حکومتی پالیسیوں کے متعلق نقطہ نظر کیا ہوگیا ہے؟ یہ باتیں سوالیہ نشان بن گئیں تھیں۔ انتخابی مہم میں اشتہار بازی اور جلوسوں کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ لوگ ذوق در جوق قومی اتحاد کے جلسوں میں بڑا تعداد میں شرکت کے لیے از خود آرہے تھے معلوم ہوتا تھا کہ بھٹو کا سحر آہستہ آہستہ ٹوٹ رہا ہے۔ کیونکہ لوگ نظریہ نہیں بلکہ عمل کے قائل ہوتے ہوئے دکھائی دیتے رہے تھے۔ انتخابات میں برادری، ذات پات، مذہبی لگاؤ، ذہنی سوچ، خاندانی اثر کو بڑی اہمیت حاصل ہوتی ہے لہٰذا ان تمام پر ہر کوئی پارٹی اپنے اصولوں، مزاج اور عادت کے تحت سرگرم عمل تھا بعض دفعہ ہجوم کو بھی اپنے ووٹ سمجھ کر خوب رونق کا نقارہ بجایا گیا۔

ابتدائی ایام میں لگتا تھا کہ PNA سندھ کے دیہی علاقوں اور پنجاب میں زیادہ ووٹ لے گا۔ 1970ء میں پنجاب بھٹو کے لیے کامیابی کی سیڑھی ثابت ہوا تھا۔ لہٰذا امید واثق کی جارہی تھی کہ اب بھی پیپلز پارٹی سویپ (Sweep) کرے گی۔ جماعت اسلامی کو کراچی میں بزنس مینوں، مہاجروں اور مذہبی لوگوں کی آشیر باد حاصل ہو چکی تھی لہٰذا انہی لوگوں کو انتخابات کے لیے نشستیں دی گئیں تھیں۔ خیال کیا جاتا تھا کہ حیدر آباد اور سکھر بھی حزب اختلاف کے حق میں ہو جائیں گے۔ پنجاب انتخابی معرکے کا بڑا میدان تھا جہاں قومی اسمبلی کی 181 نشستوں میں 115 نشستیں اس صوبے سے وابستہ تھیں۔ PNA کو لاہور، ملتان، لائل پور، گجرات سے توقعات سے کم نشستیں ملیں۔ کراچی میں انہیں خاطر خواہ

کامیابی حاصل ہوئی۔ راولپنڈی اور گوجرانوالہ میں دونوں فریقین کے درمیان گھمسان کا رن پڑا۔ NWFP میں قبائلی علاقوں سمیت قومی اسمبلی کی 26 نشستیں تھیں۔ یہاں دونوں جماعتوں میں ہی اصل مقابلہ تھا۔ قیوم گروپ نے اپنے 16 امیدوار کھڑے کیے یہاں PNA نے NAP کے ساتھ اتحاد بنالیا۔ مگر یہاں پر نتائج توقعات کے برخلاف نکلے۔ پیپلز پارٹی نے اس صوبے میں پہلے سے زیادہ اچھی حیثیت ثابت کی کیونکہ 1970ء کے انتخابات میں اسے یہاں ایک نشست ملی تھی۔

پیپلز پارٹی نے اپنی مخالف پارٹیوں پر تشدد کے ذریعے دباؤ ڈالنے کی روایت کو فروغ بھی دیا۔ ایک اندازے کے مطابق 7 مارچ 1977ء کو رجسٹرڈ ووٹرز کی تعداد 31 ملین تھی۔ مگر صرف 17 ملین افراد نے ووٹ کاسٹ کیے۔ اس میں سے 60 فیصد ووٹ پیپلز پارٹی کو ملے اور اس طرح وہ قومی اسمبلی کی 75% نشستیں جیت گئی۔ اس نے مجموعی طور پر 155 نشستیں جیت لیں قومی اتحاد کو 36 نشستیں ملیں۔ PNA کو کل ڈالے جانے والے ووٹوں کا 35 فیصد ٹرن آؤٹ ملا۔ حیدرآباد سے PNA کو تین نشستیں اور کراچی سے گیارہ نشستیں ملیں۔ NWFP میں پیپلز پارٹی کارکردگی زیادہ متاثرین نہ تھی۔ یہاں اسے غیر قبائلی علاقوں سمیت 8 نشستیں ملیں اور 17 نشستیں قومی اتحاد کو ملیں۔ مگر متحدہ اپوزیشن نے پورے پنجاب سے 8 نشستیں حاصل کرلیں۔ اسے راولپنڈی اور لاہور میں کوئی نشست نہ مل سکی۔ ملتان میں پیپلز پارٹی کو امید واثق تھی کہ یہ نشست سابقہ قومی اسمبلی سپیکر صاحبزادہ فاروق علی خان کو ملے گی۔ مگر وہ اسے نہ ملی بھٹو کا ووٹ بیلنس مزدور، کسان، شہروں میں رہنے والا مفلوک الحال طبقہ اور طلباء تھے۔ نتائج کے غیر یقینی ہونے کی وجہ سے تمام اپوزیشن پارٹیوں نے الیکشن کو فراڈ اور دھاندلی زدہ قرار دے دیا۔ PNA کے لیڈروں نے بیان دیا کہ انہیں ایک منصوبے کے مطابق شکست سے دوچار کیا گیا ہے۔ انتخابات کے دوران ہی اصغر علی اور مفتی محمود خان نے واویلا مچانا شروع کر دیا تھا کہ ان کو زبردستی انتخابات میں ہرادیا جائے گا۔

کہا گیا کہ PNA کے ووٹروں کو زبردستی پولنگ اسٹیشنوں پر آنے سے روکا گیا۔ گن پوائنٹ پر جعلی ووٹوں کی صندوقچیاں بعد میں رکھ دی گئیں۔ عورتوں کی پولنگ کے سلسلہ میں خاصی دھاندلی کی گئی۔ پولنگ ایجنٹوں کے ساتھ ناروا سلوک کیا گیا لہٰذا صوبائی اسمبلی کے انتخابات کا بائیکاٹ کر دیا گیا۔ لوگوں مذہب اور پاکستان کی سالمیت کی بقاء کے لیے اکٹھے کر کے جلسے جلوس۔ جلاؤ، گھیراؤ، پتھراؤ، جیل بھراؤ، کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔

After Math of Election الیکشن کے بعد:

جوڈیشری (عدالت) کی نگرانی میں ہوگا۔ لہٰذا اس سلسلے میں فوج کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔ بھٹو کو چاہیے کہ وہ جلد حکومت چھوڑ کر عبوری حکومت بحوالہ فوج کر دے۔ ملٹری تو ابھی مشرقی پاکستان کی علیحدگی پر افسردہ، نالاں اور شرمسار تھی اسے ایسا موقع دینا تو سونے پر سہاگہ تھا۔ دوسری طرف حالات ایسے تھے کہ ملٹری کا حکومت میں آنا ناگزیر ہوگیا تھا۔ ملٹری کے افسران نے لاکھ کہا کہ یہ سول معاملہ ہے لہٰذا وہ اس معاملے میں نہیں پڑے گی۔ یہ سننا ہی تھا کہ PNA نے اپنی تحریک میں اور تیزی اور جلتی پیدا کر دی۔ PNA کی کال پر 11 مارچ 1977ء میں کراچی میں کامیاب ہڑتال ہوئی۔ حیدرآباد اور ملتان کا علاقہ میں اس ہڑتال میں پیش پیش رہا۔ جزوی طور پر دوسرے بڑے شہروں میں کامیاب ہڑتالیں دیکھ کر PNA نے 14 مارچ کو پورے پاکستان میں ہڑتالوں جلسے جلوسوں کا اعلان کر دیا گیا گورنمنٹ خطرہ نقص امن (Danger of Breach of Peace) کے مدنظر ملک میں ہر قسم کی میٹنگ کے سلسلے میں دفعہ 144 کے نفاذ کا اعلان کر دیا گیا۔ اس کو (Unlaw full Assembly) قرار دیا کہ جہاں پانچ یا اس سے اوپر افراد سیاسی مقصد کے لیے جمع ہوں اسے پکڑلو۔

بھٹو نے اس بحران کا سامنا کرنے کی بجائے قومی اتحاد کے اکابرین کو مشورہ دیا کہ احتجاج کرنے کی بجائے اپنی شکایات بابت انتخابات الیکشن کمیشن کے قائم کردہ جوڈیشل ٹریبونل کے سامنے پیش کرے تاکہ ان کا مداوا ہو سکے بعد میں وہ اپوزیشن لیڈروں کے ساتھ مذاکرات کرنے کے سلسلہ میں بھی رضامند ہوگئے۔ بھٹو نے بعد میں اعلان کیا کہ آئین نئی قومی اسمبلی کے انتخابات کی اجازت نہیں دیتا لہٰذا حکومت کے خلاف ہونے والی ہر اندرونی سازش کو کچل کر رکھ دیا جائے گا۔ 11 مارچ کو قومی کے سرگرم راہنماؤں کو گرفتار کرلیا گیا۔

PNA کے مختلف لیڈروں کو مختلف جگہوں پر قید کر کے ان کے ساتھ مذاکرات کا سلسلہ شروع کر دیا ہر کسی کو اکیلے اکیلے لالی پاپ دینے کی کوشش کی گئی۔ مگر احتجاج کا سلسلہ گلیوں، بازاروں اور مساجد میں شدت اختیار کرتا گیا۔ کراچی میں سول نافرمانی کھل کر سامنے آگئی بحرحال جہازوں اور بندرگاہ کے عملے کی ہڑتال کی وجہ سے وہاں کے معاشی حالات دگرگوں ہوتے گئے۔ ملک کی معاشی حالت پتلی ہوتی گئی۔ ایجنسیوں نے حکومت کو آگاہ کیا کہ اس تحریک کے لیے بیرونی امداد آرہی ہے۔ لہٰذا اس وقت عورتوں۔ طلباء اور عام سول سوسائٹی کے ممبران کے جلوس تیزی اختیار کرتے گئے۔ ان جلوسوں پر حکومتی تشدد نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ 9 اپریل کو لاہور میں ہونے والے جلسے میں 18 افراد قتل ہوئے اور

سینکڑوں زخمی ہوگئے۔ پولیس اور FSF کی وحشت ناک سرگرمیاں (Tlak of the Town) بن گئیں۔ ہر کوئی پولیس اور FSF کے خلاف جذبات کو ہوا دے رہا تھا۔ اپریل کے وسط تک احتجاج میں 250 سے زائد افراد لقمہ اجل بن چکے تھے اور ہزاروں زخمی ہو کر ہسپتالوں میں داخل ہو چکے تھے۔ PNA کے 28 ہزار سپورٹرز گرفتار کر لیے گئے تھے۔

بھٹو اس سلسلہ میں ہونے والی کارروائیوں سے سخت نالاں تھے اور وہ افسران کو سخت اور بہتر کارروائی کا حکم دے رہے تھے جو افسران ان کا حکم نہ مانتے تھے انہیں نوکری سے برخاست کرنے کے آرڈرز تیار کرنے کا حکم بھی صادر فرما رہے تھے۔

حالات کو دیکھتے ہوئے بھٹو نے نرم گوشہ اختیار کیا۔ 15 اپریل 1977ء کو پریس اور طباعت پر لگایا جانے والا Ban اٹھا لیا گیا۔ اس ضمن میں پریس اینڈ پبلی کیشن آرڈیننس جاری کیا گیا مگر اس کے باوجود میڈیا پر سنسر کے سائے بحال رکھے گئے۔ عبدالحفیظ پیرزادہ جو وزیر قانون سے وزیر فنانس تھے انہوں نے اعلان کیا کہ چاول کو چھڑنے والی اور دوسری پراسسنگ صنعتوں کو ڈی نیشنلائزڈ کر دیا جائے گا۔ 17 اپریل کو پریس کانفرنس کے موقع پر بھٹو نے اس امر کا اعادہ کیا کہ دفعہ 144 اگلے سرکاری حکم تک ختم کی جاتی ہے۔ لاؤڈ سپیکر پر پابندی ختم کر دی گئی۔ کچی آبادیوں والوں کو مالکانہ حقوق دے دیئے گئے۔ بھٹو نے اعلان کیا کہ اہم دینی سکالرز اور مولانا قسم کے لوگوں کو نئی بنائی جانے والی کونسل آف اسلامک آئیڈیالوجی میں شریک کیا جائے گا کہ وہ چھ ماہ کے اندر رپورٹس پیش کریں گے کہ شرعی قوانین اس ملک میں کس طرح متعارف کرائے جائیں گے اور ان شرعی قوانین کو فی الفور نافذ کیا جائے گا جوئے بازی کی تمام اشکال کو کالعدم قرار دے دیا گیا۔ شراب و شباب کی محفلوں پر پابندی اور شراب کی دکانیں بند کرنے کا حکم جاری کر دیا گیا۔ اگلے ہی دن فوجی ملازمین اور سول ملازمین کے لیے نئے پے سکیل بنا دیئے گئے۔ اس کے بعد 50% بنیادی تنخواہیں بڑھانے کا خواب دکھایا گیا۔ بھٹو صاحب کا خیال تھا کہ مولوی یہ سب سن کر انہیں مبارک دیں گے کیونکہ ان کا اسلام یہی ہے اس سے وہ خوش ہو جائیں گے مگر ایسا نہ ہوا۔

بھٹو نے سیاسی بحران کا حل نکالتے ہوئے قرار دیا کہ وزیراعظم بذریعہ اٹارنی جنرل ایک سمجھوتی فارمولا (Compromise Formule) پیش کریں گے جس کے تحت اگر قومی اتحاد صوبائی اسمبلی کے الیکشن میں حصہ لیتا ہے تو اس شرط پر قومی اسمبلی توڑ دی جائے گی کہ صوبائی اسمبلیوں میں وہ اپنی

اکثریت دکھائے۔ بھٹو کا خیال تھا کہ بیشتر PNA کے افراد اس فارمولہ سے متفق ہو جائیں گے جماعت اسلامی کے بانی مولانا مودودی صاحب نے اس سلسلہ میں سافٹ کارنر بھی دکھایا مگر بھٹو کا یہ فارمولا آخر کار رد کر دیا گیا۔ PNA والوں نے کہا کہ اگر بھٹو صرف پیپلز پارٹی کے چیئرمین کی حیثیت سے ان سے بات کرتے ہیں تو وہ ان کی بات ضرور سنیں گے اور اگر وہ وزیراعظم کے طور پر بات یا حکم چلاتے ہیں تو وہ ہمیں ناقابل قبول ہے۔

خراب حالات دیکھتے ہوئے بھٹو نے فوج سے مدد مانگ لی دو تین دن کے لیے کراچی اور حیدر آباد میں کرفیو نافذ کر دیا۔ بم بلاسٹ اور فائرنگ عام ہوگئی۔ سیاستدانوں نے فوج کو اقتدار سنبھالنے پر مجبور بھی کیا۔ بھٹو کی مقبولیت دم توڑ رہی تھی اور دوسری طرف پاک فوج کے افسران عوام پر گولی چلانے کو خلاف قانون تصور کرتے تھے۔ 27 اپریل 1977ء کو اپوزیشن کے چیدہ چیدہ لیڈروں کو راولپنڈی ریسٹ ہاؤس لاگیا گیا تا کہ معاملات طے ہو سکیں۔ اسی دن قومی اسمبلی کے اجلاس میں بھٹو نے جذباتی تقریر کرتے ہوئے PNA کی تحریک پر الزام لگایا کہ یہ تحریک بیرونی ممالک کی سازش اور امداد کے ذریعے چل رہی ہے۔ یہ بیرونی سازش ہے اور پاکستان کو ترقی کے عمل سے روکنا چاہتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ (سفید ہاتھی) اور دوسرے یورپی ممالک نیوکلیئر ٹیکنالوجی کی وجہ سے اس کے مخالف ہو کر یہ کارروائیاں کروا رہے ہیں۔

بعد میں قومی اتحاد کے ساتھ فارمولہ طے پا چکا تھا جس کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں لہٰذا 5 جولائی 1977ء کو ضیاء الحق نے بھٹو حکومت پر قبضہ کر لیا۔ اگر حقائق کی روشنی میں بھٹو کا 27 اپریل کا بیان دیکھا جائے تو وہ سچا تھا۔ یہ بیرونی سازش ہی تھی جس نے جذباتی طور پر عوام کو نظام مصطفیٰ اکیلے اکٹھا کیا جب بھٹو صاحب رخصت ہوئے تو نظام مصطفیٰ کا بعد میں ذکر ہی نہ کیا گیا تمام اتحادی یکدم ایک دوسرے کے مخالف بن گئے خود اصغر خاں کہنے لگے کہ نظام مصطفیٰ کا نعرہ لگانے والوں کو خود معلوم نہیں کہ نظام مصطفیٰ کیا ہے؟ لہٰذا یہ ہماری عوام کے ساتھ ایک جذباتی کھیل کھیلا گیا اور بعد میں یہی کھیل ضیاء الحق نے جاری رکھا۔

1973ء کے دستور میں ترمیم کا طریقہ کار:

1973ء کے آئین کی دفعہ 238 میں کہا گیا کہ آئین میں ترمیم کی جا سکتی ہے۔ دفعہ 239 میں ترمیم کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔

www.pakistanstudy.com

1- دستور میں ترمیم کرنے کے بل کی ابتداء کسی بھی ایوان (قومی اسمبلی یا سینٹ) میں کی جاسکتی ہے۔

2- اگر ترمیمی بل کو ایوان کی کل رکنیت کا کم از کم دو تہائی 2/3 ووٹوں سے منظور کر لے تو اسے صدر کے پاس منظوری کے لیے بھیجا جائے گا۔

3- اگر دوسرا ایوان اس ترمیمی بل کو دو تہائی ووٹوں کے ساتھ ترمیم کے ساتھ منظور کر لے تو یہ بل اس ایوان میں دوبارہ ہی جائے گا۔ جہاں سے اس کی ابتداء ہوئی تھی اور اگر یہ ایوان مذکورہ بل کو ترمیم کے ساتھ دو تہائی اکثریت سے منظور کر لے تو اسے صدر سے منظور کے لیے بھیجا جائے گا۔

4- دستور میں ترمیم کے کسی بل کو جو صوبے کی حدود میں ردوبدل کا ہو نا صدر کی منظور کے لیے پیش نہیں کیا جائے گا تاوقتیکہ اسے صوبے کی صوبائی اسمبلی نے اپنی کل رکنیت کے کم از کم 2/3 ووٹوں سے منظور نہ کر لیا ہو۔

بھٹو کے دور میں کی جانے والی آئینی ترامیم

بھٹو نے اپنے دور میں سات ترامیم کیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

1- پہلی ترمیم 1974ء میں متعارف کرائی گئی یہ انسانی حقوق سے متعلقہ آرٹیکل نمبر 17 میں لائی گئی جس میں شق نمبر 2 کا اضافہ کر کے پاکستان کے ہر شہری کو سیاسی جماعت بنانے کا حق دیا گیا۔ مگر سرکاری ملازم سیاسی جماعت بنانے سے گریز کریں گے۔ نیز وفاقی حکومت کو حق دیا گیا کہ وہ سپریم کورٹ کے ریفرنس کے ذریعے پندرہ دن کے اندر اندر کسی بھی سیاسی جماعت کو غیر قانونی اقرار دلوا دے اسی ترمیم کے تحت آرٹیکل نمبر 17 کی شق نمبر 3 کے تحت سیاسی جماعتوں پر لازم قرار دیا گیا کہ وہ پارٹی فنڈز کے اسباب و ذرائع سے حکومت کو آگاہ کریں۔

2- دوسری ترمیم کے ذریعے آرٹیکل نمبر 106 میں اقلیتوں کے ساتھ (احمدیوں اور قادیانیوں) کا نام بریکٹ میں ڈال دیا گیا اور قرار دیا جو محمد ﷺ کو آخری نبی نہیں مانتا وہ مسلم نہ ہے۔

3- یہ ترمیم 1975ء میں کی گئی جس کے ذریعے بنیادی حقوق کے آرٹیکل نمبر 10 میں ترمیم کی گئی اور کہا گیا کہ ایسے لوگوں کے لیے 24 ماہ سے زائد قید میں نہ رکھے جانے کے آئینی تحفظ کو ختم

کر دیا گیا جو کسی ملک دشمنی سرگرمیوں میں ملوث ہوں۔

4- چوتھی ترمیم 1975ء کو ہی کی گئی جس کے تحت قومی اسمبلی میں موجود اقلیتوں کی انتخابی نشستوں میں سے چھ کا اضافہ کر دیا گیا۔ اس کے آرٹیکل نمبر 199 کے تحت ہائی کورٹس کو ملک دشمنی عناصر کے ضمانت دینے کے اختیار کو واپس لے لیا گیا۔

5- پانچویں ترمیم 1976ء کو کی گئی اس کے ذریعے آرٹیکل نمبر 101 میں ترمیم کی گئی اور قرار دیا گیا کہ کسی ایسے شخص کو کسی صوبے کا گورنر نہ بنایا جائے گا جو کہ وہاں کا رہائشی نہ ہو۔ پانچویں ترمیم کے ذریعے ہی قرار دیا گیا کہ ہائی کورٹ کا کوئی جج اگر جج بطور سپریم کورٹ اپنی تقرر ری قبول نہیں کرتا تو وہ ریٹائرڈ متصور ہوگا۔

6- چھٹی ترمیم کے ذریعے وزیر اعظم کے مشیر وزیر اعلیٰ کے مشیر، پارلیمانی سیکرٹری، چیئرمین لاء کمیشن اور وزیر اعظم کے خصوصی اسسٹنٹ حضرات کی تعریف وغیرہ کی گئی۔

7- ساتویں ترمیم 1977ء میں پیش ہوئی یہ آخری ترمیم تھی جس کے ذریعے وزیر اعظم کو حق دیا گیا کہ وہ ملکی حالات کے پیش نظر صدر مملکت کو مشورہ دے کر کسی بھی اہم قومی ایشو پر ریفرنڈم کروایا جاوے۔ بھٹو دور میں ہونے والی یہ ساتوں آئینی ترامیم 1970ء کے الیکشن میں منتخب ہونے والی اسمبلی نے منظور کیں۔

خلاصہ

اگر بھٹو حکومت کو تناظر کی نگاہ سے دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے موجد بھٹو نہ تھے بلکہ وہ حالات تھے اور خاص طور پر 1962ء کا آئین تھا۔ جس کا ذکر پچھلے ابواب میں کیا جا رہا ہے۔ بھٹو دور میں فوج اقتدار سے بہت دور اسی لیے جا چکی تھی کہ اسے اپنی پالیسیوں کے نتائج کا علم ہو چکا تھا۔ بھٹو نے مارشل لاء کا مستقل راستہ روکنے کے لیے 1973ء کے آئین میں دفعہ نمبر 6 "High Treasion" متعارف کرائی۔ بھٹو نے لوگوں میں شعور دیا انہیں ان کے حقوق سے آگاہ کیا۔ عملی طور پر انسان ہونے کے ناطے انہوں نے مثبت زیادہ اور منفی کم کردار کا مظاہرہ کیا۔ ایٹمی ری پراسسنگ پلانٹ، سٹیل ملز اور دولت کو چند افراد کے ہاتھوں مرتکز نہ ہونے کے لیے عملی قدم اٹھایا۔ اس میں وہ کہاں تک کامیاب ہوئے۔ اس کے متعلق ہر کوئی اپنا اپنا نظریہ رکھتا ہے۔ فن تقریر اور لوگوں کے مزاج سے واقف تھے۔ فخر ایشیاء، چیئرمین کا خطاب انہیں نے ماؤزے تنگ کی پیروی میں حاصل کیا۔ ایشیا سرخ ہے اور

Pakistanstudy.pk

اسلامی سوشلزم کی اصطلاح ان کے دور میں عام ہوئی اب بھی ان کی پارٹی کو روشن خیال پارٹی کہا جاتا ہے۔ انہیں ضیاء الحق کے دور میں قصوری کیس میں پھانسی کی سزا سنائی گئی۔ لہٰذا اب اور اس کے بعد یہ تاثر عام ہے کہ یہ سزا فوجی حکومت اور جوڈیشری کی ملی بھگت کی وجہ سے ہوئی۔ ان کی بین الاقوامی حیثیت سے کوئی بھی انکاری نہ ہے۔ لہٰذا انہیں شہید بھٹو اور ان کی بیٹی بے نظیر کو شہید جمہوریت کا خطاب دیا جاتا ہے۔

سوالات

سوال نمبر 1۔ وہ کونسے عناصر تھے جنہوں نے تیسرے مارشل لاء کی راہ ہموار کی۔ کیا آپ اس سے متفق ہیں کہ ملک میں تیسرے مارشل لاء کا راستہ بعض وجوہات پر ناگزیر ہو گیا تھا؟

سوال نمبر 2۔ 1977ء میں عوامی تحریک (نظام مصطفیٰ) بننے کے پیچھے کیا محرکات تھے؟ اس کا مدلل جواب دیں۔

سوال نمبر 3۔ وہ کونسی وجوہات تھیں جس کے تحت بھٹو حکومت کے ملٹری سے اختلافات واضح ہو گئے اور وہ سول حکومت کی سپریمسی قائم کرنے میں ناکام رہے۔

سوال نمبر 4۔ 1977ء کے انتخابات ایک سال کے عرصے تک Delay (معطل) کیے جا سکتے تھے۔ مگر یہ وقت سے پہلے کرائے گئے۔ ان کے وقت سے پہلے کرانے کے محرکات کیا تھے؟

سوال نمبر 5۔ بھٹو دور نے 1975ء میں جو اصلاحات متعارف کرائیں ان کا تجزیہ کریں۔ اس پر تنقیدانہ رائے میں حقائق بیان کریں۔

سوال نمبر 6۔ 1977ء کی الیکشن مہم میں PPP نے کونسی پالیسیاں اختیار کیں اس پر تنقیدانہ رائے میں حقائق بیان کریں۔

سوال نمبر 7۔ PPP اور PNA میں کیوں کر محاذ آرائی ہوئی؟ PPP نے عوامی تحریک کچلنے کے لیے کیا حربے استعمال کیے۔

سوال نمبر 8۔ 1977ء کے انتخابات پر کسی قسم کے نتائج آئے ان نتائج کے پس پردہ کیا کارکردگی دکھائی گئی تھی؟

سوال نمبر 9۔ بھٹو دور میں کی جانے والی آئین ترامیم کو مختصراً بیان کریں۔

سوال نمبر 10۔ ''PNA کی نظام مصطفیٰ تحریک اصل میں PPP حکومت کو ختم کرنا تھا نہ کہ نظام مصطفیٰ لانا تھا''۔ اس بیان پر حقیقت مندانہ دلائل دیں۔

☆☆☆

باب نمبر 5

ملٹری دور حکومت

(1977-1984)

MILITARY RULE FROM 1977 TO 1985

تعارف جنرل ضیاء الحق: Introduction of Gen. Zia-ul-Haq

آپ 12 اگست 1924ء کو جالندھر میں مولوی اکبر علی کے ہاں پیدا ہوئے آپ کے والد شملہ میں وائسرائے ہند کے دفتر میں سپرنٹنڈنٹ تھے۔ ضیاء الحق صاحب میٹرک کا امتحان گورنمنٹ ہائی سکول شملہ میں پاس گیا۔ میٹرک کے بعد انہوں نے سینٹ سٹیفن کالج دہلی میں داخلہ لے لیا۔ یہاں سے بی اے آنرز کے بعد 1954ء میں وہ کمیشنڈ آفیسر منتخب ہو گئے۔ دوسری جنگ عظیم دوران انہوں نے برما، ملائیشیا، جاوا کے محاذوں پر انگریز سرکار کی طرف سے لڑائی لڑی۔

قیام پاکستان کے وقت وہ جالندھر سے پشاور ہجرت کر کے آ گئے۔ پاکستان میں انہوں نے نوشہرہ میں رسالہ رجمنٹ کے بوائز ونگ کمانڈر کے فرائض سنبھالے آپ کی شادی 10 اگست 1950ء میں خالہ زاد شفیقہ بیگم سے ہوئی۔ اس وقت شفیقہ بیگم کی عمر 18 سال اور ضیاء الحق کی عمر 26 سال تھی۔ انہوں نے 1955ء میں سٹاف کالج سے گریجوایشن پاس کیا۔ 1964ء میں لیفٹیننٹ کرنل بنے۔ وہ سٹاف کالج کوئٹہ میں بھی انسٹرکٹر کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

1966ء میں بریگیڈیئر بنے اور مئی 1968ء میں ایک آرمڈ ڈویژن میں کرنل بنے۔ انہیں بھٹو دور میں 1975ء میں لیفٹیننٹ جنرل بنایا گیا لہٰذا بکتر ڈویژن کی کمان ان کے سپرد ہوئی۔ 1976ء میں جنرل کا عہدہ ملنے پر بھٹو نے انہیں چیف آف آرمی سٹاف مقرر کیا۔ 5 جولائی 1977ء کو انہوں

PakistaniMaterial.com

نے پیپلز پارٹی کی حکومت کو چلتا کیا اور 5 جولائی 1978ء کو انہوں نے اپنی 22 رکنی کابینہ بنائی۔

ملک کی سیاسی وانتظامی صورتحال:

ضیاء الحق نے ملک میں تیسرہ مارشل لاء لگا دیا کیونکہ اس مارشل لاء کی بنیاد مطالبہ نظام مصطفی تھا لہٰذا رجعت پسند مذہبی جماعتوں کے مشن کی خاصی پذیرائی کی گئی۔ انہیں عندیہ دیا گیا کہ انہوں نے ایسا کر کے اسلام کی بہت زیادہ خدمت کی ہے لہٰذا اب ان کی محنت رنگ لائے گی۔ ضیاء الحق نے ابتداء ہی میں اپنے آپ کو مسلم سپاہی کے نام سے مخاطب کیا۔ انہوں نے اپنی ابتدائی تقریر میں 90 دن کے اندر الیکشن کرانے کا وعدہ کیا اور دستور کو بتدریج اسلامی بنانے کا اعلان کیا۔ اس طرح انہیں ملک میں موجود رجعت پسند سیاسی مذہبی جماعتوں کی حمایت حاصل ہوگئی لہٰذا وقت گزاری کے لیے اس نے ان مذہبی سیاسی جماعتوں کی رائے بھی طلب کی گئیں۔ لہٰذا فوجی حکومت نے اسلامائزیشن کے لیے مذہبی جماعتوں سے تعاون کی بھی اپیل کی۔ ملٹری حکومت نے اپنی اس حکمت عملی کے پیش نظر اپنی حکومتی معیاد میں اضافہ کر لیا۔ بنیادی اسلامی اصلاحات کو ترویج دینے کے لیے اعلانات کیے اور سیاستدانوں کو یقین دلایا کہ جو کوئی بھی اس سلسلہ میں حکومت کا ہاتھ بٹائے گا۔ اس سے تعاون کیا جائے گا یا اس کی حمایت کی جائے گی اسے اس کی اہلیت کے مطابق مناسب عہدہ بھی دیا جائے گا۔

1977ء کے اہم واقعات

1- ضیاء الحق نے اپنے اقدام کو فیئر پلے اپریشن کا نام دیا اور اکتوبر 1977ء کو عام انتخابات کروانے کا اعلان کیا یہ نوے دن آہستہ آہستہ کئی سالوں میں تبدیل ہوتے گئے۔

2- 27 جولائی کو انہوں نے اپنے وعدے کا دوبارہ اعادہ کیا اور 2 اگست 1977ء کو ایک الیکشن سیل قائم کر دیا اس کے سربراہ جنرل فیض علی چشتی بنا دیئے گئے اور بعد ازاں اس میں جنرل احسان الحق ملک کو بھی شامل کر لیا گیا۔ اس سیل نے سیاستدانوں کے ساتھ گفت وشنید شروع کی تا کہ الیکشن کے عمل کو سموتھ (Smooth) بنایا جائے۔

3- الیکشن سیل کے سامنے پر کسی نے اپنے دل کی بھڑاس نکالی یوسف خٹک (قیوم لیگ) نے جمعیت علمائے اسلام اور ولی خان کے خلاف بہت کچھ کہا۔ غلام مصطفی کھر کی رائے تھی کہ ملک میں ایسے حالات پیدا کیے جائیں کہ پیپلز پارٹی الیکشن کا بائیکاٹ کرنے پر مجبور

ہو جائے تو اس طرح غلام مصطفی کھر اور جتوئی پیپلز پارٹی کی دائیں بازو کے عناصر کو علیحدہ کر سکیں گے۔

4- جتوئی کے ساتھ ایک ملاقات میں دونوں نے تجویز پیش کی کہ تمام سیاسی جماعتوں کا مشترکہ اجلاس بلا کر فوج کا مستقل آئینی کردار طے کر لیا جائے جتوئی نے کہا کہ جب تک بھٹو زندہ ہے ہم اسے نہیں چھوڑ سکتے۔ تاہم اگر اسے منظر سے ہٹا دیا جائے تو ہم دونوں پیپلز پارٹی میں موجود دائیں بازو کے عناصر سمیت پوری قوت سے آپ کا ساتھ دیں گے۔

5- ائر مارشل اصغر خاں۔ پروفیسر غفور اور ایس ایم ظفر نے سیل سے کہا قومی اتحاد مصنوعی ہے۔ یہ عملی طور پر قائم نہیں رہ سکتا۔ یہ اتحاد بھٹو کو نکالنے کی حد تک تو درست تھا مگر اس کے بعد اس کی افادیت نہ ہونے کے برابر ہے۔

6- ائر مارشل اصغر خاں نے واشگاف کہا کہ تحریک استقلال کسی دوسری سیاسی پارٹی میں مدغم نہ ہوگی ہم کسی قیمت اسے پرملاوؤں کی جماعت نہیں بنے گے۔ انہوں نے مزید کہا کہ قومی اتحاد والے اسلام کی الف ب سے بھی واقف نہیں ہے ان کا اسلام محض ہاتھ کاٹنے اور سنگسار کرنے کے گرد ہی گھومتا ہے۔ فوج کو لچکدار پالیسی اپنا کر انتخابات جلدی نہیں کرانے چاہیے اس نے بھٹو پر بدعنوانی، قتل اور دوسرے جرائم میں ملوث ہونے کا الزام لگایا۔

7- ایس۔ ایم ظفر صاحب نے مشورہ دیا کہ ایبڈو کا قانون بنا کر کرپٹ سیاستدانوں کو انتخابات سے دور رکھا جائے۔ انہوں نے انتخابات ملتوں کرنے کی تجویز دی۔

8- 18 اگست 1977ء کو کاغذات نامزدگی داخل کیے جا چکے تھے۔ سیاسی لیڈر گرما گرم بیان دے رہے تھے ادھر ضیاء الحق صاحب بھٹو سے مری میں ملاقات کر رہے تھے۔ بھٹو کا رویہ سخت دیکھ کر وہ مستقبل میں اپنی جان کی امان چاہیے پر مجبور ہو گئے رہے تھے۔ ضیاء الحق کو پتہ تھا کہ اگر بھٹو دوبارہ اقتدار میں آ گئے تو ان کی خیر نہیں ہوگی۔ بھٹو کی جرنیل مخالف تقاریر بھی اس امر کی غمازی کر رہی تھیں کہ مستقبل میں ان کی امان نہ ہوگی لہٰذا انہوں نے سر جوڑ صلاح مشورے شروع کر دیئے۔

9- ضیاء نے یکم ستمبر 1977ء کو ایک طویل پریس کانفرنس کی اُس نے سیاسی بحران کا حل صدارتی نظام کو قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ ''امیدوار'' عوام کے براہ راست ووٹوں سے منتخب ہونے

Zahidamin.com

چاہئیں۔اسے اپنے عرصہ اقتدار میں وسیع تر اختیار حاصل ہونے چاہیے۔

10- انہوں نے تمام سیاسی جماعتوں سے جنوری 1970ء سے لے کر 1977ء کے اثاثہ جات مانگ لیے تاکہ کرپٹ سیاستدانوں کا احتساب ہو سکے۔

11- انہوں نے غیر اسلامی منشور رکھنے والی سیاسی جماعتوں کو انتخابات میں حصہ نہ لینے کی بھی بات کی۔

12- ستمبر کے مہینے سیاسی سرگرمیاں عروج پر رہی۔فوج انتخابات کے متوقع نتائج اور سیاسی لیڈروں کے طرز عمل کا جائزہ لیتی رہی۔الیکشن سیل بھٹو کو گرفتار کرنے اور اس کے ردعمل کے سلسلہ میں سوچ رہا تھا۔

13- ایوب کھوڑو نے رائے دی کہ اگر بھٹو گرفتار ہو جاتے ہیں تو صرف ممتاز بھٹو ہی تحریک چلا سکتے ہیں۔حفیظ پیرزادہ کی سندھ میں کوئی خاص وقعت نہ ہے۔

14- اصغر خان نے مارچ 1978ء تک انتخابات نہ کرانے کی تجویز پیش کر دی۔

15- آئی ایس آئی کے سربراہ غلام جیلانی خاں نے کہا کہ پیپلز پارٹی کے کارکنان کے پاس اسلحہ موجود ہے۔انہوں نے زور دیا کہ FSF کو جلد پولیس میں مدغم کر دیا جائے۔

16- 3 ستمبر 1977ء کو ذوالفقار علی بھٹو کو احمد رضا قصوری کے والد نواب محمد احمد خاں کے قتل کے مقدمے میں گرفتار کر لیا گیا لہٰذا جیالوں نے کوئی احتجاج تک نہ کیا۔

17- 13 ستمبر کو G.H.Q ہال میں تمام سیاسی لیڈروں کا اجلاس بلایا گیا۔اس اجلاس میں انتخابات کے ضوابط کے متعلق بات چیت ہوئی اور لائحہ عمل طے کیا گیا۔اسی اجلاس کے دوران اطلاع ملی کہ لاہور ہائی کورٹ کے جسٹس ہمدانی نے بھٹو کی درخواست ضمانت منظور کر لی ہے۔لہٰذا الیکشن سیل نے انتخابات میں تاخیر کرنے کی بابت سوچنا شروع کر دیا۔

18- کہا جاتا ہے کہ الیکشن سیل والے انتخابات کو مارچ 1978ء تک ملتوی کرنا چاہتے تھے۔مگر مسٹر ضیاء الحق زیادہ سے زیادہ چار ہفتوں تک الیکشن ملتوی کرنے کا ارادہ رکھتے تھے اسی دوران مسٹر بھٹو نے ملتان میں فوج کے خلاف دھواں دار تقریر کر ڈالی۔

19- 11 ستمبر 1977ء جب بھٹو صاحب کراچی پہنچے تو انہیں مارشل لاء کے ضابطہ 12 کے تحت گرفتار کر لیا گیا۔

20- یکم اکتوبر 1977ء کو انتخابات غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔

21- ستمبر 1977ء میں ذوالفقار علی بھٹو کی گرفتاری کے بعد ان کی بیوی نصرت بھٹو نے ایک رٹ دائر کر دی انہوں نے مؤقف اختیار کیا۔

(a) 1977ء میں مارشل لاء لگانے کا کوئی جواز نہ تھا۔

(b) ایک جمہوری حکومت کو غیر قانونی طریقے سے اس کے حق سے محروم کیا گیا۔

(c) دستور کے تحت ایسا اقدام بغاوت کہلاتا ہے۔

(d) منتخب وزیر اعظم کو اس طرح گرفتار کرنا ناجائز فعل اور ان کے حق پر ڈاکہ ہے۔

حکومت کے وکیل نے یہ مؤقف اپنایا کہ

(a) ملکی حالات اس حد تک خراب ہو چکے تھے کہ مارشل لاء کا نفاذ ناگزیر ہو گیا تھا۔

(b) یہ قدم امن وامان کو بحال کرنے، ملک کی سالمیت اور خانہ جنگی نہ ہونے کی وجہ سے کیا گیا تھا۔

(i) نظریہ ضرورت کے تحت محدود عرصے کے لیے مارشل لاء لگانا ضروری تھا لہٰذا یہ عمل جائز تھا۔

(ii) فوج نے ایسا قدم ملک کی سلامتی کے لیے اٹھایا تھا۔

سپریم کورٹ نے مارشل لاء کو عارضی قرار دیا تھا۔مگر یہ طوالت اختیار کرتا گیا۔ہم ضیاء الحق کے عرصے کو دو ادوار میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

پہلا دور 1978-1979ء

ضیاء الحق کے اعلانات کا رنگ آہستہ آہستہ تبدیل ہوتا گیا وہ کھلم کھلا نظام مصطفیٰ کے نفاذ کی بات کر رہے تھے۔وہ PNA کی تمام جماعتوں کو اقتدار میں شریک کرنا چاہتے تھے۔یکم جنوری 1978ء کو انہوں نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے اس سال کو اسلامی سال قرار دیا اس مقصد کے لیے اس نے اہم اعلانات کیے انتخابات کو معطل کرنے کے مقاصد یہ بتائے گئے۔(i) قوم کو سنگین خطرات سے بچانا (ii) عوام کو احتسابی عمل سے آگاہ کرنا۔(iii) مستقبل میں انتخابات کی فضاء پر امن بنانا ان مقاصد کے حصول کے لیے سیاسی سرگرمیوں پر مکمل پابندی عائد کر دی گئی۔ایک عبوری حکومت کے قیام کا اعلان کیا جس کا اہم ترین مقصد اسلامی نظام کے قیام پر خصوصی توجہ دینا قرار دیا گیا۔

PakistanStudy.pk

قومی حکومت کے قیام کے لیے 19 اپریل 1978ء کو ضیاء الحق نے سیاستدانوں سے ملاقاتیں کیں۔ خان قیوم خان، مفتی محمود، پیر پگارو اور اظہر الٰہی چودھری نے مسلم لیگ اور PNA کی نمائندگی کی۔ پیپلز پارٹی کے نمائندگی۔ مولانا کوثر نیازی، بیرسٹر کمال ظفر، ملک محمد اختر، نصر اللہ خٹک اور رئیسانی نے کی۔ اس کے علاوہ عبدالحفیظ پیرزادہ، ڈاکٹر غلام اور ممتاز بھٹو کو بھی خصوصی طور پر ملایا گیا۔ کیونکہ اس وقت پیپلز پارٹی دو دھڑوں میں تقسیم ہو چکی تھی۔

23 اگست کو ضیاء الحق نے قومی حکومت یا نئی حکومت یا نئی کابینہ تشکیل دی۔ غلام اسحاق خاں اور آغا شاہی کو بطور ٹیکنو کریٹ کابینہ میں شامل کیا گیا۔ یہ کابینہ 22 وزراء پر مشتمل تھی۔ اس میں زیادہ لوگ مسلم لیگ سے لیے گئے۔ اس کابینہ کے سربراہ ضیاء الحق تھے۔

15 ستمبر 1978ء کو صدر فضل الحق الٰہی کی مدت ختم ہو گئی تو ضیاء الحق نے خود کو صدر بنا لیا اور وہ سارے اختیارات کا مجموعہ بن کر سامنے آئے۔ ملٹری حکومت کے ساتھ دائیں ہاتھ کی سیاسی جماعتوں نے ہاتھ ملایا اس کی کئی وجوہات تھیں۔ مثلاً پیپلز پارٹی کی سیاست کو ہمیشہ کے لیے دفن کرنا۔ کابینہ میں شامل ہو کر اپنی سوچ کے مطابق اسلامائزیشن کے عمل کو عملی شکل دینا۔ اپنی سیاسی جماعت کو سرکاری تحفظ دینا وغیرہ وغیرہ۔ ضیاء الحق نے کابینہ کے اراکین کو خوب سبز باغ دکھائے خاص طور پر بھٹو کے متعلق بریف کرتے ہوئے کہا کہ میں تو بھٹو کو اعلیٰ اور فطین درج کا سیاستدان سمجھتا تھا۔ مگر جیسے جیسے میں نے پریس کو آزادی دی تو اس کی اصل گھناؤنی صورت سامنے آتی گئی۔ ولائی کیمپ کی داستان نے تو مجھے ہلا کر رکھ دیا۔ اس کے بعد انٹیلی جنس فائلوں کی رپورٹس نے مجھے حیران و ششدر کر دیا کہ اس شخص نے ہر طرف لوٹ مچائی ہوئی تھی۔ کروڑوں کے غبن خود بھٹو کے ہاتھوں سے تراشیدہ رپورٹس و احکام کہ فلاں شخص اگر صحیح راستے پر نہیں آتا تو اسے اڑا دو لہٰذا ان شبہوں نے بھٹو کو سنگدل قاتل اور قومی خائن قرار دیا اس نے گسٹاپو طرز کی پولیس اسٹیٹ بنا رکھی تھی۔ سیاسی قتل اور اغواء اس کا وطیرہ بن گیا تھا۔ جگہ جگہ پر شرابوں اور عیاشیوں کے اڈے قائم کر دیے گئے۔ خبر نہیں اس نے اور اس کے بھیڑیوں نے کتنی عصمتوں کو تار تار کیا لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اسے کیے کا انصاف ملے۔

بھٹو کی گرفتاری دفعہ 125 (سازش مجرمانہ) دفعہ 301، 302، کے تحت تھی اس کے خلاف قتل کے مقدمے کی سماعت سیشن کورٹ کی بجائے لاہور ہائی کورٹ میں ہوتی پانچ ماہ کی عدالتی کارروائی کے بعد انہیں پھانسی کی سزا سنا دی گئی۔ انہیں راولپنڈی جیل میں خصوصی انتظامات کے ساتھ زنانہ وارڈ

میں رکھا گیا تھا۔ 6 فروری 1978ء کو سپریم کورٹ نے ان کی اپیل کا فیصلہ سنا دیا۔ سات میں سے چار ججوں نے ہائی کورٹ کے فیصلے کی توثیق کی اور تین جج صاحبان نے اسے باعزت بری قرار دیا۔ فیصلے میں یہ بھی قرار دیا گیا کہ اگر صدر صاحب چاہیں تو وہ اس کی سزا کی تخفیف کر سکتے ہیں۔ مگر وہ کیوں کرتے وہ تو انہیں غدار اعظیم خائن مملکت سمجھتے تھے۔ بھٹو کو بالآخر 4 اپریل 1979ء کو رات 2 بجے تارا مسیح کی وساطت سے تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔ ان کی لاش پہلے سے تیار کردہ تابوت میں C-130 طیارے کے ذریعے چک لالہ ایئر پورٹ سے لاڑکانہ پہنچا دی گئی اور انہیں فجر کے وقت دفنا کر قبر پر پہرہ لگا دیا گیا۔

1979ء کے ابتدائی ایام میں ضیاء الحق صاحب انتخابات کرانے کا اشارہ کرا رہے تھے۔ انہوں نے ارکان کابینہ کو مطلع کیا کہ وہ غیر جانبدارانہ اور شفاف انتخابات چاہتے ہیں لہٰذا ایسے اراکین جو الیکشن میں حصہ لینا چاہیں انہیں چاہیے کہ وہ کابینہ سے نکل جائیں۔ انہوں نے غیر سیاسی کابینہ کی تشکیل پر زور دیا۔ 21 اپریل 1979ء کو انہوں نے نئی کابینہ سے حلف لیا۔ یہ کابینہ 15 وزراء پر مشتمل تھی۔ (13 وزراء اور 2 وزراء مملکت) اس میں جسٹس حمود الرحمٰن آغا شاہی، ڈاکٹر ایم افضل، معظم علی اور حکیم سعید قابل ذکر تھے۔

سویلین وزراء پر بات واضح کر دی کہ 31 مئی 1979ء کے بعد جو شخص کابینہ میں شامل رہے گا وہ انتخابات میں حصہ نہ لے سکے گا۔ 20 جون کے اعلان کے مطابق 17 نومبر انتخابات کی تاریخ مقرر کر دی گئی۔ کچھ سیاسی پارٹیاں مثلاً تحریک استقلال، جمعیت علماء پاکستان اور نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی (NDP) مارشل اللہ کے خلاف تھیں۔ یہ تینوں پارٹیاں قومی اتحاد سے نکل گئیں۔ اس طرح قومی اتحاد کی پوزیشن کمزور ہو گئی۔ ملٹری انقلاب اور PNA میں مقاصد کے تعین پر کوئی معاہدہ نہ ہوا تھا۔ ملٹری والوں کا خیال تھا کہ اس طرح وہ PNA کی حمایت کر کے اپنی سیاسی پالیسیوں سے ملک میں سیاسی اور معاشی استحکام لا سکیں گے۔ اس طرح اسلامائزیشن کا سلسلہ بھی ان کی قومی حمایت کے لیے اہم کردار ادا کرے گا۔ مگر PNA کے وزراء نے جلد ہی بھانپ لیا کہ ملٹری اور سینئر بیوروکریٹس اہم پالیسی معاملات میں انہیں گھاس تک نہیں ڈالتے اور خود ہی کرتا دھرتا (All in All) بنے ہوئے ہیں۔ PNA وزراء اپنے سیاسی ڈھنگ سے کچھ کرنا چاہتے تھے مگر ان کے ہاتھ باندھنے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی تھی دوسری طرف PNA والے بھی اپنی سوچ کے مطابق معاملات کو چلانے کی ضد کر رہے تھے۔ لہٰذا ملٹری حکمرانوں کو ان کی یہ حرکت ہرگز پسند نہ تھی۔

خاص طور پر جماعت اسلامی ملٹری کا دوسرا بازو بن چکی تھی اور ملٹری پالیسیوں میں ہاں ہی

ہاں کر کے اپنا کام نکال رہی تھی۔ فروری 1979ء میں اسلامک حدود لاز متعارف کرائے گئے۔ PNA کے بعض وزراء نے کابینہ چھوڑنے میں ہی بھلائی جانی اور ملٹری کو یقین دلایا کہ وہ ان کے ساتھ تعاون کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔

1979ء کو ملٹری حکومت کے ساتھ جماعت اسلامی اور مسلم لیگ (پگاڑو گروپ) نے مضبوط ہاتھ ملا لئے۔ ان دونوں پارٹیوں نے PNA کے مقاصد اور سیاسی لائحہ عمل کی ذرہ پرواہ نہ کی۔ 25 ستمبر 1979ء کو بلدیاتی انتخابات منعقد کرائے گئے۔ یہ انتخابات مکمل طور پر غیر سیاسی تھے لہٰذا اس الیکشن میں حکومت کے ساتھ تعاون کرنے اور مستقبل کے فکر میں بے چین، چاپلوس سیاستدان کی جماعت سامنے آئی 15 اکتوبر 1979ء کو ضیاء الحق صاحب نے قوم کو خطاب کرتے ہوئے 17 نومبر کو ہونے والے انتخابات کو غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کرنے کا اعلان کر دیا۔

سیاسی جماعتیں کالعدم قرار دے کر ان کے دفاتر سر بمہر کر دیئے گئے۔ مخالف اخبارات پر پابندی لگا دی گئی۔ مارشل لاء کو سخت کرنے اعلان کیا گیا تا کہ اس سے اصل مقاصد حاصل ہو سکیں۔ ضیاء الحق نے کہا کہ 1973ء کے آئین میں عوامی اُمنگوں کے تحت ترامیم کی جائیں گی۔ بدعنوانی افسروں کا صفایا کیا جائے گا۔ ملک میں مغربی جمہوریت کی جگہ اسلامی شورائی نظام کے اقدامات کیے جائیں گے۔

جماعت اسلامی اور ملٹری حکومت

انتخابات کے ملتوی کرنے کے اعلان کے بعد کچھ دائیں ہاتھ کی سیاسی جماعتوں اور خاص کر جماعت اسلامی نے ملٹری حکومت کے ساتھ تعاون کرنے کے لیے اپنے بازو پھیلا دیئے۔ حالانکہ قومی اتحاد کی تحریک میں جماعت اسلامی کو سربراہ (King pin) کی حیثیت حاصل تھی۔ ضیاء الحق اسلام کا نام بار بار لے رہے تھے لہٰذا جماعت اسلامی نے ان کی حمایت کر ڈالی کیونکہ نظریاتی طور پر دونوں کا نظریہ ملتا جلتا تھا اور مفادات بھی ملتے جلتے تھے۔ ملٹری کے بعض جرنیلوں نے ضیاء الحق کو مشورہ دیا کہ اس جماعت سے بچیں مگر انہوں نے کہا کہ مجھے ان سے کوئی خطرہ نہ ہے۔ جماعت اسلامی میں رجعت پسند (Orthodox) قسم کے علماء اور ان کے متبعین نے جماعت کی حکومت کے ساتھ ملنے پالیسیوں کی تائید کی۔

اس میں کوئی شک نہ ہے کہ حکمران جرنیل اور جماعت اسلامی کی سوچ اور نتیجہ کار ایک ہی تھا مگر وہ حالات کے جبر اور اپنے مقاصد کے تحت ایک دوسرے کے ساتھ تعاون میں مجبور محض نظر آتے

تھے۔ جماعت اسلامی چاہتی تھی کہ حکومت میں شامل ہو کر اپنی پارٹی کی ساکھ اور طاقت کو مضبوط کر لے۔ اس نے آہستہ آہستہ بیوروکریٹس پر اپنا اثر ڈالنا شروع کر دیا۔ اس کے علاوہ اس نے ملٹری، ماس میڈیا اور تعلیمی اداروں میں اپنا اثر رسوخ بڑھانا بھی شروع کر دیا۔ جماعت اسلامی دوسری سیاسی جماعتوں کا ملٹری کے خلاف احتجاج کرنے پر اپنے کمنٹس دینے لگی۔ بلکہ سیاسی جماعتوں کے احتجاج میں مزاحم بن کر نظر آنے لگی۔ اپریل 1979ء میں جب بھٹو کو پھانسی دی گئی تو جماعت نے یکدم حکومت کے ساتھ تعاون کرنے کا راگ الاپنا شروع کر دیا۔ بھٹو کو پھانسی دینے سے قبل جماعت اسلامی کے امیر میاں طفیل محمد نے ضیاء الحق سے ملاقات کی اس ملاقات کے متعلق خاطر خواہ بات چیت کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ مگر ملاقات کے بعد میاں طفیل نے بیان دیا کہ ان کے مذاکرات نہایت کامیاب ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ بھٹو کی پھانسی سے ہمارے سیاسی مسائل حل نہیں ہوئے ہیں اور نہ ہی اس کی پھانسی سے ملک کے حالات خراب ہوں گے۔

بعض مذہبی سیاسی جماعتیں جماعت اسلامی کے رویئے پر کھل کر تنقید کر رہی تھیں ان کے مطابق جماعت اپنے مخصوص مقاصد حاصل کرنے کے لیے حکومت کے ساتھ کھیل کھیل رہی ہے۔ ماڈرن لبرل سیاسی جماعتوں نے عندیہ دیا کہ اگر ملک میں تھیوکریسی (مذہبی ملاؤں کی حکومت) نافذ کی گئی تو اس کی مخالفت کی جائے گی۔

سیاسی حکمت عملی:

Political Strategy

ملٹری کمانڈ 1973ء کا آئین مکمل طور پر منسوخ کرنے کے حق میں نہ تھے۔ مگر اس کی بہت سی دفعات معطل کر دی گئیں۔ فضل الٰہی کو کہا گیا کہ وہ صدر کے منصب پر اپنے فرائض منصبی ادا کرتے رہیں۔ نصرت بھٹو کیس کے تحت ملٹری حکومت کو مکمل رعائیت دے دی گئی تھی۔ لہٰذا نظریہ ضرورت ایک مرتبہ پھر زندہ کر دیا گیا تھا۔ سپریم کورٹ نے اپنے فیصلے میں شرط لگائی تھی کہ حکومت 1973ء کے آئین کے تحت شفاف انتخابات کا انعقاد کرے گی۔ اس فیصلے میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو آئین میں ترامیم کرنے کا اختیار بھی دے دیا گیا تھا۔

27 دسمبر 1979ء کو روس نے افغانستان میں اپنی فوجیں داخل کر کے وہاں ایک نیا انقلاب برپا کر دیا روس گرم پانیوں کی طرف آنا چاہتا تھا لہٰذا پاکستان کو روس کی اس حرکت سے بہت شدید خطرہ تھا۔ پوری قوم کی توجہ اب افغانستان کی طرف گھومنے لگی ضیاء نے اس سلسلہ میں جاندار پالیسی اپنائی۔

PakStudy.com

امریکہ سے خوب روپیہ لیا اسے جہادی گروپس میں تقسیم کیا اور ایک طرف اسلام کا نعرہ لگایا اس کی پالیسی کی وجہ سے ان کی مقبولیت کا گراف بلند ہونا شروع ہوگیا۔ سیاسی کارکنوں کے علاوہ عام لوگ اس دور میں اس کے خلاف بات سننا بھی ناگوارہ تصور کرتے تھے۔

1981ء کی وفاقی کابینہ:

9 مارچ 1981ء کو جس وفاقی کابینہ سے حلف لیا گیا اس میں فوجی جرنیل اور ٹیکنوکریٹ اور وفادار مسلم لیگی زیادہ شامل تھے۔ کابینہ کے ارکان۔ آغا شاہی، علی احمد خاں، ارباب نیاز محمد الٰہی بخش سومرو، فخر امام، غلام اسحاق خاں، غلام دستگیر خاں، ائر مارشل انعام الحق، میجر جنرل جمال دار، محمد عباس خاں عباسی محمود اے ہارون، محمد علی خاں ہوتی، وائس ٹو مرل فاضل جنجوعہ محی الدین بلوچ، ڈاکٹر نصیر الدین جوگزئی، راجہ سکندر زماں، میجر جنرل راؤ فرمان علی، لیفٹیننٹ جنرل سعید قادر شریف الدین پیرزادہ، راجہ ظفر الحق۔ یہ تمام وزراء تھے۔ بیگم عفیفہ ممدوٹ، محمد علی، میر ظفر اللہ خاں جمالی وزرائے مملکت تھے۔ مشیران میں معظم علی۔ راجہ تری دیورائے حمید ڈی جیب، مصطفیٰ گوہل، شیخ عشرت علی شامل تھے۔ مگران کا درجہ وفاقی وزراء کے برابر تھا۔ نیز ڈاکٹر عطیہ عنایت اللہ ڈاکٹر بشارت علی جذبی، ڈاکٹر ایم اے قاضی۔ ڈاکٹر افضال، حکیم محمد سعید، اور بیگم وقار النساء کو بطور مشیر کابینہ میں شامل کیا گیا۔ یہ 33 رکنی کابینہ کو عارضی کابینہ کا نام دیا گیا۔ یہ کابینہ اصل میں مستقبل میں نئی قیادت فراہم کرنے کے لیے بنائی گئی تھی۔ صدر ضیاء نے اس موقع پر انتخابات کے خیال کو خودکشی کے مترادف قرار دیا۔ عارضی حکومت کے قیام کے دو ہفتوں کے بعد 24 مارچ کو جمہوری آئین نافذ کر دیا گیا یاد رہے اس میں 1973ء کے دستور کی 162 دفعات یا تو حذف کر دی گئیں یا ان میں ترمیم کر دی گئی۔ اس میں نہ تو قرارداد مقاصد تھی اور نہ ہی بنیادی حقوق، اس مجلس شوریٰ کو وفاقی کونسل کا نام بھی دیا گیا صدر مجلس شوریٰ کا ایک یا زائد نائب صدر مقرر کر سکتا تھا۔

PCO کا نفاذ:

مارچ 1981ء میں Provisional Constitutional Order نافذ کر دیا گیا کیونکہ سپریم کورٹ نے صدر کو آئین کی دفعات میں ترامیم کرنے کی کھلی چھٹی دے دی تھی۔ لہٰذا جوڈیشری کو ہی عتاب کا نشانہ بنایا گیا۔ نئے دستور میں اعلیٰ عدالتوں کو فوجی عدالتوں کے خلاف کوئی بھی حکم جاری کرنے سے منع کر دیا گیا تھا۔ علاوہ ازیں جوڈیشری کی پاورز رٹ۔ ریویو اور سوؤ موٹو (Writ jurisidicution, Judicial Review Soumot) کو آہستہ آہستہ ختم کرنے کا لائحہ عمل شروع کر دیا گیا۔

اعلیٰ عدالتوں کے 15 ججوں سمیت (جس میں 4 ججز سپریم کورٹ سے اس میں چیف جسٹس بھی شامل تھے۔ سات ججز پنجاب ہائی کورٹس، دو سندھ ہائی کورٹ اور دو بلوچستان ہائی کورٹ اس میں چیف جسٹس بھی شامل تھا) اسے حلف نہ لیا گیا ان میں سے بعض نے خود اپنی مرضی سے نوکری کو خیر باد کہہ دیا۔ جسٹس مولوی مشتاق جس نے بھٹو کو پھانسی لگوانے میں اہم کردار ادا کیا تھا اس کو حلف اٹھانے کی دعوت ہی نہ دی گئی۔

لہٰذا حکومت کے اس عمل سے بھی سیاستدانوں نے عبرت حاصل کی اور جوڈیشری نے خود اپنے ادارے کو ملٹری کے ہاتھ میں کھلونا بنا کر آئین میں توڑ مروڑ کرنے کا راستہ فراہم کر دیا گیا۔

بعد ازاں 24 دسمبر 1981ء کو 350 ارکان پر مشتمل شوریٰ کا اعلان کر دیا گیا۔

اس میں 287 اراکین کے نام دے دیئے گئے۔ انہوں نے اعلانات کیے۔

1- ملک میں انتخابات ہمیشہ کے لیے ملتوی نہیں گئے ہیں۔
2- موجودہ صورتحال میں انتخابات کروانا خودکشی کے مترادف ہے۔
3- نامزد شوریٰ اسلامی اصولوں پر مبنی معاشرے کی تشکیل دے گی۔
4- ملک میں اسلامی جمہوریت کا قیام عمل میں لایا جائے گا۔
5- اس مجلس میں بہت سے PPP سے لوگ شامل کیے گئے تھے۔

یاد رہے اس شوریٰ میں مسلم لیگ اور جماعت اسلامی نے قائدین نے اس میں شرکت سے انکار کر دیا گیا مگر اپنے زیر سایہ پیشہ وارانہ تنظیموں کو اس میں شامل ہونے کی اجازت دے دی۔

M.R.D Movement of Rehablitation of Democracy

بحالی جمہوریت تحریک فروری 1981ء میں بنائی گئی۔ اس میں ضیاء مخالف اتحاد منظر عام پر آیا۔ اس میں 9 جماعتیں شامل تھیں۔

(1)	پاکستان پیپلز پارٹی	(2)	تحریک استقلال
(3)	نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی	(4)	جمعیت العلمائے پاکستان
(5)	پاکستان مسلم لیگ (خیر الدین قاسم گروپ)		
(6)	کشمیر مسلم کانفرنس	(7)	قومی محاذ آزادی
(8)	پاکستان مزدور پارٹی	(9)	پاکستان نیشنل پارٹی۔

PakistaniMaterial.com

اصل میں پیپلز پارٹی ہی MRD اتحاد کی بانی تھی اس نے اس اتحاد میں اس لیے بھی حصہ لیا کیونکہ تن تنہا تحریک چلانا اس کے لیے ممکن ہی نہ تھا۔ پیپلز پارٹی نے اقتدار حاصل کرنے کے لیے ایسا کرنا غنیمت جانا۔ نصرت بھٹو نے تمام جرنیلوں کو ہدف تنقید بنانے کی بجائے ضیاء الحق کو زبردست تنقید کا نشانہ بنایا علاوہ ازیں سردار عبدالقیوم خاں، مولانا فضل الرحمان، سردار شیر باز مزاری، معراج محمد خاں، اصغر خاں اور فتح یاب خاں نے بھی سرعام ضیاء الحق کو تنقید کا نشانہ بنایا حالانکہ یہ تمام بھٹو کے مخالفین میں سے تھے کیونکہ انہوں نے جو توقعات فوجی حکومت سے وابستہ کی تھیں وہ پوری نہ ہوئیں لہٰذا انہوں نے بھی اپنی بہتری اسی تحریک کے سایہ میں جانی MRD تحریک کے مقاصد یہ تھے۔

1- ملک پر جلد از جلد 1973ء کے آئین کے تحت انتخابات کرانے کے لیے حکومت پر دباؤ ڈالنا۔

2- ملک میں سے مارشل لاء کا خاتمہ کرانا۔

3- قومی اور صوبائی اسمبلیوں کو آئین 1973ء کے تحت انہیں اپنا اصل مقام دلوانا۔

1981ء میں MRD نے ملک بھر میں اپنی احتجاجی تحریک شروع کرنے کا اعلان کیا۔

الذوالفقار تنظیم کا طیارہ اغوا کرنا

1981ء میں الذوالفقار نامی تنظیم قائم ہوئی۔ اس تحریک کا خالق بھٹو کا بیٹا مرتضیٰ بھٹو تھا۔ اس تحریک نے 2 مارچ 1981ء کو پی آئی اے کا بوئنگ طیارہ 1300 مسافروں سمیت اغوا کرلیا۔ مسافروں کے علاوہ اس میں طیارے کے عملے کے گیارہ ارکان بھی شامل تھے۔ طیارے کو اغوا کر کے کابل (افغانستان) لے جایا گیا۔ جہاں مرتضیٰ بھٹو نے اغوا کنندگان سے ملاقات کی۔ 4 مارچ کو ہائی جیکروں نے 18 خواتین، 10 کے اور دو مسافر حضرات کو رہا کر دیا۔ اس وقت صدر ضیاء الحق نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے پاکستان کے شہریوں کو بچانے کی خاطر 55 گندے انڈوں کو باہر بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے۔ 15 مارچ 1981ء کو باشندے اور طیارہ آزاد کر دیا گیا۔ لہٰذا قوم نے یہ چھ سات روز خاصے کرب میں گزارے۔ عام آدمی بھی ایم آر ڈی پر کھلے عام لعن طعن کر رہا تھا۔ ایم آر ڈی کا تاثر خراب ہوا جنرل ضیاء الحق نے اس واقعہ کا ذمہ دار پیپلز پارٹی کو قرار دیا اور کہا کہ ہم دہشت گرد جمہوریت نہیں لاسکتے۔ PPP کا امیج بھی خراب ہوا اس نے بیک وقت حکومت اور مذہبی جماعتوں پر تنقید کر کے اپنا امیج خراب کرلیا تھا۔ MRD اور PPP طیارہ اغوا کیس کی مذمت کرتی رہی۔

1982ء کو ضیاء الحق جہاد کے نام پر افغانستان میں مجاہدین کے ذریعے روسی افواج سے لڑتے رہے۔ اس دور میں امریکہ پاکستان کی خاصی پذیرائی فرمائی اور بہت زیادہ امداد پاکستان کو فراہم کی۔

1983ء میں ملکی سیاسی حالات خراب ہونے لگے۔ جماعت اسلامی کے امیر میاں طفیل بھی ضیاء حکومت کو الیکشن کرانے کا کہہ رہے تھے۔ طلباء و پولیس میں تصادم اور وکلاء کو نشتر خطرے کی گھنٹی بجا رہے تھے۔ طلباء و پولیس میں تصادم اور وکلاء بھی خطرے کی گھنٹی بجا رہے تھے۔ پنجاب، سرحد اور بلوچستان میں RMD نے مطالبات نہ ماننے کی صورت میں سول نافرمانی کی دھمکی دے دی تھی۔ سندھ میں صلح گروہ لسانیت پھیلانے کے لیے دہشت کا بازار گرم کر رہے تھے۔

جمہوریت کے لیے عوامی وسیاسی جماعتی جدوجہد

Struggle of Peoples and Political Party for Restoration of Democracy

حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے بالآخر جنرل ضیاء الحق نے 12 اگست 1983ء کو اعلان کر دیا کہ مارچ 1985ء تک عام انتخابات منعقد کروا دیئے جائیں گے اور اگست 1985ء تک منتخب نمائندوں کو اقتدار سونپ دیا جائے گا۔

5 جولائی 1983ء کو مارشل لاء کی چھٹی سالگرہ کے موقع پر ایم آر ڈی نے یوم سیاہ منانے کی اپیل کی مکانوں دکانوں پر سیاہ جھنڈیاں لہرائیں گئیں اور احتجاجی مظاہرے بھی کیے گئے۔ حکومتی پابندیوں اور گرفتاریوں کی وجہ سے یوم سیاہ کا پروگرام تقریباً ناکام رہا۔

ایم آر ڈی نے 14 اگست 1983ء سے سول نافرمانی کی تحریک چلانے کا اعلان کر دیا۔ MRD کے کارکنان نے خالق پاکستان قائداعظم کے مزار پر سیاہ جھنڈے لہرائے اور اندرون سندھ ریل کی پٹڑی اکھاڑ دی۔

18 اگست کو MRD میں شریک افراد نے داد و خیل میں حملہ کر کے 102 سندھ کئی تھانوں سے خطرناک قیدی چھڑ لیے گئے۔ انہی قیدیوں نے بعد میں تخریب کاری کا بازار گرم کیا۔ کراچی میں انتظامیہ سے مسلح تصادم کا کلچر سامنے آیا۔ یہ تحریک کم از کم تین چار ماہ تک رہی۔ اس کا سرحد اور بلوچستان میں کوئی خاصا اثر نہ تھا۔ یہ تحریک کوئی ملک گیر ہڑتال نہ کروا سکی وکلاء اس سے دور رہے۔ سرکاری ریکارڈ کے تحت اس تحریک میں 161 افراد ہلاک 300 زخمی ہوئے اس میں 12 سرکاری ملازم ہلاک اور 75

PakistaniMedia.pk

سرکاری ملازم زخمی ہوئے۔

ضیاء الحق نے جو آٹھ سالہ کامیاب مارشل لاء لگایا تو اس کے پیچھے سینئرز کمانڈرز کا ہاتھ تھا۔

ضیاء الحق نے کئی افسران کے عہدے یکدم بلند کیے گئے۔ ان کمانڈرز نے 1980ء اور 1984ء کو ریٹائرڈ ہونا تھا لہٰذا 1977ء کے بعد ان کی مدت ملازمت میں اضافہ کیا گیا۔ تمام سینئرز جرنیلوں کمانڈر دستوں کو اپریل 1985ء تک موجودہ عہدے پر فائز کیا گیا۔

اسی لیے ضیاء الحق 1976ء ہی سے عہدے پر مستقل بنیادوں پر ڈٹے رہے۔ آرمی میں بظاہر کوئی اختلاف نظر نہ آتا تھا۔ مارچ 1980ء کے بعد چند اکا دکا واقعات پیش آئے جس میں بعض افسران نے بے ضابطگی کی اور وہ گرفتار ہوئے ان میں ریٹائرڈ میجر جنرل اور اس کے سازشی تھے۔

جنوری 1984ء کو سمگلنگ کے الزام کے فوجیوں کی ایک کھیپ پکڑی گئی۔ ان سے ہتھیار اور نشہ آور مواد پکڑا گیا۔ 19 افراد کا ملٹری ٹرائیل ہوا۔ ان کو اٹک قلعہ میں رکھا گیا۔ ملزمان میں لاہور سے ایک وکیل، دو پولیس افسران PAF کے دو سکواڈرن لیڈرز 14 آرمی آفیسرز (ایک کرنل، ایک میجر 12 کیپٹن) جولائی 1985ء میں 4 ملٹری افسران کو عمر قید اور تینوں کو دس سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی۔ اس کے علاوہ بقیہ کو بری کر دیا گیا۔ اس کو پلاٹ پکس کا نام دیا گیا۔

پاکستان میں آئینی بحران کے بچاؤ کے سلسلہ میں اسلامائزیشن اور سماجی پالیسی

Islamization and Social Policy in Pakistan in View of the Constitutional Crises

ضیاء الحق کا دور حکومت ہی اس کی اپنی خود ساختہ اسلامائزیشن کے گرد گھومتا ہے جیسا کہ پچھلے صفحوں سے عیاں ہے اصل میں ضیاء الحق اسلام کا نام لے کر اپنی حکومت کو تحفظ فراہم کرنا چاہتا تھا اس کے اس کھیل میں پہلے جماعت اسلامی بھی شامل رہی بعد ازاں وہ علیحدہ ہوگئی اور انتخابات کا مطالبہ کرنے لگی۔ بعض مذہبی سیاسی جماعتیں بھی اس کے اس جال میں نہ پھنس سکیں۔ ضیاء الحق اسلام کی شکل کو محدود کرنا چاہتا تھا وہ اسلامی شعائر (نماز، زکوٰۃ، روزہ) کو روایاتی شکل دے کر انہیں ان کے دائرہ کار میں محدود اور جامد کرنا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ حکومتی پالیسیاں اپنی مرضی سے نافذ کرنا چاہتا تھا۔ وہ علماء کی لاعلمی، ہوس زر اور دوسری کمزوریوں سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ اس نے اپنی کابینہ میں سرمایہ دار،

جاگیردار، وڈیرے شامل کیے ایک طرف اسلامی پالیسی کو نظر انداز کر کے امریکی چاپلوسی کرتا رہا۔ امریکہ اور دوسری سپر پاورز کے آگے اس کا اسلام کمزور ہو جاتا تھا۔

1981ء میں ضیاء الحق نے مجلس شوریٰ بنائی تھی۔ جس کے ذمے چار کام تھے۔

1- اسلامائزیشن کے عمل کو بتدریج نافذ کرنا۔

2- ملک میں ایسے حالات پیدا کرنے تا کہ اسلامی جمہوریت کا راستہ ہموار ہو سکے۔

3- انتظامی، قومی اور بین الاقوامی معاملات میں رائے اور عقل کو استعمال کرنا۔

4- لوگوں کی معاشی اور سماجی مشکلات کا ازالہ کرنا۔

شوریٰ ایک ایڈوائزری باڈی تھی۔ کونسل آف اسلامک آئیڈیالوجی کے ذریعے وہ قرآن و سنت کی تشریح کروانا چاہتا تھا۔

کئی سیاسی پارٹیوں کے لیڈروں نے اس کی مجلس شوریٰ کا بائیکاٹ کیا۔ ان کا اعتراض تھا کہ یہ غیر آئینی اور غیر جمہوری طرز عمل ہے۔ اس کی شوریٰ میں 100 افراد ایسے تھے جن کا ماضی میں کسی نہ کسی طرح سے PPP کے ساتھ واسطہ رہا تھا۔ 40 ارکان سابقہ مسلم لیگی تھے۔ ان میں سے بعض ایسے تھے جو کسی نہ کسی طرح اسمبلیوں کی زینت بنے یا ان کے بیٹے، بھانجے، بھتیجے وغیرہ MNA وغیرہ تھے۔ سیاسی پارٹیوں کے سرکردہ لیڈروں نے مجلس شوریٰ کا بائیکاٹ کیا۔ مگر ان کے حواری کسی نہ کسی طرح شوریٰ میں شامل رہے۔ لہٰذا خود تنا ظر کیا جا سکتا ہے۔ اگر سارے لوگ ہی سابقہ سیاسی تھے تو یہ کس اسلام کی بات کر رہے تھے۔ کیا اب یہ لوگ اسلامی ہو گئے تھے یا ضیاء حکومت نے انہیں اسلام کی سند دے دی تھی۔ شوریٰ اصل میں ضیاء کی ایڈوائزری باڈی تھی۔ تمام بل شوریٰ نے پاس کرنے ہوتے تھے۔ بعد ازاں ان کی حیثیت کا تعین کرنا اسلامی آئیڈیالوجی کونسل کا کام تھے۔ یہ کونسل ان بلوں کو شرعی یا غیر شرعی قرار دے سکتی تھی۔ اگر بل غیر شرعی ہوتا تو اسے منسوخ تصور کیا جاتا۔ جنرل ضیاء خیال کرتے تھے کہ اس طرح بل پاس کرنے اور اس کی توثیق کا طریقہ عین اسلامی جمہوریت کے مطابق ہے۔ انہوں نے کہا اسلام میں سیاسی فرقہ بندی کا کوئی وجود نہ ہے لہٰذا انتخابات غیر جماعتی ہوں گے۔ منتخب ہونے والے اراکین کو سیاسی پارٹیوں کا ممبر متصور نہ کیا جاتا تھا۔ MRD کا مطالبہ تھا کہ 1973ء کا آئین ہی عین اسلامی ہے لہٰذا سیاسی جماعتوں کو بحال کر کے جماعتی انتخابات جلد منعقد کیے جائیں۔ ضیاء الحق حکومت نے 100 سے زائد MRD کے ارکان نظر بند کر دیئے کیونکہ وہ 14 اگست کو جلسہ کرنے والے تھے۔

PakistaniMaterial.com

MRD غیر جماعتی انتخابات کے خلاف تھی۔ ایم آر ڈی داخلی انتشار کا شکار ہوگئی کیونکہ ممتاز بھٹو اور شیر باز مزاری انتخابات میں حصہ نہ لینے کے حق میں تھے۔ خود پیپلز پارٹی دو گروہوں میں تقسیم ہوگئی سیکرٹری جنرل فاروق لغاری کا گروپ انتخابات میں حصہ لینا چاہتا تھا تاکہ انہیں حکومت میں حصہ ملے جب کہ جذباتی جیالے اس کے خلاف تھے۔ ادھر MRD الیکشن میں حصہ لینے یا نہ لینے کے متعلق سوچ رہی تھی تو ادھر سیاسی ارکان MRD کے فیصلے سے قبل ہی ٹکٹوں کیلئے دوڑیں لگا رہے تھے۔ لہٰذا MRD خود ہی ختم ہوتی جا رہی تھی۔ 1984ء کے سال میں کئی داؤ کھیلے گئے لہٰذا سیاست کا میدان ایک پرسرار منظر پیش کر رہا تھا بے نظیر، 10 فروری کو رہا ہو کر علاج کے لیے لندن چلی گئیں۔ 30 فروری کو فاروق لغاری بھی رہا کر دیے گئے۔ 27 فروری کو بزنجو، مزاری اور پیار علی الانہ بھی رہا ہو گئے۔ مزاری صاحب نے رہائی کے بعد برملا بیان دیا کہ ان کی تحریک ناکام ہوگئی ہے مگر انہوں نے 1973ء کے دستور کے تحت الیکشن کرانے کا دوبارہ مطالبہ کر دیا۔

جتوئی صاحب چوری چھپے ضیاء سے ملاقاتیں کرتے حکومت نے سیاسی جماعتوں پر سخت قسم کی پابندی عائد کر کے ثابت کر دیا کہ انتخابات غیر جماعتی ہوں گے۔ ایبٹ آباد میں اصغر علی خاں کی رہائش گاہ پر ہونے والے MRD اجلاس میں الیکشن کے مکمل بائیکاٹ کا اعلان کر دیا گیا۔ ضیاء الحق نے سیاسی جماعتوں کا اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کے متعلق اسلامک کونسل سے رجوع کر لیا۔ اس نے قرار دیا کہ 1985ء کے الیکشن شرعی بنیادوں پر ہوں گے۔ 1973ء کے آئین میں بہت زیادہ خامیاں ہیں جن کو ترامیم کے ذریعے اسلامی بنایا جائے گا۔ ملٹری گورنمنٹ کے بارے میں انہوں نے کہا کہ ہمارا اقدام قانونی تھا۔ انہوں نے مجلس شوریٰ میں مزید غیر جانبدار علماء کو شامل کرنے کا اعلان کیا اور مزید کہا کہ پاکستان میں مغربی طرز جمہوریت صحیح نہیں ہے۔

جب اعلان ہوا کہ شوریٰ کے فیصلہ کے مطابق تمام سیاسی پارٹیوں کے لیڈر الیکشن لڑنے کے اہل نہ ہیں تو سندھ کے چھوٹے قصبوں نے زبردست مزاحمت دکھائی۔ کراچی کے مضافات میں ہنگامے ہوئے مگر یہ عمل زیادہ زور نہ پکڑ سکا۔ پنجاب اور راولپنڈی میں جلسے نکالے گئے جس میں مارشل لاء کے

خاتمے اور جلد جماعتی بنیادوں پر انتخابات کرانے کا مطالبہ کیا گیا۔ سندھ کی خراب صورتحال کے تحت پولیس اور فوج کو سندھ میں داخل کر دیا گیا۔ 4000 افراد کو گرفتار کیا گیا اکثر ہلاکتیں اور زخم بازی سامنے آئی پنجاب کی تقریباً تمام جامعات کے طلباء نے ضیاء حکومت کی مخالفت شروع کر دی لہٰذا یونیورسٹیوں میں لاٹھی چارج کیا گیا۔ کئی طلباء زخمی ہوئے لہٰذا یونیورسٹیوں کو کچھ عرصہ کے لیے بند کر دیا گیا۔

کونسل آف اسلامک آئیڈیالوجی کو حکومت نے یہ ٹاسک دیا کہ قرآن وسنت کے مطابق اسلامی اصول ترتیب دیے جائیں۔ 27 اگست 1983ء کو اسلامی کونسل نے قرار دیا کہ صدارتی طرز کی گورنمنٹ اسلام کے زیادہ قریب ہے۔ کونسل نے سفارش کی کہ اسلامی معاملات کے سلسلہ میں مجلس اعلیٰ بنائی جائے۔ یہ (Highest Council) کہلائے گی۔ نان مسلم کی نمائندگی کے لیے نمائندہ مجلس بنائی جائے۔ نیز سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کی طرز پر اسلامی عدالتیں بنائی جائیں۔

صدر کی خصوصیات

اسلامی کونسل نے قرار دیا کہ صدر اسلامی مملکت کا سربراہ ہوگا اس کی کم از کم عمر 40 سال ہو اور وہ قرآن وسنت بخوبی علم رکھتا ہو۔ اس کا انتخاب 21 سال عمر کے لوگ کریں۔ وہ جسمانی وذہنی طور پر صحت مند ہو۔ وہ اپنے آفس کی ذمہ داریاں جانتا ہو۔ وہ قوم کو متحد رکھ سکتا ہو اور پاکستان کی سالمیت کی حفاظت کرنے کا اہل ہو۔

(a) صدر کا عرصہ حکمران پانچ سال ہوگا اس کو دوبارہ منتخب کیا جا سکے گا۔

(b) وہ اسٹیٹ کے تمام معاملات کا ذمہ دار ہوگا۔

(c) وہ اپنی کابینہ اور شوریٰ میں ارکان اور وزراء منتخب کر سکے گا۔

(d) وہ اپنے اختیارات سے آئین کو معطل نہ کرے گا اور نہ ہی آئین کی جگہ کوئی نیا نظام لا سکے گا۔

(e) اس کو مجلس شوریٰ کو توڑنے کا کوئی اختیار نہ ہوگا۔

(f) اس کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو پاکستان کے عام شہری کو حاصل ہیں اور نہ ہی وہ قانون سے بالاتر متصور ہوگا۔

(g) وہ شوریٰ کے فیصلوں کا پابند ہوگا۔

PakistanMustafa.com

علاوہ ازیں کونسل نے یہ بھی سفارش کیا۔

(h) حدود آرڈیننس 1979ء میں تجویز کردہ سزاؤں میں صدر کو کوئی اختیار نہیں ہوگا کہ وہ ان سزاؤں میں کسی قسم کی تخفیف کر سکے۔ علاوہ ازیں تعزیرات کے تحت دی جانے والی سزاؤں کے سلسلہ میں اسے اختیار ہوگا کہ وہ کسی بھی سزا یافتہ کی سزا میں تخفیف کرے یا معاف کر دے۔

(i) اگر صدر کسی سنگین، بدعنوانی میں ملوث پایا جائے تو شوریٰ کو اختیار حاصل ہوگا کہ وہ اسے اس کے عہدے سے ہٹا دے خواہ آئین اس کے متعلق جو مرضی کہتا رہے۔

(j) اگر دوران اقتدار صدر وفات پا جائے۔ استعفیٰ دے دے یا اسے برخاست کر دیا جائے تو شوریٰ کو اختیار حاصل ہوگا کہ وہ اپنی باڈی سے کسی شخص کو صدر منتخب کر دے تا کہ وہ باقی عرصہ جو سابقہ صدر کا باقی رہتا ہو اسے پورا کرے۔

(k) صدر کی غیر حاضری یا ذہنی وجسمانی صلاحیت میں کمی واقع ہو جانے سے، شوریٰ کا چیئرمین اسی وقت تک صدر کے عہدے پر متمکن رہے گا جب تک پہلا صدر اوپر بیان کی گئی حالتوں پر قابو نہ پا لے۔

(l) آرمڈ فورسز کسی قسم کا آئینی کردار ادا نہ کر سکیں گی۔

جنرل ضیاء الحق نے ایک مرتبہ پھر اس امر کا اعادہ کیا کہ 1973ء کے آئین میں ترامیم کی اشد ضرورت ہے وہ کسی لحاظ سے مکمل نہیں ہے۔ اس لیے عام تصور تھا کہ وہ نئی شوریٰ کے انتخاب کا انتظار کر رہے ہیں تا کہ آئین میں مناسب تبدیلیاں لا سکیں۔ اس لیے نئے حالات پر گفتگو کا بازار اور گرم رہا جن کے متعلق شوریٰ نے فیصلے کرنے تھے۔

انصاری کمیشن رپورٹ

ہر رپورٹ گورنمنٹ کے فارم سے 6 دسمبر 1984ء کو منظر عام پر آئی اس میں سفارشات کا تعین نہ کیا گیا تھا بلکہ نئے ایشوز کو ڈسکس کیا گیا تھا۔ شوریٰ پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی تھی۔ انتخابات میں سیاسی جماعتوں کا کردار، اس بات کا عندیہ کیا الیکشن کرانا وقت کی ضرورت ہے اور ضیاء صاحب کو کن

حالات کے متعلق کیا کرنا ہوگا؟ کیا الیکشن کے بعد ضیاء تمام اختیارات اپنی ذات میں مرکوز کر لیں گے۔

الیکشن کمیشن ان دنوں 1981ء کی مردم شماری کے تحت الیکشن کروانے کے لیے اپنے فرائض منصبی میں مصروف تھے۔ وہ الیکٹ ٹیکسوں کی خریداری اور امیدواروں کو انتخابی نشان الاٹ کرنے میں مصروف تھے اسی اثناء میں کونسل آف اسلامک آئیڈیالوجی کی طرف فتویٰ آیا کہ اگر جماعتی انتخابات کرائے گئے تو وہ غیر اسلامی اور غیر قانونی ہوں گے اور یہ قرآن وسنت کی تعلیمات سے اس کی حیثیت غیر اسلامی ہوگی۔ شوریٰ نے انتخابات کے لیے تجاویز دیں کہ 25 فروری کو قومی اسمبلی کے الیکشن اور 28 فروری کو صوبائی اسمبلیوں کے الیکشن ہوں گے۔

نئے انتخابات اور انتخابی نشستیں

جنرل ضیاء الحق نے اس امر کا تعین کیا کہ قومی شوریٰ کی 207 نشستیں ہوں گی اس کے ارکان ضلع وائز 1981ء کی مردم شماری کے مطابق لیے جائیں گے۔ 10 نشستیں اقلیتوں کے لیے ہوں گی جسے قومی اسمبلی کے نمائندے مقرر کریں گے۔ اگست 1983ء کے عرصہ کے دوران جب الیکشن کرانے کا اعلان ہوا تو رائے عامہ میں یہ بات گردش کرنے لگی کہ آیا ضیاء الحق جماعتی یا غیر جماعتی طور پر الیکشن کرائیں گے؟ کیا ایسا کرنا ملک کے مفاد میں ہوگا؟ اس امر کے بارے میں بھی تشویش پائی جاتی تھی کہ حکومت اپنے مخالفین سے کس رویہ سے پیش آئے گی؟ کیا اس الیکشن کی مخالفت کرنے کو گرفتار، جلاوطن کر دیا جائے گا! کیا سیاسی جماعتوں اور میڈیا پر پابندی لگا دی جائے گی؟ کیا مذہبی فرقہ بندی جائز ہے اور سیاسی فرقہ بندی ہی غلط ہے؟ اس طرح منتخب شدہ ارکان انتخابات کے بعد ایک پارٹی نہ بن جائیں گے اور ملک پر ایک ہی پارٹی کی حکومت ہوگی۔

لہٰذا انتخابات سے قبل سیاسی جماعتوں اور میڈیا پر پابندی عائد کر دی گئی۔ ایک یہ بھی ایشو اہم تھا کہ ملک کے دوسرے مکتبہ فکر مذہبی سکالرز بعد میں کونسل کے اقدامات سے متفق ہوں گے۔

12 اگست کے اعلان کے بعد کی صورتحال

12 اگست کے اعلان کے بعد ملک کے سیاسی قائدین اور لبرل سول سوسائٹی کے لوگ اس

Pakistanstudy.com

سارے عمل کو بدعملی سے تعبیر کر رہے تھے۔ اسی لیے سیاسی جماعتوں نے جلوسوں کی شکل میں احتجاج کرنا شروع کر دیا۔ ان جلسوں میں سابقہ ججز اور وکلاء کی بڑی تعداد شرکت کر رہی تھی۔ ان کا مطالبہ ہی یہی تھا کہ ضیاء پلان بدنیتی پر مبنی ہے۔ ملک میں جمہوریت کی بجائے آمریت قائم کی جا رہی ہے یہ ملک توڑنے کا سلسلہ ہے حکومت کو اپنے رویئے پر غور کرتے ہوئے 1973ء کے آئین کے تحت الیکشن کروانے ہوں گے۔

ضیاء نے مختلف قسم کے بیانات جاری کر کے اپنے مفاد کا تحفظ چاہا اس نے تمام جماعتوں کو دھمکی لگائی کہ اگر ان کا یہی کردار رہا تو حکومت مخالف تمام جماعتوں کو مستقل بنیادوں پر کالعدم قرار دے دیا جائے گا۔

انہوں نے سیاسی جماعتوں کو کہا کہ وہ اپنی جماعتوں کو رجسٹرڈ کرائیں۔ بغیر رجسٹرڈ سیاسی جماعت کو رجسٹرڈ کرانے کا موقع دیا گیا تھا وہی جماعت رجسٹرڈ کی جائے گی جو اپنے ائم کی واضح تفصیل دے اور حکومت اس سے متفق ہو۔

ریفرنڈم اور الیکشن

یکم دسمبر 1984ء کو ضیاء الحق نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے اعلان کیا کہ ان کی پالیسیوں پر اعتماد کے لیے 19 دسمبر کو الیکشن کمیشن نے زیر اہتمام ریفرنڈم ہوگا یہ ہاں یا ناں کی صورت میں ہوگا جس کا فیصلہ عوام کریں گے۔ اگر عوام ہاں پر مہر لگائیں گے تو اس کا مطلب ہوگا کہ موجود حکومت پر اعتماد اور پالیسیوں کی تائید اور صدر کو پانچ سال کے لیے صدر منتخب کرنا ہوگا۔ صدر کی حمایت میں عوام کے ووٹ کا مطلب استحکام پاکستان، نظریہ پاکستان اور نفاذ اسلام کی حمایت ہوگا انہوں نے اپنے خطاب میں قوم پر کیے گئے اسلامی اقدامات گنوائے اور ان سے اعتماد کا ووٹ مانگا۔ انہوں نے کہا کہ یہ ووٹ اسلامی جمہوریت کی توثیق کے لیے بھی ہوگا۔

ریفرنڈم کے اعلان کے بعد سیاسی جماعتوں کے عمل کا تاثر مختلف تھا۔ MRD نے ریفرنڈم کے بائیکاٹ کی اپیل کی۔ موقع پرست عناصر نے اخبارات اشہارات سے بھر دیئے اور صدر کو واضح کامیابی اور تعاون کی یقین دہانی کرائی شیعہ علماء کے وفد نے علامہ نصیر الاجتہادی کی قیادت میں ضیاء

سے ملاقات کی اور انہیں ریفرنڈم میں اپنے تعاون کا یقین دلایا۔ پیر پگاڑو نے پیشن گوئی کی کہ 95 فیصد ووٹ ضیاء کے حق میں ملیں گے لہٰذا وزیر اعظم ہم ہی میں سے لیا جائے گا۔ جماعت اسلامی کا موقف تھا کہ پاکستان کی بنیاد ہی اسلام ہے۔ اس لیے کسی ریفرنڈم کی ضرورت نہ ہے۔ علاوہ ازیں شوریٰ کے اکثر اراکین اس ریفرنڈم کے خلاف تھے۔ یہ بھی طے ہوا کہ میاں طفیل اس سلسلہ میں صدر سے ملاقات کریں گے اور شرائط منوا کر کوئی فیصلہ کریں گے بعد ازاں جماعت نے مشروط طور پر ریفرنڈم کی حمایت کر دی مگر جماعت کے زیادہ اکابرین ریفرنڈم کی مخالفت کرنے میں پیش پیش رہے۔

سرکاری اعلان کے تحت ریفرنڈم کے روز 62.16 فی صد ووٹ کاسٹ ہوئے صدر کے حق میں 97.71 فیصد ووٹ ڈالے گئے رجسٹرڈ ووٹوں کی تعداد ساڑھے تین کروڑ تھی۔ اسی میں سے 2 کروڑ 18 لاکھ ووٹ کاسٹ ہوئے ان میں سے 2 کروڑ 13 لاکھ ووٹرز نے "ہاں" پر مہر لگائی۔ ایم آر ڈی کا دعویٰ کا تھا کہ ووٹوں کی کاسٹنگ صرف 5 تا 10 فیصد ہوئی ہے۔

ریفرنڈم سے ضیاء الحق کی پوزیشن مزید مضبوط ہوگئی اور وہ اعتماد کے ساتھ انتخابات منعقد کروانے کے قابل ہو گئے۔ 12 جنوری 1985ء کو قومی اسمبلی کے لیے انتخابات اور 25 فروری اور صوبائی اسمبلیوں کے لیے 28 فروری کے انتخابات کا اعلان ہوا۔

اس دور میں صرف جماعت اسلامی نے اپنی پارٹی کو رجسٹرڈ کرایا تھا۔ اس نے اعلان کیا کہ وہ انتخابات میں حصہ لے گی حالانکہ دوسری جماعتوں نے اپنا کوئی اُمیدوار کھڑا نہ کرنے کا اعلان کر رکھا تھا۔ ایم آر ڈی اور دوسری سیاسی جماعتوں کو خدشہ تھا کہ اگر انہوں نے الیکشن میں حصہ لینا چاہا تو ضرور ضیاء الحق انہیں بعض تکنیکی قوانین کی بدولت ان کے راستے میں سنگ گراں بن گے اور انہیں عدالتوں سے فنانس کلیئرنس اور رجسٹریشن کروانے کے لیے کہیں گے۔ عبدالحفیظ پیرزادہ اور بے نظیر رہائی کے بعد لندن چلے گئے۔

اخبارات نے سیاسی معاملات کو خوب اچھالا MRD کی ناکامی پر اخباروں نے مضحکہ خیز کارٹون شائع کیے۔ بعض افراد نے الیکشن میں حصہ لینے کے لیے عدالتوں سے رجوع کیا کچھ اپنی اہلیت ثابت کرنے میں ناکام اور بعض کامیاب رہے۔ 12 جنوری کو ضیاء نے ایک ملٹری آرڈر کا اعلان کیا جس کے تحت انتخابات میں حصہ لینے والے نہ تو جلسے جلوس کو کر سکیں گے اور نہ ہی اپنی پبلسٹی کے ضمن میں ریڈیو اور ٹی وی کا سہارا لے سکیں گے۔ چھوٹے پیمانے پر ریلیاں نکالی جائیں گی اور کارنر میٹنگ کی اجازت

PakistaniYouth.com

ہوگی۔ بینرز، پوسٹرز اور ہینڈ بلز شائع کروانے کی ممانعت ہوگی۔ یہ ایک پر ہنگامہ خیز Compaign نہ تھی گرفتار شدہ افراد اور لیڈروں نے پھر بھی کسی نہ کسی طریقے سے سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لیے رکھا۔

الیکشن کے وقت 1095 افراد کو 207 نشستوں پر الیکشن لڑنے کے اہل قرار دیا گیا۔ یہ نشستیں قومی شوریٰ کی تھیں۔ عورتوں کو بھی آزادانہ طریقے سے الیکشن لڑنے کی اجازت دی گئی کہ وہ کسی بھی مرد کے مدمقابل قسمت آزمائی کر سکتی ہیں۔ لہٰذا 13 عورتوں نے حصہ لیا اس میں صرف ایک کامیاب ہو سکی۔ اقلیتوں کے نمائندگان نے بھی الیکشن میں حصہ لیا انہیں ریڈیو اور ٹی وی پر اشتہاری مہم اور انٹرویو کے لیے کم وقت دیا گیا۔ ہر صوبے کو صوبائی طور پر 18 نشستیں دی گئیں۔ یہ نشستیں سکالرز، ٹیکنو کریٹ اور پیشہ ور لوگوں کے لیے تھیں۔ فاٹا کو 5 اور فیڈرل ایریا کو 2 نشستیں دی گئیں۔

اس الیکشن کی اہم بات یہ تھی کہ اس برداری ازم کا بھوت لپک آیا یہ جماعتی نہ سہی بلکہ برادریوں کا الیکشن بن گیا تمام افراد برادری اتحاد کی بنیادوں پر مہم چلا رہے تھے اور حکومت اس سلسلے میں خاموش تماشائی بنی رہی۔

16 جنوری کو غیر رجسٹرڈ سیاسی جماعتوں کو بھی الیکشن میں حصہ لینے کی دعوت دے دی گئی۔ اس اعلان سے نصرت بھٹو، بے نظیر بھٹو، غلام مصطفیٰ جتوئی، ولی خاں، شیر باز مزاری، ٹکا خاں، بیگم نسیم ولی خاں اور جنرل نصیر دین بابر اہل قرار پا گئے۔ کاغذات نامزدگی کی پڑتال کے بعد محمد خاں جونیجو، الٰہی بخش سومرو، ظفر اللہ خاں جمالی اور محی الدین بلوچ بلا مقابلہ MNA منتخب ہو گئے۔ مگر ان کے مخالفین میں سے کسی کو نہ تو اغوا کیا گیا اور نہ ہی فنی طریقے سے ان کے کاغذات مسترد کیے گئے۔

یہ غیر جماعتی الیکشن سابقہ انتخابات بات سے بہت بہتر تھے۔ الیکشن کے دوران بہت کم شکایات اور واقعات منظر عام پر آئے۔ لوکل لیول پر بعض نتائج کو چیلنج بھی کیا گیا۔ اس الیکشن میں 40% تا 50% ووٹروں نے اپنا حق رائے دہی استعمال کیا۔ اس انتخابات کو اسلامی جمہوریت کی طرف ایک قدم قرار دیا گیا۔

9 میں سابقہ شوریٰ کے 5 ممبران الیکشن ہار گئے اور کئی صوبائی اور فیڈرل وزراء بھی نشستیں ہار گئے۔ اس میں بعض ملٹری افسران نیشنل شوریٰ کے بنیاد پرست ممبران بھی تھے۔ ضیاء الحق کے وفادار الیکشن میں ناکام ہو گئے۔ عوام نے ضیاء اور ملٹری کے خلاف کھل کر اپنی بھڑاس ووٹ کے ذریعے نکالی ضیاء الحق نے قرار دیا کہ ایسا ہونا اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ یہ الیکشن فیئر اینڈ فری تھے۔

ضیاء الحق کے ساتھ ساتھ تمام سیاسی پارٹیوں کے صدر اپنی کامیابی کے طبلے بجا رہے تھے۔

MRD سمیت۔ پیر پگاڑو بھی اپنے آپ کو کامیاب قرار دے رہے تھے۔ پیر صاحب کے ساتھ مسلم لیگ کے کامیاب 40 ممبران بھی تھے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ اب شوریٰ پر ہمارا قبضہ ہوگا۔ BBC نے اپنے تبصرے میں کہا کہ 50 سے 52 ممبران جن کا تعلق پیپلز پارٹی سے ہے وہ کامیاب ہو چکے ہیں۔ لہٰذا پیپلز پارٹی اور بعض دوسرے اراکین نے اسمبلی میں اچھی خاصی پوزیشن پارٹی بنالی تھی۔

10 مارچ کو ضیاء الحق نے 1973ء کے آئین کی 252 تا 280 تک کی دفعات کی بحالی کا اعلان کر دیا۔ 12 مارچ کو صوبائی اسمبلیوں کے اجلاس بلائے گئے جس میں ارکان سینٹ کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔ 20 مارچ کو ضیاء نے ارکان پارلیمنٹ سے مشورہ کر کے محمد خاں جونیجو کو وزیر اعظم مقرر کر دیا۔

نیا آئین: The New Constitution

ضیاء الحق حکومت کے ساڑھے سات سالہ مارشل لائی دور میں حکومت نے اکثر اپنے مفادات اور وقتی ضرورت کے تحت ریفرنس کے ذریعے آئین میں ترامیم کیں۔ حزب اختلاف ہمیشہ 1973ء کا آئین بحالی کرنے کا مطالبہ کرتی رہتی تھی اور غیر آئینی ترامیم کے خلاف تھی۔ اس نے مطالبہ کیا تھا کہ ایسی ترامیم جو فرد واحد نے کی ہیں۔ ان ریفرنس یا آرڈیننس کو منتخب شدہ اسمبلی منظور کرانا لازمی ہے۔ مگر ایسا نہ ہو سکا۔

الیکشن کے صرف 5 دن بعد یعنی مارچ 1985ء کو نیشنل شوریٰ اور صدر ضیاء الحق نے آرڈر نمبر 1985ء کے ذریعے 1973ء کے آئین کی بحالی کا اعلان کیا۔ اسے پاکستان گزٹ میں شائع کیا گیا۔ بک سٹورز پر اس کے متعلق 55 صفحات کے پمفلٹ بھی رکھے گئے۔ اس کے اہم نکات درج ذیل تھے۔

1- صدر حکومت سربراہ (Head of State) ہوگا۔

2- صدر جس کو مناسب سمجھے وزیر اعظم مقرر کر سکے گا۔ وزیر اعظم اسی کو منتخب کیا جائے گا جو صدر کے ساتھ پہلے وزیر اعظم رہا ہو۔ وزیر اعظم کا کردار مشورہ دینے کا سا ہوگا۔ محمد خاں جونیجو کو سابقہ کارکردگی کی بناء پر وزیر اعظم بنایا گیا کیونکہ وہ سابقہ دو گورنمنٹس میں وزیر ریلوے رہ چکے تھے۔ علاوہ ازیں قرار دیا گیا کہ وزیر اعظم 60 دن کے اندر قومی شوریٰ سے اعتماد کا ووٹ لے گا۔

3- نئے آئین کے تحت اگر صدر مناسب سمجھے تو کسی بھی وقت قومی یا صوبائی شوریٰ کو توڑ سکے گا۔

Pakistanmaterial.com

لہٰذا تصور کیا گیا کہ موجودہ شوریٰ کمزور ادارہ ہے۔

4- صدر کی مدت پانچ سال ہوگی اس کو صرف نیشنل شوریٰ عہدے سے فارغ کر سکے گی۔ اس کے لیے طریقہ کار پہلے جیسا ہوگا۔

5- کابینہ کی تقرری صدر کرے گا۔

6- صدر صوبوں کے گورنروں کی تقرری خود کرے گا انہیں صوبائی سطح پر وہ اختیارات حاصل ہوں گے جو کہ صدر مملکت کو حاصل ہوتے ہیں۔

7- صدر آرمڈ فورسز کا ہیڈ ہوگا۔

8- شوریٰ جو بھی بل پاس کرے صدر کو اس بل پر Veto (ویٹو) کا حق حاصل ہے۔ ویٹو کرنے کے بعد سے اکثریت کا ووٹ لینا ہوگا۔

9- قرار داد مقاصد کو دستور کا حصہ بنایا جائے گا۔ اس طرح ریاست کا مذہب اسلام قرار دیا جائے گا اگر اس پر کسی نے گڑبڑ کی تو اسے کورٹ میں لیجایا جائے گا۔

ضیاء الحق نے چھوٹی موٹی پاور (اختیارات) چھوڑ کر سارے اختیارات اپنی ذات میں سمو لیے۔ پاکستان میں اسلامی جمہوریت لانے کے لیے سب کچھ کیا۔ انہوں نے کہا کہ اس طرح پاکستان میں تھیوکریسی (ملاں کی حکومت) نہیں آسکے گی اور پاکستان قطعی طور پر جدید اسلامک ڈیموکریٹک اسٹیٹ بن جائے گی۔ انہوں نے قوم سے یہ وعدہ بھی کیا کہ وہ جلد ملٹری کا عہدہ چھوڑ کر سویلین صدر بن جائیں گے۔ اس کے لیے انہوں نے کوئی تاریخ مقرر نہ کی۔ اگر غور سے ضیاء الحق کے پروگرام کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ جمہوری روایات کا بدترین دشمن تھا۔ اسلام کا نام لے کر سب کو اپنے گرد گھمانا چاہتا تھا۔ وہ اختیارات کا محور بن کر اپنی آمریت کو دوام دینا چاہتا تھا۔ کبھی اسلام کی بنیاد مجلس شوریٰ کو قرار دیتا تو کبھی مجلس شوریٰ کو اپنے انڈر چلانے کی کوشش کرتا۔ وقت کے ساتھ ساتھ سیاسی پتھرے بدلتا اور مذہبی لوگوں سے داد وصول کرتا۔ اسلام کے اطلاق کے طور پر وہ اسے رسمی اطلاق تک محدود رکھتا۔ سیاسی فرقہ بازی کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا۔ مگر مذہبی فرقہ بندی کو فروغ دینے میں پیش پیش رہا۔ کبھی شوریٰ کو پریشر گروپ بنا کر عوام کے سامنے پیش کرتا اور کبھی خود پریشر گروپ بن جاتا۔

سوالات

سوال نمبر1۔ ''کہا جاتا ہے کہ بھٹو PNA کے بارے میں بے اصول پالیسی نے تیسرے مارشل لاء کا راستہ ہموار کیا'' دلائل دے کر اس بیان کی صداقت واضح کریں۔

سوال نمبر2۔ ضیاء کے ابتدائی دور حکومت میں جماعت اسلامی کے کردار کو واضح کریں۔

سوال نمبر3۔ MRD کے مقاصد کیا تھے؟ اس تحریک کا جمہوری حوالے سے کردار واضح کریں۔

سوال نمبر4۔ سال 1977ء کے اہم واقعات پر روشنی ڈالیں۔

سوال نمبر5۔ ضیاء کی مجلس شوریٰ اس کی کارکردگی اور مقاصد پر مدلل نوٹ لکھیں۔

سوال نمبر6۔ ضیاء نے کونسل آف اسلامک آئیڈیالوجی کیوں ترتیب دی۔ اس آئین کی ہیت و ترکیبی بیان کریں کیا اس سے خاطر خواہ نتائج نکلے۔ دلائل کی روشنی میں اپنے جواب کی وضاحت کریں۔

سوال نمبر7۔ 1984ء کے ریفرنڈم کے متعلق تنقیدی جائزہ پیش کریں۔

سوال نمبر8۔ ضیاء دور میں عوام کی جمہوری جدوجہد پر نوٹ لکھیں۔

سوال نمبر9۔ 1985ء کے انتخابات کیونکر کرائے گئے۔ اس کے نتائج اور اس کے نتیجہ میں بننے والی نئی حکومت کے خدوخال بیان کریں۔

سوال نمبر10۔ مختصر نوٹ لکھیں۔

(i) انصاری کمیشن رپورٹ

(ii) اسلامائزیشن کا عمل

(iii) الذالفقار کا طیارہ اغوا کرنا اور حکومتی ردعمل

(iv) الیکشن 1985ء پر MRD کا ردعمل۔

☆☆☆

PakistaniStudy.pk

باب نمبر6

اسلامائزیشن اور ضیاء الحق کی آئینی تجاویز

ISLAMIZATION AND CONSTITUTIONAL PREPOSALS OF ZIA-UL-HAQ

Introduction

تعارف:

ضیاء الحق نے ملک میں اسلامی جمہوریت نافذ کرنے کے لیے بعض اقدامات کئے۔ اسلامائزیشن اور صدر کے اختیارات میں اضافہ کے لیے انہوں نے 1973ء کے آئین کی 50 دفعات میں ترامیم کی تجاویز پیش کیں اور بعد ازاں ان تجاویز کو آئین کا ترمیمی حصہ قرار دے دیا گیا ضیاء الحق کی اکثر ترامیمی تجاویز کا تعلق آئین کو اسلامی بنانے کے ضمن میں تھا۔ ایسی ترامیم جن کا تعلق اسلامی دفعات سے تھا اسے اسمبلی سے بغیر کسی اعتراض کے منظور کروالیا گیا۔

ایسی اسلامی دفعات جن کو قومی اسمبلی سے پاس نہ کروایا گیا وہ اسلامک قانون سے متعلقہ تھیں مگر ضیاء الحق کی مخصوص تجاویز جنہیں وہ اسمبلی سے منظور کروا کر آئین میں ترامیم کا باب کھولنا چاہتے تھے ان دفعات سے صدر کے صوابدیدی اختیارات میں اضافہ کرنا مقصود تھا۔

آرٹیکل نمبر48:

آرٹیکل 48 اصل میں صدر کے اختیارات کے متعلق ہے بھٹو کا آئین بہت سادہ تھا اس میں کہا گیا تھا صدر جو بھی اختیارات اپنے نام سے استعمال کرتا ہے ان کا مشورہ وزیر اعظم دیتا ہے یا آسان الفاظ میں کہ وزیر اعظم احکامات تیار کرتا ہے اور انہیں صدر کے دستخطوں کے ساتھ نافذ کرواتا ہے۔ آئین صدر کو پابند کرتا ہے کہ وہ وزیر اعظم کے مشوروں پر عمل کرے یوں جو اختیارات بظاہر صدر استعمال کرتا ہے فی الواقع وہ وزیر اعظم کے اختیارات ہوتے ہیں۔ ضیاء الحق نے آرٹیکل نمبر 48 کو

تبدیل کر کے اس طرح پیش کیا:

1- اپنے کارہائے منصبی کی انجام دہی میں صدر کابینہ (یا وزیر اعظم) کے مشورے کے مطابق عمل کرے گا۔

مگر شرط یہ ہے کہ صدر کابینہ یا جیسی بھی صورت ہو، وزیر اعظم سے یا تو عام طور پر یا بصورت دیگر مذکورہ مشورے پر دوبارہ غور کرنے کے لیے کہہ سکے گا اور صدر مذکورہ دوبارہ غور کے بعد دیئے گئے مشورے کے مطابق عمل کرے گا۔

2- شق (1) میں شامل کسی امر کے باوجود صدر کسی ایسے معاملے کی نسبت جس کے بارے میں دستور کی رو سے ایسا کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اپنے صوابدید پر عمل کرے گا (اور کسی اسی چیز کے جواز پر صدر نے اپنی صوابدید پر کی ہو کسی وجہ سے کچھ بھی ہو اعتراض نہیں کیا جائے گا۔)

3- دستور کے (ترمیم ہشتم) ایکٹ xviii الف 1985 سے حذف ہوا۔

4- اس سوال کے متعلق کہ آیا کوئی، اور اگر ایسا ہے تو کیا، مشورہ کابینہ وزیر اعظم، کسی وزیر یا وزیر مملکت نے صدر کو دیا تھا، کسی عدالت، ٹریبونل یا دیگر ہیت مجاز میں یا اس کی طرف سے تفتیش نہیں کی جائے گی۔

5- جبکہ صدر قومی اسمبلی کو توڑ دے، تو وہ اپنی صوابدید پر (الف) اسمبلی کے لیے عام انتخابات منعقد کرنے کے واسطے کوئی تاریخ مقرر کرے گا جو اسمبلی توڑے جانے کی تاریخ سے (نوے) دن سے زیادہ نہ ہوگی اور (ب) وہ نگران کابینہ کا تقرر کرے گا۔

6- اگر صدر کسی بھی وقت اپنی صوابدید پر یا وزیر اعظم کے مشورے پر یہ سمجھے کہ مناسب ہے کہ قومی اہمیت کے کسی معاملے کو ریفرنڈم کے حوالے کیا جاوے تو صدر اس معاملے میں ایک ایسے سوال کی شکل میں جس کا جواب یا تو ''ہاں'' یا ''نہیں'' میں دیا جا سکتا ہو ریفرنڈم کے حوالے کرنے کا حکم دے گا۔

7- مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کے ایکٹ کے ذریعے ریفرنڈم منعقد کرنے اور اس کے نتیجہ کی تدوین اور اشتمال کا طریقہ کار مقرر کیا جاوے گا۔

Pakistanstudy.pk

آرٹیکل نمبر 58 قومی اسمبلی توڑنے کا اختیار

اس میں تبدیلی کر کے اپنے اختیارات میں اضافہ کرتے ہوئے قرار دیا گیا۔

2- صدر اپنی صوابدید کی بنیاد پر قومی اسمبلی توڑ سکے گا جبکہ اس کی رائے میں

(i) وزیراعظم کے خلاف عدم اعتماد کا ووٹ پاس ہو چکا ہو اور کوئی اور رکن اسمبلی میں اکثریت کی حمایت حاصل نہ ہو۔

(ii) ایسی صورتحال پیدا ہو جائے کہ وفاق کی حکومت دستور کے مطابق نہ چلائی جا سکتی ہو اور انتخاب کنندگان سے فیصلہ چاہنا لازمی ہو۔

آرٹیکل نمبر 90:

اس میں نئی شق کا اضافہ کر کے قرار دیا گیا کہ اس شک وشبہ سے بچایا جائے کہ کسی موجودہ قانون کے تحت کسی صوبائی اسمبلی کے کارہائے منصبی میں سے کوئی مذکورہ آرٹیکل کی وجہ سے صدر کو منتقل ہو گئے ہیں۔

آرٹیکل نمبر 91: کابینہ کے متعلق ہے

(1) صدر کو اس کارہائے منصبی کا انجام دہی میں مدد اور مشورہ دینے کے لیے وزراء کی ایک کابینہ ہوگی جس کا سربراہ وزیراعظم ہوگا۔

(2) صدر اپنی صوابدید کے مطابق قومی اسمبلی کے ارکان میں سے ایک وزیراعظم مقرر کرے گا جس کے قومی اسمبلی کے ارکان کی اکثریت کے ارکان کا اعتماد حاصل کرنے کا اس کے رائے میں زیادہ سے زیادہ امکان ہو۔

(الف) شق (2) میں شامل کسی امر کے باوجود 20 مارچ 1991ء کے بعد صدر قومی اسمبلی کے ایسے رکن کو وزیراعظم بننے کی دعوت دے گا جو قومی اسمبلی کے ارکان کی اکثریت کا اعتماد رکھتا ہو جس طرح کہ دستور کے احکام کے مطابق اس غرض سے طلب کردہ اسمبلی کے اجلاس سے معلوم ہوا ہو۔

(3) شق (2) کے تحت مقرر کردہ (یا جیسی بھی صورت ہو شق (2) الف کے تحت منظور شدہ شخص، عہدہ پر فائز ہونے سے قبل صدر کے سامنے جدول سوم میں دی گئی عبارت میں حلف اٹھائے

گا اور اس سے ساٹھ دن کی مدت کے اندر قومی اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ حاصل کرے گا۔

(4) کابینہ مع وزرائے مملکت اجتماعی طور پر قومی اسمبلی کے سامنے جوابدہ ہوگی۔

(5) وزیراعظم صدر کی خوشنودی پر عہدہ پر فائز رہے گا لیکن صدر اس شق کے تحت اپنے اختیارات استعمال نہیں کرے گا تاوقتیکہ اسے یہ اطمینان نہ ہو کہ وزیراعظم کو قومی اسمبلی کے ارکان کی اکثریت کا اعتماد حاصل نہیں ہے، جس صورت میں وہ قومی اسمبلی کو طلب کرے گا اور وزیراعظم کو اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ حاصل کرنے کا حکم دے گا۔

(نوٹ) آٹیکل نمبر 90,91، 1956 کے آئین کے دفعہ نمبر 37 اور 39 کے ماخوذ معلوم ہوتی ہیں۔

آرٹیکل نمبر 105:

ضیاء الحق کی تجویز تھی کہ

(i) صوبوں کے گورنروں کی تقرری کے اختیارات صدر کے پاس ہوں۔

(ii) صدر اپنی صوابدیدی اختیارات کے تحت گورنروں کو منتخب کرے گا اور وہ اس ضمن میں وزیراعظم کے مشورہ کا محتاج نہ ہوگا۔

(iii) از خود چیف منسٹر کا تقرر کرے۔

(iv) اگر صوبائی کابینہ کو صوبائی اسمبلی پر اعتماد نہ رہے تو کابینہ کو توڑ دے۔

(v) جب رائے عامہ سے ووٹ لینا لازمی ہو جائے تو صوبائی اسمبلی کا جنازہ نکال دے۔

آرٹیکل نمبر 105 کا عنوان گورنر مشورے وغیرہ پر عمل کرے گا کے مطابق شق نمبر 2 ہے۔

(2) اس سوال کی کہ آیا کوئی، اور اگر ایسا ہے تو کیا، مشورہ وزیراعظم (کابینہ) نے گورنر کو دیا تھا کسی عدالت ٹریبونل یا دیگر ہیت جناز یا اس کی طرف سے تفتیش نہیں کی جائے گی

(3) جبکہ گورنر صوبائی اسمبلی کو توڑ دے تو وہ اپنی صوابدید پر، مگر صدر کی ماقبل منظوری سے، نگران کابینہ مقرر کرے گا۔

(4) اس آرٹیکل کی رو سے صدر کو عطا شدہ اختیارات اس کی اپنی صوابدید کے مطابق استعمال کئے جائیں گے۔

آرٹیکل نمبر 101 اور 105 میں تبدیلی کے بعد ضیاء صاحب یہ بھی چاہتے تھے کہ صدر کا

Pakistanistudy.pk

کردار ایسا ہونا چاہیے کہ وہ براہ راست صوبائی سیاست پر اثر انداز ہو سکے جیسا کہ 1947ء کے آزادی ہند کے آئین میں گورنر جنرل کی حیثیت تھی اور جیسے اختیارات 1965ء کے آئین میں صدر کو دیئے گئے تھے اس لیے اس نے آرٹیکل نمبر 56 کو بھی چھیڑا۔

آرٹیکل نمبر 56:

اس میں اس نے ترمیم اس طرح کی شق

(2) صدر کسی بھی ایوان کو خواہ مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) میں اس وقت تک زیر غور کسی بل کی نسبت یا بصورت دیگر پیغامات بھیج سکے گا اور کوئی ایوان جسے کوئی پیغام بایں طور پر بھیجا جائے جملہ مناسب مستعدی کے ساتھ کسی ایسے معاملے پر غور کرے گا جس پر غور کرنے کے لیے پیغام کے ذریعے حکم دے دیا گیا ہو۔

(3) مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کے ہر اجلاس کے آغاز پر صدر یکجا دونوں ایوانوں سے خطاب کریگا اور مجلس شوریٰ کو اس کی طلبی کی وجوہ سے آگاہ کرے گا۔

(4) کسی ایوان کے ضابطہ کار اور اس کاروائی کے انصرام کو مضبوط کرنے کے لیے قواعد میں صدر کے خطاب میں محولہ معاملات پر بحث کے لیے وقت کا تعین کرنے کے لیے حکم وضع کیا جائے گا۔

ضیاء نے واضح کیا کہ وہ پارلیمنٹ میں جس طرح چاہیں دونوں ایوانوں سے خطاب کر سکتے ہیں اس کی تقریر پہلے کابینہ میں پیش نہیں کی جائے گی کہ وہ اس میں توثیق کرے، یا اجازت دے یا تقریر کرنے کی اجازت نہ دے جیسا کہ برطانیہ اور دولت مشترکہ کے ممالک میں ہوتا ہے کہ صدر کی تقریر سے قبل اس کی تقریر کے بارے میں کابینہ نے فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ آیا وہ ایسی تقریر کرے کے مجاز ہیں یا نہیں گورنمنٹ چاہے تو تقریر کے بعض حصے جملوں کو رد کر سکتی ہے ضیاء نے صاف انکار کر دیا تھا کہ وہ کسی کی لکھی ہوئی تقریر نہیں کریں گے اور ہم مغربی ممالک کے غلام نہیں ہیں کہ ہم ان سا طرز عمل اپنائیں۔

1973ء کے آئین میں کہیں صدر کو ویٹو پاور نہ دی گئی تھی اس کی حیثیت محدود تھی بل پاس کرنے کے سلسلہ میں اس کے اختیارات محدود تھے بھٹو کے آئین کے تحت صدر کو بل پاس کرنے کے لیے سات دن دیئے جاتے تھے اگر سات دن کے اندر صدر بل کی منظوری نہ دے تو متصور ہوتا تھا کہ بل پاس ہے خاموشی کو رضامند تصور کیا جاتا تھا۔

آرٹیکل نمبر 75:

اگر آرٹیکل نمبر 75 کا مطالعہ کیا جائے تو یہ 1956ء کے آئین کے آرٹیکل نمبر 57 کے عین مطابق ہے ضیاء نے اس میں اس طرح ترمیم کی۔

1- جب کوئی بل منظوری کے لیے بھیجا جائے گا تو صدر (تیس) دن کے اندر (a) بل کی منظوری دے دے گا۔

(b) کسی ایسے بل کی صورت میں جو مالی بل نہ وہ، بل کو اس پیغام کے ساتھ مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ یعنی قومی اسمبلی + سینٹ) میں واپس کر دے گا کہ بل پر یا اس کے کسی مصرحہ حکم پر، دوبارہ غور کیا جائے اور پیغام میں مصرحہ کسی ترمیم پر غور کیا جائے۔

2- جب صدر نے کوئی بل مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کو واپس بھیج دیا ہو اس پر مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) مشترکہ اجلاس میں دوبارہ غور کرے گا اور اگر اسے مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) دونوں ایوانوں کے حاضر اور ووٹ دینے والے ارکان کی اکثریت کے ووٹوں سے ترمیم کے ساتھ یا بلا ترمیم دوبارہ منظور کرے، تو اسے دستور کی اغراض کے لیے دونوں ایوانوں کی طرف سے منظور شدہ متصور کیا جائے گا اور اسے صدر کو پیش کرنے کے بعد اس کی منظوری نہیں روکے گا۔

3- جبکہ صدر نے کسی بل کی منظوری دے دی ہو تو وہ قانون بن جائے گا اور مجلس شوریٰ (پارلیمنٹ) کا ایکٹ کہلائے گا۔

آرٹیکل نمبر 243:

اس کے متعلق ہم پہلے بھی بیان کر چکے ہیں کہ مسلح افواج کی سپریم کمانڈ فیڈرل گورنمنٹ کے اختیار میں کمانڈر کا اختیار صدر کو تفویض کر دیا جائے گا 1956ء کے آئین میں بھی اس کا تذکرہ نہ تھا اور نہ ہی انڈین ایکٹ کے آرٹیکل میں اس کا تذکرہ ملتا ہے آرٹیکل نمبر 243 میں نئی کلاز (2A) شامل کر دی گئی کہ آرمڈ فورسز کی سپریم کمانڈ صدر کے پاس ہوگی۔

اسی آرٹیکل کی شق نمبر 2 میں کہا گیا

(2) صدر کو قانون کے تابع اختیار ہوگا کہ وہ (a) پاکستان کی بری، بحری، اور فضائی افواج اور مذکورہ افواج کے محفوظ دستے قائم کرے اور ان کی دیکھ بھال کرے۔ (b) مذکورہ افواج میں کمیشن عطا

Pakistanstudy.com

کرے اور (c) چیرمین جوائنٹ چیف آف سٹاف کمیٹی، بری چیف آف سٹاف بحری چیف آف سٹاف اور فضائی چیف آف سٹاف کا تقرر کرے اور ان کی تنخواہوں ارمراعات کا تعین کرے۔ یاد رہے کہ بری فوج کے چیف آف آرمی سٹاف جنرل محمد ضیاء الحق نے یہ عہدہ ستمبر 1978ء سے 17 اگست 1988ء تک سنبھالے رکھا۔

نیشنل سیکورٹی کونسل کا قیام آرٹیکل نمبر 152-A

ضیاء الحق فوج کو مستقل طور پر حکومت میں شامل رکھنا چاہتے تھے انہوں نے آرٹیکل 152-A کے تحت چار ٹاپ آرمی آفیسرز کو اس کا حصہ دار بنانا چاہا۔ لہٰذا اس سلسلہ میں اپوزیشن اور دوسرے اراکین میں بہت زیادہ تضاد پایا جاتا تھا ضیاء نے لوگوں سے منسوب کر کے اس کی وضاحت یوں کی تھی دراصل لوگ چاہتے ہیں کہ ایک ایسی پسپریم باڈی ہونی چاہیے جو براہ راست اسمبلی کے فیصلے کو ویٹو کر سکے لہٰذا یہ باڈی آرمی کے افسران ہی کی ہو سکتی ہے جو کہ ملک کے محافظ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ فوج کے خلاف جو بھی کہا جا رہا ہے وہ محض پروپگنڈا ہے۔ ضیاء فوج کو حکومت میں شامل کرنے کے لیے کوششیں کرتے رہے۔ ضیاء الحق کی کہ تجویز قومی اسمبلی نے منظور نہ کی حالانکہ ملک میں عرصہ دراز تک مارشل لاء لگی رہی آرمی بھی پاکستان میں ترکی اور انڈونیشیاء کی طرز حکومت چاہتی تھی لہٰذا پھر بھی ایمرجنسی کی صورتحال میں فوج کو قومی معاملات میں شامل کرنے کی اجازت دے دی گئی۔

صدر کے اختیارات میں مزید اضافہ کرنے میں ضیاء الحق کا کردار

1956ء کے آئین میں الیکشن کمیشن کا چیرمین اور ممبران، چیرمین اور ممبران بات فیڈرل سروس کمیشن احتساب کرنے کا اختیار صدر کو حاصل تھا مگر 1973ء میں ایسا ہرگز نہ تھا ضیاء نے زور دیا کہ اوپر بیان کردہ افراد کی تقرری بھی صدر کے صوابدیدی اختیارات میں ہونی چاہیے اس نے آرڈر نمبر 14 آف 1985، ریوایول آف 1973 آئین 1985 ROC مارچ 1985 ضیاء نے قومی اسمبلی کو خطاب کی اور انہوں نے دل کھول کر اپنی ترامیم اور مقاصد کا خاکہ پیش کیا جس کا خلاصہ یہ تھا۔ اب ہمیں صدر کے اختیارات کے بارے میں انصاف سے کام لینا ہوگا عقلمندی اسی میں ہے کہ حالات کے مطابق فیصلے کئے جائیں ہم نے اپنی تاریخ کے 37 سالوں کو اور گزشتہ 8 سالوں میں کیا سیکھا ہے کیا وزیر اعظم

کے مقابلے میں صدر کو اپاج ہونا چاہیے اگر طاقت کا توازن درست نہ ہوگا تو ملک کیسے چلے گا ہمیں میرٹ پر اصلاحات کرنی ہونگی آئین کسی بھی ملک کا بنیادی چارٹر ہوتا ہے اور اس کے گرد ہمارے اختیارات اور آرگنز (Organs) گھومتے ہیں ہم نے 1973 کے آئین میں جو ترامیم کی ہیں ان کی بنیاد انصاف پر ہے۔ ہم چاہتے ہیں چیک اینڈ بیلنس کا نظام بہتر سے بہتر بنایا جائے۔

اصل میں ضیاء 1937 کے برٹش انڈیا ایکٹ کے گورنر جنرل کی طرز پر صوابدیدی اختیارات حاصل کرنے کا داعی تھا حالانکہ 1947 کے آزادی ایکٹ میں گورنر جنرل اور صوبائی گورنروں کے اختیارات میں ختم کر دیے گئے تھے اور اس کی جگہ پارلیمنٹری جمہوریت کو متعارف کرایا گیا تھا تاکہ دونوں ریاستیں آزاد ہو سکیں۔

لہٰذا پاکستان کی قومی اسمبلی اس کی بعض ترامیم کو سرے سے ہی نہ منظور کرنا چاہتی تھی قومی اسمبلی نے صدر کا یہ صوابدیدی اختیار کہ وہ کسی بھی صوبے کے گورنر کو برطرف کر سکتا ہے، کو اسمبلی نے نامنظور قرار دے دیا۔

صدر کا یہ اختیار کہ وہ جب چاہیں وزیر اعظم کو برطرف کر دیں کے خلاف قومی اسمبلی نے ان کی تجویز سے اتفاق نہ کرتے ہوئے آرٹیکل نمبر 91 میں شرط لگا دی کہ اسے اس صورت میں برطرف کیا جا سکے گا اگر وہ قومی اسمبلی سے مقررہ مدت میں اعتماد کا ووٹ حاصل نہ کر سکے۔ اس طرح صدر کے اختیارات کے آمرانہ رویے کو کچھ کم کر دیا گیا اس طرح وزیر اعظم کی مدت عہدہ کو 1956 اور 1947 کے آئین سے بھی زیادہ محفوظ بنا دیا گیا اب صرف صدر وزیر اعظم کو تب ہی برطرف کر سکتا تھا جبکہ وہ پوری اسمبلی کر برخاست نہ کر دے اس صورت میں آرٹیکل نمبر 58 کو پابند کر دیا گیا کہ اگر وہ اس طرح اسمبلی توڑ دے تو 90 دنوں کے اندر انتخابات کرانے ہوں گے آرٹیکل نمبر 224 میں اس کی مزید وضاحت کر دی گئی کہ اگر قومی اسمبلی یا صوبائی اسمبلی اپنی مقررہ معیاد پوری کر لیتی ہے تو جس روز اس کی معیاد پوری ہو جائے اس روز سے ساٹھ دن کے اندر نئے انتخابات منعقد کروائے جائیں گے تاوقتیکہ اسے معیاد پوری ہونے سے پہلے ہی توڑ نہ دیا گیا ہو تا ہم پہلی صورت میں انتخابی نتائج کا اعلان 14 دن کے اندر اندر کر دیا جائے گا اگر صدر مملکت یا صوبائی گورنر وزیر اعظم کو اور صوبائی وزیر اعلیٰ کے مشورے سے یا اپنی صوابدید مذکورہ اسمبلیاں مقررہ معیاد کے خاتمہ سے پہلے توڑ دیں تو اس صورت میں نوے دنوں کے اندر اندر انتخابات کا انعقاد ضروری ہوگا اور اس کے نتائج کا اعلان بھی چودہ روز میں کرنے کا حکم دیا گیا ہے، سینٹ

Pakistanmw.com

کی نشستوں کا انتخاب اگر معیاد کے اختتام پر خالی ہو جائیں تو معیاد ختم ہونے سے زیادہ سے زیادہ 30 دن قبل پر کرنے کے لیے انتخاب کرایا جائے گا۔

آرٹیکل نمبر 48 کے تحت صدر کو صوابدیدی اختیارات دیئے گئے کہ کوئی ایسا معاملہ جو عوامی اہمیت کا حامل ہو تو وہ اس سلسلہ میں ریفرنڈم کروا سکتا ہے مگر اگر ہم برٹش ماڈل طرز کا آئین دیکھیں تو ہمیں صدر کے ایسے اختیارات کا عکس کہیں نظر نہیں آتا۔

مگر جب ان سے یہ سوال کیا جاتا کہ اس کی ترامیم برٹش پارلیمنٹ سسٹم میں نہ ہیں اور ہمارے آئین کا ڈھانچہ تقریباً کامن ویلتھ کے آئینوں کی کاپی ہے تو وہ اس کا جواب دیتے کہ ہمیں غیر ملکی آئینوں کی کوئی پرواہ نہیں ہم اسلامی جمہوریت کے علمبردار ہیں۔ لہٰذا وہ اس طرح اپنی اور صدر کے عہدے کی شکل مضبوط سے مضبوط کرتے گئے اور وہ اسٹیٹ کے (ان داتا) Ceremonial Head بن گئے وہ اپنی صوابدیدی اختیارات میں اضافہ کرنے میں کامیاب ہوتے رہے۔

جب مارشل لاء کے زیر سایہ قومی اسمبلی وجود میں آگئی اور آٹھویں ترمیم کے سلسلہ میں بل اسمبلی میں پیش کیا گیا تو وزیر قانون مسٹر اقبال احمد خان نے ضیاء کی کچھ ترامیم کو مسترد اور کچھ کو قبول کر دیا 28 اکتوبر 1985 کو انہوں نے سینٹ کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ 1973 کے آئین کے تحت پارلمانی نظام ہونے کی وجہ سے زیادہ اختیارات وزیر اعظم کے پاس ہیں اگر ہم نے پھر بھی صدر کی ترامیم کو زیادہ اہمیت دی اور وزیر اعظم اور صدر کے اختیارات میں توازن پیدا نہ کر سکے تو وہ دن دور نہیں کہ جب لوگ پھر 1977 کی طرح گلیوں اور بازاروں میں خون خرابے کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔

جس طرح پاکستان کے آئین کا حشر کیا جا رہا تھا اس کی نہ تو مثال امریکہ کے آئین میں اور نہ ہی برطانیہ کے آئین میں ملتی ہے پارلیمنٹ میں وزراء مملکت تو وزیر اعظم کے ماتحت تھے مگر ان کے انتظامی اختیارات چپکے چپکے صدر کے پاس بتدریج جا رہے تھے 88-1987 کے وزیر اعظم محمد خاں جونیجو نے بھی صدر کے بے پناہ اختیارات پر تنقید کرتے ہوئے اس پارلیمانی نظام کی بدترین مثال سے تشبیہ دی تھی۔

جب ایک انٹرویو لینے والے نے ضیاء سے ان اعتراضات کی پٹاری کھولی تو انہوں نے جواب دیا کہ ان کو جو مخصوص فرائض منصبی اور حقوق حاصل ہیں وہ عوام کے مینڈیٹ کا نتیجہ ہیں اس ضمن میں انہوں نے 1984 کے ریفرنڈم کا حوالہ دیا اور کہا میں جو کچھ کر رہا ہوں وہ قوم کے وسیع تر مفاد

کہا کہ وہ عام حالات میں وزیر اعظم کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کرتے اور ان کے اختیارات اتنے بھی زیادہ نہیں ہیں جن کا اپوزیشن پروپگنڈا کر رہی ہے۔

17 اپریل 1988 کو پارلیمنٹ سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے آئین اور اپنے اختیارات کے متعلق لب کشائی کرتے ہوئے باور کرایا "امریکہ اور برطانیہ کی آئینی ضروریات ہم سے مکمل طور پر مختلف ہیں دنیا میں ایسے بھی ممالک موجود ہیں جن کا جمہوری نظام مغربی نظریے سے بالکل مختلف ہے اور وہاں اچھے طریقے سے حکومتی نظام چل رہا ہے۔ آپ کے سامنے میری بطور صدر حالت نہ تو صدر ایوب کی سی ہے اور نہ 1973 کے آئین کے تحت فضل الٰہی جیسی ہے۔ اب جو سیاسی صورتحال جا رہی ہے اس کے تحت وزیر اعظم کی حیثیت "آقا" (Master) کی نہیں ہے اور نہ اس کی آواز آقا کی سی ہے"

اپریل مئی 1988 میں امریکی اور مغربی ڈپلومیٹ اسلام آباد آئے تاکہ وہ پاکستان کی سیاست کا مطالعہ کر سکیں اور اس سے کوئی نتیجہ حاصل کر سکیں وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اسمبلی میں چہروں کا اتحاد بن چکا ہے پارلیمانی نظام کے ہوتے ہوئے بھی ایک صدر جس نے براہ راست عوامی مینڈیٹ حاصل کر لیا ہے وہ خاص اختیارات کے مزے لوٹتا ہوا نظر آتا ہے۔

لہٰذا بات سچی ہوئی اور 29 مئی 1988 کو ضیاء الحق نے آئین کی دفعہ 58 کے تحت اختیارات استعمال کرتے ہوئے وزیر اعظم سمیت اسمبلی و کابینہ، چاروں صوبوں کے وزراء اعلیٰ سمیت صوبائی اسمبلیاں اور کابینہ برخاست کر کے اعلان کیا کہ انہوں نے ملک کی سالمیت اور آئین کے تحت ایسا کیا ہے اور سب کچھ کرنا ملک کے مفاد میں تھا انہوں نے خود اپنی کابینہ بنا کر ملک چلانے کا اعلان کیا کابینہ میں کوئی نگران وزیر اعظم منتخب نہ کیا اور جماعتی طور پر 90 دنوں میں انتخابات کرانے کا وعدہ کیا۔

جب ضیاء نے جونیجو حکومت پر طرف کی درج ذیل الزامات لگائے

1۔ ملک میں لاء اینڈ آرڈر مفقود ہو چکا تھا۔ جس کے نتیجہ میں بدامنی پھیل چکی تھی اور لوگوں کی قیمتی جانیں ضائع ہو رہی تھی۔

2۔ لوگوں کی جان، مال، عزت، تحفظ سب کچھ غیر محفوظ ہو چکا تھا۔

3۔ ملک کی سالمیت اور نظریاتی استحکام کو سخت خطرہ لاحق تھا۔

4۔ لہٰذا یہ میں نے 1984 میں لوگوں سے اسلام کا جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کرنے کے لیے ہمیشہ میرے ذہن میں خلش رہتی تھی۔

PakistanMaterial.com

5۔ انسانی عظمت کو کسی صورت تباہ ہونے سے بچانا میرا فرض ہے۔

6۔ ملک میں حالات ایسے پیدا ہو چکے تھے کہ وفاق اور صوباؤں میں تعصب پھیل رہا تھا تمام آئینی ضروریات کو مدنظر نہیں رکھ رہے تھے برطانیہ اور امریکہ کا آئین پاکستان کے موجودہ آئین (جس میں صدر کو خاصے اختیارات حاصل ہوں) سے مختلف ہیں فرانس کے صدارتی نظام بھی ایسا نہیں ہے فرنچ آئین کی دفعہ 16 کے تحت صدر کو ہنگامی طور پر پاکستان کے آئین سے ملتے جلتے صدارتی اختیارات دیکھنے کو ملتے ہیں مگر وہاں بھی ان اختیارات کو استعمال کرنے کے لیے شرط لگائی کہ اگر ملک میں بحرانی صورتحال واضح ہو۔

پاکستان کے آئین میں جہاں تک قانون کی حاکمیت (Legal Sovereigrity) کی بات ہے تو وہ آئین میں اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے مگر دیکھنا ہے کہ پاکستان میں فرانسیسی فلاسفر جو جدید قانونی حکمرانی کی تشریح یا شرح (Expounding) کرتے ہیں اور جو برطانہ کے سیاسی فلاسفر تھامس ہوبز وغیرہ ان کا خیال ہے کہ اصل حاکمیت حکومت کے ادارے کو ہی حاصل ہوتی ہے اس ادارے پر دوسرے حکومتی اداروں کا کنٹرول ہوتا ہے لہٰذا اگر ہم اس معاملہ پر گہرا غور کریں تو واضح ہو جاتا ہے کہ پاکستان کے سیاسی نظام میں قانونی حکمرانی صرف صدر ہی کے اختیارات میں رہتی ہے۔

مارشل لاء کے زیر سایہ اسلامائزیشن

ISLAMIZATION UNDER MARTIAL LAW

تعارف: Introduction

اسلام کے سیاسی کردار کے بارے میں، خاص طور پر اسلامک دنیا میں مختلف مذہبی سکالرز نے 1970 اور 1980 کی دہائی میں تحریریں لکھی جس میں اگلی صدی کو اسلامی صدی کا نام دیا گیا۔ اسلام عرب کے خطے سے پھوٹا جب محمد ﷺ نے آخری نبی ہونے کا اعلان کیا اور قرآن الحکیم کی شکل میں اسلام کی خالص شکل پیش کی۔ مگر اس کے بعد علاقائی کلچر اور ذہنی ترجیحات بھی اسلام میں داخل ہوتی رہیں۔ خلافت راشدہ کے دور کے بعد خالص اسلام میں بے شمار قسم کے اختراعی مواد کو شامل کیا جاتا رہا۔ محدثین اور فقہا نے اپنی رائے، سوچ، دوسری یعنی غیر اسلامی اقوام کا شرعی نظام شامل کر کے ہر کو علیحدہ علیحدہ اسلام دے دیا۔

ہر جابر حکمران خواہ وہ مسلم ہی کیوں نہ ہو اس نے اسلام کے اصولوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے ذاتی آراء کو اسلام کا درجہ دے دیا اور قرآن الحکیم کے ایسے احکامات اور اصول جو امہ کے یکساں مفادات اور حقوق پر مبنی تھے انہیں ریاستی منشور سے ہی نکال دیا جس کے نتیجہ میں نفرت، بدامنی، عدم مساواتی نظام اور استحصال سامنے آیا، مغربی سکالرز برملا اس امر کا اظہار کرتے رہے کہ ریاست میں مذہب کا کوئی کردار نہیں ہوتا۔ اب مذہبی کمانڈز کی نہیں بلکہ آئین ہی ریاست کا رہنما ہے۔ اور اس کے بغیر ریاست نہیں چل سکتی۔

جب عرب اسرائیل جنگ لگی تو 1973 کے بعد یہ سوچا گیا کہ پاکستان کی سرزمین اسلام کے لیے بہت زرخیز ہے عرب اسرائیل جنگ اس لیے لگی تھی کہ اس دور میں عرب ممالک کو آئل کی دولت میں حیرت انگیز عروج حاصل ہو رہا تھا پاکستان بھی اسلام کے نام پر بنا اور یہاں کے باشندے دوسرے دنیا کے مسلمانوں کی نسبت سے سخت مذہبی اور قرآنی تعلیمات پر کمانڈ رکھنے والے تھے لہٰذا جب اسلام کا نعرہ ضیاء نے لگایا تو ایسے افراد جو راتوں رات (Over night) اسلام نافذ کرنے میں بے تاب تھے انہوں نے ضیاء الحق کے خیالات کو خوب سراہا۔

دوسری طرف آزادی سے پہلے اور بعد میں لوگوں کے ذہن میں سیکولرازم اور اسلام ازم کے درمیان جو کرب پایا جاتا تھا اسے حل کرنے کا ایک موقع بھی ہاتھ آ رہا تھا اور نظام مصطفیٰ 1977 کی تحریک نے بھی اسلامائزیشن کے عمل کو زندہ کرنے کی کوشش کی تھی ضیاء نے اسی بنیاد پر مارشل لاء لگایا اور اسی کے بل بوتے پر وہ امیر المومنین بننے کے لیے اپنا لائحہ عمل تیار کر رہا تھا۔ پاکستان میں علمی طبقہ سیکرڈ اور سیکولر کے الفاظ میں الجھا ہوا تھا۔ اس ضمن میں چار قسم کے ماڈلز زیر بحث تھے

(1) سیکرڈ (مقدس) حکومت میں مرضی کی کوئی اجازت نہیں ہوتی، یعنی اس میں انسانوں کی مرضی نہیں چلتی جو بھی مقدس ہے اس کی مرضی چلتی ہے۔

(2) سیکرڈ اسٹیٹ انسان کی مرضی کو قبول کرتی ہے۔

(3) سیکولر اسٹیٹ خدا کی مرضی (Divine Will) کے بغیر ہوتی ہے۔

اصل میں چوتھ ماڈل جسٹس (ریٹائرڈ) محمد منیر کا پیش کردہ تھا ان کے مطابق یہ نظریہ نسلوں کی آزادانہ سوچ کا مرہون منت ہے۔ 1953 میں انٹی احمدیہ تحریک کے بعد یہ ماڈل عام لوگوں کی نظر میں

Pakistanstudy.pk

پزیرائی حاصل کرتا گیا۔ پھر بھی ایک طبقہ اسے چرچ اور اسٹیٹ میں تفریق کے نام سے منسوب کرتا رہا اصغر خان ایک واحد سیاستدان تھے جو 1980 میں اس ماڈل کی تشہیر سے مشہور اور سرگرم مانے جاتے تھے۔ انہوں نے اسی بنیاد پر اپنی پارٹی قائم کی اور لوگوں میں مقبول ہوئے دوسری طرف پاکستان میں رجعت پسند روایاتی سیاسی جماعتی مثلاً جمیعت العلماء، جمیعت العلماء پاکستان جمیعت اہلحدیث اور جماعت اسلامی یہ سب جماعتیں اسلام کے متعلق اپنا منفرد اور جداگانہ تصور رکھتیں تھیں ان میں شامل علماء سکولز اور مدارس کے پڑھے ہوئے تھے جماعت اسلامی کے بانی مولانا مودودی صاحب اسلامی بنیاد پر ستوں کی ہی ایک قسم کے تھے۔ یہ تمام پاکستان کو مذہبی ریاست بنانے کے دعویدار تھے یہ ریاست کے جدید سیاسی نظام کے متعلق خاطر خواہ علم نہ رکھتے تھے اور قرآن وسنت کی بنیاد پر ریاست کو اسلامی بنانے کے حامی تھے، یہ اصطلاح ''اجتہاد'' کی اپنی سوچ کے مطابق تشریح کرتے تھے ان مذہبی جماعتوں نے ملک میں اپنی ساکھ بنالی تھی اور جماعت اسلامی کی خواہش شدید تھی کہ اسے سیاسی طاقت حاصل ہو۔ مودودی کا نظریہ مذہبی جماعتوں سے ذرہ مختلف تھا دوسری طرف پاکستان کی سیاسی جماعتیں اس چوتھے ماڈل کے خلاف تھیں اور نہ ہی ملٹری اور بیوروکریسی اس ماڈل کے حمنوا تھے۔ مگر جب ضیاء کے دور حکومت میں اسلام کے نفاذ کی یقین دہانی کرائی گئی تو حالات مختلف ہوگئے۔

دوسری طرف مثبت، تعمیری اور زمینی حقائق سے واقفیت رکھنے والے حضرات ماڈل نمبر 2 اور ماڈل نمبر 3 کو اسلام کی ترویج اور انسانی فلاح کے طور پر متعارف کروا رہے تھے۔ مثلاً محمد اسد کے مطابق اسلام اور جدیدیت کے درمیان سمجھوتہ ہوسکتا ہے ماہر ناز مفکر قرآن غلام محمد پرویز بانی ادارہ طلوع اسلام جدیدیت کو قرآن حکیم کے دائرے میں رکھنے کو سیاسی ترقی قرار دیتے تھے۔ وہ عبدالحکیم کے اس نظریہ کو پیش کرتے کہ وہ اسلامی قانون اور عام فرد کے معیار زندگی کو بہتر بنانے کے داعی تھے جسٹس جاوید اقبال انہوں نے مذہب اور سیکولرازم میں مطابقت قائم کرنے کو مسئلہ کا حل قرار دیا بعض نے کہا کہ اسلام کے اصولوں کے اوپر ریاست کا قیام ہی اصل اسلام ہوگا۔

ایس ایم ظفر تیسرے ماڈل میں اسلامی سپرٹ کے قائل تھے وہ پارلمانی ڈیموکریسی پر زور دیتے تھے۔ پروفیسر عثمان جدید اصلاحات کو درست قدم قرار دیتے تھے 1947 تا 1987 تک مذہبی جماعتیں زیادہ تر ماڈل نمبر 1 اور نمبر 4 کے گرد گھومتی تھیں ماڈل نمبر 1، اور نمبر 2 میں ملٹری اور بیوروکریسی

کے راستے میں رکاوٹ تھے۔ ماڈل نمبر 1 کے مطابق جو اشرافیہ اسلام کا نام لے رہی تھی وہ مغرب زدہ تھی انکی زندگی پر بھی مغربی اثرات نمایاں تھے۔

ہمیں سوشل، اکنامک، ایجوکیشن اور ورال کو مدنظر رکھتے ہوئے ضیاء دور میں کی گئی اسلامائزیشن کے سیاسی پہلوؤں کا سلسلہ وار جائزہ لینا ہوگا۔

اسلامائزیشن کا پروگرام

ضیاء الحق کے اقتدار حاصل کرنے سے قبل مذہبی جماعتوں نے قومی اتحاد کے ذریعے بھٹو کی مخالفت میں نظام مصطفیٰ تحریک کو ہوا دی تھی ملک اسلام کے نفاذ کے لیے ایک قسم کا میدان جنگ رہا تھا۔ پاکستان کی تاریخ میں 1970 کی الیکشن مہم میں علماء پہلی مرتبہ ایک سیاسی طاقت بن کر ابھرے اس الیکشن میں انہیں شکست ہوئی مگر ان کو ایک موقع ملا کہ وہ اسلام کے متعلق اور آئین کے متعلق اپنے خیالات کو لوگوں تک پہنچا سکیں۔ مشرقی اور مغربی پاکستان کے نامور علماء کا 23 نکاتی فارمولہ پاکستان کے معاشی آئینی نظام میں اپنی ایک منفرد حیثیت رکھتا تھا۔ اس میں سود، جوا، حرام کاری، بزنس پر منافع اور صنعتی مزدوری کے حقوق کے بارے میں تجاویز دی گئیں تھیں۔ جو مذہبی لوگوں میں خوب پسند کی جاتیں تھیں اس طرح علماء کو ایک موقعہ مل گیا تھا کہ وہ آئینی اور معاشی مسائل پر لب کشائی کر سکیں اس فارمولے میں مزدوروں کی تنخوہ بڑھانا اور فیکٹریوں میں ان کی ملکیت رکھنے کی بابت تجاویز دی گئیں تھی۔ 1975 میں ایک سروے کیا گیا اس کے مطابق 12.5% علماء نے معاشی بدحالی کا نتیجہ کو سود کی لعنت اور زکوۃ کا نظام نہ ہونے کو قرار دیا 9% نے زور دیا کہ اسلامی گورنمنٹ ہونا ہی تمام مسائل کا حل ہے۔ بینز عشر کے متعلق انہوں نے کوئی بیان نہ دیا انہوں نے دولت کی غیر مساوی تقسیم کو بھی غربت کی وجہ بنایا 1977 میں بھٹو حکومت کے خلاف بغاوت میں بھی علماء اور مذہبی لوگوں کو دعوت دی گئی کہ وہ اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لیے میدان میں نکلیں جب ضیاء الحق برسر اقتدار آئے تو لوگوں نے تصور کیا کہ اُن کے مرہم کا مداوا آ گیا ہے ضیاء نے بھی نشری تقاریر میں اسلام کا خوب نام لیا، لہٰذا بعض علماء خیال کرنے لگے کہ ان کی منزل مل گئی ہے اور یہ منزل حاصل کرنے کے لیے انہیں زیادہ محنت بھی نہ کرنا پڑی تھی۔

اسلامائزیشن کا یکدم عملی شکل میں نافذ کرانے کا پروگرام دو محرکات کی وجہ سے مقبولیت حاصل کر گیا تھا ایک تو ملک میں سیاسی ابتری پھیل چکی تھی مختلف اسلامی گروہ اس بحران پر قابو پانے کے

PakistanMaterial.com

لیے اس کا ایک ہی حل پیش کر رہے تھے کہ ایک مقررہ ٹائم سکیل کے اندر اسلامائزیشن کے عمل کو یقینی بنایا جائے اور جب اسلام نافذ ہو جائے تو انتخابات کی تاریخ کا اعلان کرنا چاہیے لہٰذا سیاسی بحران ختم ہونے سے پہلے ملک کو انتخابات کی آگ میں جھونکنا ملک میں ایک نیا بحران پیدا کرنے کے مترادف ہے۔ دوسرا یہ کہ ملک میں جتنے بھی انقلابی موڑ آئے یعنی کسی کی حکومت غلط طریقے یا آئین کو استعمال کرتے ہوئے ختم ہوئی اس سارے عمل میں اسلام کا نام ہی پنہاں رہتا تھا اور اس سارے عمل کو حق و باطل کی کشمکش قرار دیا جاتا تھا۔ بھٹو کی حکومت ختم کرنے کے پیچھے بھی استعماری ہاتھ تھا امریکہ کے وزیر خارجہ ہنری کسنجر جو یہودی نسل تھے انہوں نے بھٹو کے متعلق ایک بیان میں قرر دیا تھا کہ ہم اسے نشان عبرت بنا دیں گے کیونکہ بھٹو نے اسلامی سوشلزم، نیوکلیئر ایٹمی پروگرام اور بین الاقوامی طور پر مسلمانوں کا بلاک بنانے کے لیے کوششیں کی تھیں۔

لبرل لوگ اور قرآنی فکر کے حامل اکابرین اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے تھے کہ ہمارے ملک میں مذہبی صورتحال تو یہ ہے کہ ہر فرقے والا دوسرے فرقے کو کافر تصور کرتے ہیں اور تمام ایک دوسرے پر کفر کی فتویٰ بازی کر چکے ہیں تو یہ کون سے اسلام کی بات کر رہے ہیں کیونکہ علماء کے 23 نکاتی فارمولے میں تو علماء مذہبی فرقہ بندی کو آئینی حیثیت دلوانا چاہتے تھے اور اسلامی قوانین اور اصطلاحات کے متعلق ہر کسی کی تشریح و تعبیر الگ ہے کوئی فتویٰ عالمگیری کو نافذ کرانا ہی اسلام کہ سمجھ رہا ہے تو کوئی محدثین اور فقہا کی مختلف تشریحات کو عین اسلام سمجھے بیٹھا ہے ہر کوئی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا کر اسے اسلام کی خدمت سمجھ رہا ہے پہلے یہی لوگ 1973 کے آئین کو عین اسلامی کہہ رہے تھے اور یہی اب نظام مصطفیٰ کی رٹ لگا رہے ہیں لہٰذا اس سارے ردعمل کے پیچھے کوئی گہری چال ہے بھٹو حکومت کے ختم ہوتے ہی قومی اتحاد والے ایک دوسرے کا گریبان چاک کرنے لگے۔ تحریک اسلام مذہبی جماعتوں کے بہت خلاف تھی۔ سیاستدان چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو برا بھلا کہہ رہے تھے وہ کہہ رہے تھے کہ ضیاء اسلام کے نام پر ملک میں ابتری پھیلانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اسلام کی تعلیمات عربی محاورے یا زبان میں ہیں لہٰذا پہلے قرآن اصطلاحات اور اسلام کی جامع شکل پیش کرنی چاہیے تاکہ علماء کے اختلافات بھی کم ہوں اور سب کے سامنے اسلام کی متفقہ شکل واضح ہو جائے۔ اور فرقہ وارانہ اختلافات بھی کم ہو جائیں۔

جنرل ضیاء نے پرسنل اور پبلک لاز کو علیحدہ علیحدہ قرار دے دیا۔ زکوۃ، اور عشر کو اسلام کا ستون قرار دیا انہوں نے کہا کہ یہ دو بنیادی ستون اسلامی معاشی نظام میں اہم کردار ادا کرتے ہیں سود کی شکلیں

جو کچھ قرضہ جات کی شکل میں تھیں انہیں ختم کرنے کے لیے ہر صوبے میں شرعی بنچ اور سپریم کورٹ کے لیول کی شریعہ اپیل بنچ قائم کیں۔ غلام اسحاق خان نے ایک بیان میں کہا کہ اسلام حق حلال سے کمائی کی رقم کو مال بنانے کا ذریعہ قرار دیتا ہے نہ کہ جدید خیال کے مطابق کسی سے مال چھیننے کو جائز قرار دیتا ہے انہوں نے کہا کہ 1931 میں جب بڑا معاشی خلا آیا تو Keynes نے سود کم کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اس نے قرار دیا تھا کہ ملک میں بدامنی، بے روزگاری کا ذمہ دار سرمایہ دارانہ نظام ہے۔ اس خلا کو ختم کرنے کے لیے ہمیں 1300 سال قبل والے اسلام کو سچا ماننا ہوگا۔ ہم ضیاء الحق کے اسلامائزیشن پروگرام کو تین حصوں میں کر سکتے ہیں۔ (i) تعزیری سزاؤں کے ضابطے (Punitive measures) (ii) معاشی نظام کی دوبارہ تعمیر (Reconstructions of Economic System) (iii) اخلاقیات، تعلیم اور سائنس کے متعلق اسلامائزیشن کی منفرد تشریح تعلیم (Steps to ward the General Islamizationof morals Education and Science)

(i) تعزیری سزاؤں کے ضابطہ کار: Acts of Punitive Measures

فروری 1979 کو صدر نے حدود لاز آرڈیننس کو ملک میں متعارف کرایا اس میں چوری، حرام کاری، اور شراب نوشی کے متعلق شرعی سزاؤں مثلاً ہاتھوں کا کاٹنا (Amputaiton of Hands) سنگسار زنی اور کوڑے مارنا (Stoning and Flogging) بعد ازاں شریعت کورٹ کے ایک منفرد فیصلے میں زنا کاری پر سنگسار کرنے کو عمل کے غیر اسلامی قرار دے دیا گیا۔ شریعت کورٹس کے پاس مارشل لاء آرڈیننس فیملی لاز مالیاتی قانون (Fiscal Law) کے متعلق کوئی رائے یا اسے اپیل کے ذریعے بدلنے (Reviewing) کا اختیار نہیں تھا۔ شرعی عدالتوں کے ممبران کا تقرر اور ان کے فیصلے کی منظوری بھی صدر کے ہاتھ میں تھی 1983 میں نامزد مجلس شوریٰ نے ایک بل پاس کیا جس کے ذریعے لوکل لیول پر قاضی کورٹس کا قیام عمل میں لایا گیا۔ لہٰذا ملک میں جوڈیشری کا متوازن نظام لاگو کرایا ایک طرف تو اس کی وقعت کم کی گئی اور دوسری طرف ان کورٹ کے متعلق لاء انفورسمنٹ ایجنسیوں کو کوئی اہمیت نہ دی مثلاً پولیس ایک ملزم کو پکڑ کر آفر کرتی کہ اگر اس کا معاملہ عام قانون کے تحت کیا جاتا ہے تو وہ اسلامی قانون کے خوفناک جرمانوں سے بچ جاتا ہے۔ حدود اور قذف کے قانون پر ملکی اور غیر ملکی میڈیا نے کھل کر تنقید کی ان تعزیری سزاؤں کے متعلق ورلڈ وائیڈ واویلا کیا گیا زنا کاری کے مقدمات میں اس قانون کا منفی پہلو کھل کر سامنے آیا۔

زنا بالجبر اور زنا بالرضا کو ایک ہی پلڑے میں ڈال دیا گیا زنا بالجبر کو (Rape) اور زنا بالرضا (Adultry) کہتے ہیں۔

یعنی خواہ عورت کے ساتھ زبردستی حرام کاری ہوئی ہے یا اس نے مرضی سے کی ہے دونوں واقعات کی ایک ہی سزا مقرر کر دی گئی حالانکہ دونوں میں فرق ہے۔ ماہر قانون دان سلیم اے ملک نے اس پر کمنٹس دیتے ہوئے کہا۔ ''جہاں تک ایسے اصول یا قانون کا (یعنی حدود لاز سے) تعلق ہے تو یہ ریپ کرنے والے کو تحفظ دیتا ہے۔ زنا بالجبر اور بالرضا سے عورتیں کنفیوژ ہو گئیں۔ اگر کوئی عورت ریپ کی FIR رجسٹر کرانے جائے تو اصل میں وہ حرامکاری (Adulty) کا اعتراف کر کے اپنے پاؤں پر کلہاڑا مار رہی ہوتی ہے اسے حرام کاری کے مقدمے میں ہی ملوث کر دیا جاتا ہے اور زنا کرنے والے ثبوت نہ ہونے کیوجہ سے آزاد زندگی کے مزے لوٹتے رہتے ہیں۔''

ایسا واقعہ 18 سالہ صفیہ بی بی کے ساتھ پیش آیا، وہ آنکھوں سے نابینا تھی صفیہ بی بی کے والد نے اپنے ملازمین کے خلاف (جو رشتے میں باپ اور بیٹا تھے) زنا بالجبر (Rape) کا پرچہ درج کرایا۔ کیس چلا لہٰذا باپ اور بیٹا تو بری (acquittal) ہو گئے اور صفیہ بی بی کو لوگوں کے سامنے 15 کوڑے مارے گئے، 3 سال جیل اور جرمانے کی سزا سنا دی گئی۔ لہٰذا بین الاقوامی میڈیا نے اس پر واویلا کیا لہٰذا یہ کیس نظر ثانی کے لیے فیڈرل شرعی کورٹ کو بھیج دیا گیا۔ اگر عورت ریپ سے حاملہ ہو جائے اور اس کی میڈیکل رپورٹ بھی یہی ثابت کرے تو کیا اس سے انسان جرم دار ہو جاتا ہے؟ کیا عورتیں اسی طرح پامال ہوتی پھریں گی؟

جب سے یہ آرڈیننس نافذ ہوا تو بے شمار انسانی حقوق کی تنظیموں نے اس کے خلاف سخت احتجاج کیا خاص طور پر عورتوں کی تنظیموں نے تو اسے ظالمانہ آرڈیننس قرار دیا۔ شہری علاقوں کی پڑھی لکھی خواتین ہمیشہ اس قانون سے سہمی پھرتی تھی کہ مرد اگر ان کے ساتھ زیادتی بھی کر لیں تو بھی ان کو اس قانون کے تحت انصاف نہ مل سکے گا۔ دوسری طرف مولوی طبقہ 1961 کے عائلی قوانین کو منسوخ کرانے کے لیے زور لگا رہا تھا۔

عورتوں کی مربوط جدوجہد کے نتیجے میں ''ویمن ایکشن فورم'' 1981 میں قائم ہوا تا کہ اس قانون سے نجات حاصل کی جا سکے 1984 میں نیا قانون شہادت (Evidence Law) نافذ کیا گیا کیونکہ

کونسل آف اسلامک آئیڈیالوجی نے 1872 کے قانون شہادت کو تبدیل کرنے کا مشورہ دے دیا تھا۔

''حدود کے مقدمات میں عورت گواہی دینے کی اہل نہیں ہے''

قانون شہادت (1984) کی دفعہ الف(2)17 کے تحت گواہوں کی کم از کم تعداد دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں پر رکھی گئی ہے لہٰذا دو عورتوں کی گواہی کو ایک مرد کے برابر قرار دے دیا گیا'' لہٰذا لبرل سیکشن اور خواتین کی طرف سے خاصی جاندار تحریک اٹھی تو اس دفعہ کو مالیاتی امور کے متعلق شہادت قرار دیدیا گیا اسی دوران فہمیدہ اللہ بخش کیس میں شادی شدہ جوڑے کو حدود لاء کے تحت سزا سنا دی گئی۔

1980ء میں اسلامک آئیڈیالوجی کونسل نے جو قصاص اور دیت قانون بنانے کی تجویز دی تھی اور مجلس شوریٰ نے اسے پاس کر دیا اس پر بھی عوامی حلقوں میں خاصا اضطراب پایا جاتا تھا کیونکہ اس مرد کی دیت (خون بہا) ایک حصہ اور عورت کی دیت اس کے نصف مقرر کی گئی تھی۔

آخر کار انصاری کمیشن رپورٹ میں بتایا گیا تھا کہ عورت سربراہ مملکت نہیں بن سکتی اور اگر اسے سفیر یا ڈپلومیٹ بن کر بیرون ملک جائے تو وہ اکیلی نہیں جا سکتی جب تک کہ محرم اس کے ساتھ نہ جائے اگر کوئی عورت مجلس شوریٰ کی ممبر بننا چاہتی ہے تو اس کی عمر کم از کم 50 سال ہونی چاہیے۔ کمیشن کے ممبران نے ایسی دفعات کی مخالفت کی تھی جسٹس (ر) محمد گل نے بھی اسے آئین کے مخالف قرار دیا تھا۔

احمدیوں کے خلاف آرڈیننس

26 اپریل 1984ء کو صدر ضیاء الحق آرڈیننس نمبر 20 جاری کیا جس کے تحت اگر قادیانی اپنی عبادت گاہ کو مسجد کہیں اور براہ راست یا ان ڈائرکٹ اپنے آپ کو مسلمان کہلوائیں یا اپنا مذہب اسلام ظاہر کریں تو جو ایسا کرے وہ تین سال تک قید جرمانے کا مستوجب ہوگا۔

مختلف انسانی حقوق کی تنظیموں نے اس آرڈیننس کی بین الاقوامی طور پر مذمت کی اور اس واقعہ کو انٹرنیشنل آرگنائزیشن آف یو ایس ہاؤس کے نمائندے کو آگاہ کیا اور بعض نے پاکستان کی امداد اس آرڈیننس کو معطل کرنے کی شرط سے مشروط کرنے کی استدعا کی بعد ازاں اقوام متحدہ کے کمیشن برائے امتناع استحصال اقلیتوں بابت انسانی حقوق نے اگست 1985ء کو قرارداد منظور کی کہ حکومت پاکستان اس آرڈیننس کو منسوخ قرار دے احمدیوں کے ساتھ استحصالانہ سلوک نہ کیا جائے AUN کنسلٹیو باڈی نے بھی اسے انٹرنیشنل قانون کے خلاف قرار دیا اس اثنا میں پاکستان میں احمدیوں کی عبادت گاہوں پر

PAKISTANIAT.COM

حملوں کے واقعات میں شدت آنا شروع ہوگئی۔ مشتعل علماء کے ہجوم نے کوئٹہ میں قادیانیوں کی عبادت گاہ بیت الحمد پر بلہ بول دیا اور کوئٹہ میں نقص امن کا خطرہ بڑھ گا لہٰذا 85 قادیانی گرفتار کر لیے گئے۔

11 مئی 1986ء کو دو احمدی قتل کر دیے گئے جب صدر نے اس آرڈیننس کا اعلان کیا تو اس دن 6 احمدی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ اس ضمن میں لبرل سکیشن اور دوسرے عام لوگوں نے اس آرڈیننس کو غیر قانونی قرار دیا اور اس کے خلاف مظاہرے کیے۔

ایک طرف تو بین الاقوامی طور پر ضیاء کے اسلامی آرڈیننسوں پر سخت تنقید ہوئی اور دوسری طرف گلوبل میڈیا کو اسلام پر تنقید کرنے کا موقع مل گیا نہ تو ضیاء الحق نے عدالتی نظام درست کیا کہ انگلش لاء بھی چلتا رہے اور ساتھ شرعی عدالتیں بھی چلیں لہٰذا عدلیہ اور شعبہ قانون میں ایک دوغلی قسم کا ماحول پیدا ہو گیا جس نے جگ ہنسائی کا موقع فراہم کیا کیونکہ روس کے سابقہ صدر برزنیف کا یہ قول (Ilaugh at Zia's Islam) یعنی ''مجھے ضیاء کے اسلام پر ہنسی آتی ہے'' ان کا یہ قول اس وقت کی ہماری ملکی اسلامی حالت پر مصداق نظر آتا ہے۔

(2) اسلام کے معاشی نظام کی تعبیر، اطلاق اور ضیاء دور

دوسرا سب سے بڑا ایشو جس پر قانون سازی کی گئی وہ معاشی شعبہ تھا۔ اس میں بھی مثبت پسندوں اور ویلفیئر اکانومسٹ حضرات میں خاصا اختلاف واضطراب پایا جاتا تھا اسلام ایک منفرد نظام کا داعی ہے یہ نظام قدرتی قوانین (Naturl Law) سے ہم آہنگ ہے اسلام ایک ایسا معاشرہ وجود میں لانا چاہتا ہے جہاں ہر کسی کو بنیادی ضروریات زندگی آسانی سے میسر ہوں، انسانی صلاحیت میں اضافہ کے مدنظر ہر کسی کو مساوی پیشہ وارانہ مواقع ملیں دولت کی تقسیم میں عدل کارفرما ہو۔ رزق کے سرچشمے چند ہاتھوں تک محدود نہ رہیں حکومت ہر آن عوام کی نگرانی و دیکھ بھال اور ربوبیت کے سامان پر نظر رکھے لوگوں کی اسلامی زہن سازی کر کے مال کی حرص طمع اور دولت جمع کرنے کی حوصلہ شکنی قانونی طور پر کی جائے۔ اگر ہم اسلام کے معاشی نظام کی بنیاد کو پکڑیں تو فلاح عامہ عام ہو جائے گی اگر ہم اس کے ایک دو اکائیوں کو ہی لیں تو مکمل فلاح بہتر دیر کے بعد آئیگی۔

لہٰذا اسلام سلامتی ہے یہ معاشی سلامتی بھی ہے اور سیاسی بھی اگر کوئی استحصالانہ قانون کو

استعمال کیے ہوئے کسی کا گلہ کاٹے اسے اس کے حق سے محروم کرے تو یہ بدامنی اور کفر ہے اس لیے قرآن الحکیم کا ارشاد ہے کہ ''دین میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔''

بعض ناقدین نے ضیاء الحق کی اسلامی معاشی کوششوں کو سرمایہ داری کا شاہکار قرار دیا۔ ماہرین عمرانیات کے مطابق معاشی نظام قائم کرنے کے لیے فطری اصولوں کو مدنظر رکھنا چاہیے بتدریج عادت اور حالت میں تبدیلی لا کر پختہ بنیادوں پر معاشی ڈھانچے کی دیواریں کھڑی کرنی چاہیے۔ مگر ضیاء نے لوگوں کی اسلامی تربیت کے لیے کچھ نہ کیا نہ ہی لوگوں کی زہن سازی کی گئی اور نہ ہی علاقائی کلچر کو تبدیل کرنے کی کوشش کی اور زکوۃ اور عشر کو نافذ کر دیا اصل میں ''زکوۃ'' قرآنی نظام کی بہت ہی اہم اصطلاح ہے اس کے بنیادی لغوی معنی ''نشوونما'' کے ہیں۔ یعنی ایسی ذہنی، جسمانی، اور متوازن نشوونما جس سے انسانوں کی مثبت صلاحیتوں میں بتدریج اضافہ ہوتا جائے زکوۃ ہر شخص دیتا ہے ادا کرتا ہے لوگوں کی بھلائی اور نشوونما کے لیے اپنی ذہنی جسمانی نشوونما اور مالی قربانی دینا زکوۃ ہے۔ اس کا نصاب کے دائرہ کار کا تعین مروجہ حالات کے اوپر ہے۔ یہ ایک قسم کا اسلامی ٹیکس بھی ہے جسے مروجہ حکومت شوریٰ کے مشورے سے نافذ کرتی ہے دیکھنا ہوتا ہے کہ مکمل نشوونما کس طرح ممکن ہو سکتی ہے۔ بحر حال ہم بات کو آگے بڑھاتے ہیں کہ ضیاء الحق حکومت نے اس ضمن میں کیا کیا؟

زکوۃ وعشر کا نظام:

20 جون 1980ء کو زکوۃ وعشر آرڈیننس جاری ہوا قانون کو بنانے کا مقصد یہ بتلایا گیا کہ اس آرڈیننس سے ملک میں بھلائی اور بھائی چارے کی فضا پروان چڑھے گی۔

1۔ ہر صاحب نصاب اموال ظاہرہ اور باطنہ مال کی نسبت از خود حساب کر کے زکوۃ کی ادائیگی کو یقینی بنائے گا۔ وہ یہ رقم رضا کارانہ طور پر زکوۃ فنڈز میں جمع کرائے گا اور اگر وہ خود زکوۃ کی رقم تقسیم کرنا چاہے تو اپنی سے مستحق افراد میں تقسیم کر سکے گا۔

2۔ اموال ظاہرہ پر بنک زکوۃ وصول کریں گے لہٰذا بنک درج ذیل باتوں کا خیال رکھے گا۔

(a) کسی بنک یا مالیاتی ادارے میں ایک ہزار روپے تک پونجی پر زکوۃ نہیں لی جائیگی۔

(b) کرنٹ اکاؤنٹ رکھنے والوں کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنی زکوۃ فنڈ کا تخمینہ لگا کر رقم زکوۃ فنڈز میں جمع کرائیں اس کے علاوہ باقی اکاؤنٹس پر 2-1/2 فی صد کے حساب سے زکوۃ کاٹی

scribd.com

جائے گی۔

(c) تمام پرائیویٹ اور پبلک کمپنیوں پر ماسوائے ان کمپنیوں کے جن کے سو فیصدی حصص حکومت کے پاس ہوں پر زکوۃ واجب الادا ہوگی۔

(d) عمارات دکانات اور مکان پر زکوۃ نہیں لی جائے گی البتہ ان کے کرایہ وغیرہ سے صاحب نصاب شخص کو جو بچت ہوگی وہ اس پر زکوۃ کی ادائیگی ہوگی۔

(e) زکوۃ کے ضمن میں جن اثاثہ جات کی اطلاع حکومت کو دی جائے گی اسے صیغہ راز میں رکھا جائے گا۔

(f) زکوۃ میں سے جو رقم دی جائیگی وہ انکم ٹیکس کی تشخیص سے مبرا ہوگی۔

(g) جن اثاثوں پر حکومت زکوۃ وصول کرے ان پر دولت ٹیکس عائد نہ ہوگا۔

عشر شریعت کے مطابق لیا جائے گا بارانی زمین کی پیداوار کا دس فیصد اور دہی یا نہری زمین کی پیداوار پر 5 فیصد حساب سے عشر وصول کرے گی اور بارانی زمین والے بغیر 5 فیصد اپنی مرضی کے مطابق مصارف زکوۃ پر خرچ کریں گے عشر انہی پر واجب الادا ہوگا جن پر شرعی لحاظ سے واجب ہوتا ہے مزارعین کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنی کمائی سے عشر کی رقم رضا کارانہ طور پر حکومت کے مقرر کردہ کھاتے میں جمع کرائیں یا خود مستحق لوگوں میں تقسیم کردیں۔

عشر کی ادائیگی کے ساتھ مالیہ معاف اور آبیانہ جاری ہو جائے گا عشر کی وصولی کا کام 1983ء کی فصل ربیع سے شروع ہوگا اگر کسی زمین پر مزارعین کام کرتے ہوں تو مزارعین کے حصے سے عشر حکماً وصول نہ کیا جائے گا مزارعہ کا حصہ چھوڑ کر باقی پیداوار میں سے 5 فی صد حصہ عشر کے طور پر حکماً وصول کیا جائے گا۔

کوئی ایسا شخص جس کی پیداوار نو سو اڑتالیس کلوگرام گندم یا اس کے برابر یا اس سے کم مالیت کی ہو تو اس پر عشر وصول نہ کیا جائے گا جو شخص بذات خود زکوۃ کا مستحق ہو اس سے عشر وصول نہیں کیا جائے گا۔

زکوۃ وعشر کا مصرف:

1- زکوۃ اور عشر کے سلسلہ میں جمع شدہ کل رقم کا 75 فیصد حصہ اسی گاؤں یا محلے یا دیہی میں خرچ ہوگا جہاں سے وہ رقم حاصل ہوئی ہو۔

2- یہ رقم خود معزز اہلیان دیہہ وشہر اور خدا ترس لوگوں کی رائے سے بیواؤں یتیموں مسکینوں اور

ضرورت مندوں پر خرچ کی جائے گی۔

زکوۃ فاونڈیشن کا قیام:

اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کو مدنظر رکھتے ہوئے ستمبر 1981 میں زکوۃ فاؤنڈیشن کا قیام عمل میں لایا گیا ابتداء میں حکومت نے اس مد میں دس کروڑ روپیہ رکھا اس منصوبے کے تحت پہلے حقدار افراد کی خصوصی تعلیم وتربیت کی جاتی تھی تاکہ وہ بعد ازاں اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکیں اور خاندان کی کفالت کر سکیں بعد ازاں فروری 1992ء میں بیت المال کے قیام کے ساتھ ہی زکوۃ فاؤنڈیشن کو اس میں ضم کر دیا گیا علاوہ ازیں بنکوں میں بلاسود کاری کے عمل کو اپنایا گیا حالانکہ پھر بھی اس بنکاری میں سود کا عنصر ختم نہ ہو سکا۔ نئے زکوۃ کے نظام کے پیچھے فیڈرل بیورو کریسی کا ہاتھ کارفرما تھا تاکہ انکم کے زائد ذرائع میسر آئیں شعیہ حضرات نے زکوۃ کے پروگرام پر خاصہ احتجاج کیا کیونکہ انکے مطابق وہ خمس دیتے ہیں لہٰذا حکومت کے ایک ارڈیننس کے ذریعے انہیں زکوۃ سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا۔ زکوۃ کو نہ دینے کیلیے اس آرڈیننس میں بہت سے چور دروازے رکھ دیئے گئے تھے۔ کیونکہ اسے انفرادی سطح پر بھی Operate کرنے کا اختیار دیا گیا تھا۔

مضاربت سکیم:

اس سے مراد ہے کہ کسی کام میں حصہ داری کرانا لہٰذا بعض مالیاتی ادارے جیسے ہاؤسنگ فنانس بلڈنگ کارپوریشن اور دوسرے قرضہ جات لینے کے لیے ادارے کو منافع کے طور پر مضاربت (یعنی پارٹنرشپ کا حصہ) دیا جاتا تھا۔ حالانکہ بعض اسلامی روایات میں مضاربت اور بٹائی کو حرام قرار دیا گیا تھا بٹائی یا مضاربت ایک قسم کی کمیشن ہے۔

مضاربت سکیم کے تحت نفع ونقصان کی شرکت کی بنیاد پر کاروبار کے لیے قرضے فراہم کرنے کا منصوبہ تھا (PTC) دس سال کے Participation Term Certificates عرصہ تک ایشو کیے گئے اس میں میڈیم اور لونگ ٹرم کی اصطلاح استعمال کی گئی PTC کی مد میں کافی بڑی رقم حکومت نے ہتھے چڑھی۔ اکثر ناقدین ضیاء کی معاشی اصلاحات کو سرمایہ داری نظام کی ترویج قرار دیتے تھے۔

مذہبی سائنسی فکشن کو اسلام سے جوڑنے کا تعلیمی عمل:

ضیاء الحق چاہتے تھے کہ موجودہ تعلیم کے عمل کو بتدریج مذہبی تعلیم کے ساتھ ہم آہنگ کیا جائے

FreePakStudy.com

اور مذہب نے سائنس اخلاقیات اور عبادات کے ضمن میں جو کچھ کہا ہے اس کی ترویج کے لیے عملی تعلیمی اداروں کا قیام عمل میں لایا جائے اور انہیں سائنسی بنیاد فراہم کی جائے۔ کمیشن نے حکومت کی اس سوچ کو بہت اہمیت دی، ضیاء الحق ایک مخصوص مذہبی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور اب ان کو موقع ملا تھا کہ جو کچھ انہوں نے مذہب سے سیکھا ہے اسے بتدریج اتھارٹی کی وساطت سے عملی اقدام میں لایا جائے اسلام علم، اخلاق اور اپنے اصولوں کی تشریح میں کائناتی قوانین کی مثالیں پیش کرتا ہے۔ خالص قرآنی تعلیم میں توہمات، دیومالائی تصورات (myth) اور رجعت پسندی کی کوئی گنجائش نہ ہے۔

قرآن کو "النور" سے تشبیہ دے کر تمام اندھیروں کو کفر جہالت قرار دیا گیا ہے۔ یہ روشنی ہے وراس کے ماننے والے عقلمند، روشن خیال ہوتے ہیں امام (دنیا کی رہبری کرنے والے قیادت وسیادت کے مالک) ہوتے ہیں مگر وقت کے ساتھ ساتھ ملوکیت اور حکمرانوں کی غفلت کی وجہ سے اسلام جو جیتا جاگتا دین (نظام حیات) تھا، اسے رسومات، توہمات میں تبدیل کرنے کی ناپاک جسارت کی گئی۔ علامہ اقبال، سرسید احمد خاں اور خالص قرآنی تعلیمات کے مفکر رسومات، توہمات کو اسلام میں لگا ہوا عجمی پیوند قرار دیتے ہیں۔ اسلام مین روایات خرافات بنکر لوگوں کو اصل اسلام سے دور کرنے لگیں اسلام میں یونانی، عجمی (ایرانی) بابل تہذیب، عیسائیت یہودیت سے منسلک نظریات رسومات اور عبادات کی اقسام کو شامل کر دیا گیا اور حقیقت خرافات میں کھو گئی۔ انہی وجوہات کی بنیاد پر فرقہ پرستی عام ہوئی، اور صدیوں سے قائم مسلم حکومت کا خاتمہ ہوا۔ ہمارے اکثر فرقوں کے پاس جو اسلام کی شکل ہے وہ رسمی اور روایاتی قسم کی ہے اس میں طب، سائنس اور معاشیات کا اپنا ہی انداز ہے حالانکہ قرآن الحکیم نے سینکڑوں آیات میں عقل وفکر پر زور دیا ہے یہ ہمیں کسی اور مذہب مین ہمیں نہیں ملتا۔

ضیاء الحق کے مطابق اسلام نے مختلف شعبوں کی تعلیمی اور نظریاتی راہنمائی کی ہے لہٰذا ہمیں ان شعبوں کو مستقل بنیادوں پر کھڑا کر کے اپنے مسائل کا حل تلاش کرنا ہے ضیاء صاحب نے اسلام اور مذہب میں دورنگی (dichotomy) پیدا کرنے کی کوشش کی انہوں نے سکالرز کو ہدایات کی کہ وہ اپنے اندر جہاد کی روح کو پیدا کریں اور الازہر یونیورسٹی مصر کے ماڈل کو اپنائیں، بعض سائنسدان اسلام سے منسوب دیومالائی تصورات کی سائنسی تھیوریز کو حقیقت کی شکل میں ڈالنے کیلیے تدابیر کریں۔ مثلاً انہوں نے دعویٰ کیا کہ افلاک زمین سے دور روشنی کی رفتار سے ایک سینٹی میٹر فی منٹ کے حساب سے

گردش کر رہا ہے۔ ساتوں آسمان ایک ایٹم کے توازن کی طرح ہیں اس میں جن اور پریاں قبضہ جماں ہیں اور یہاں سے بہت زیادہ توانائی نکل رہی ہے اگر اس توانائی کو قابو میں کر لیا جائے تو پاکستان میں توانائی کا بحران ختم کیا جا سکتا ہے۔ فلک اور آسمانوں کے درمیان ایک قوت ہے جو روحانی قسم کی ہے۔ بظاہر اس قسم کی اپروچز سائینسی نظریئے کے خلاف تھیں یعنی مگر پھر بھی ان کی حکومتی سرپرستی کی جاتی رہی۔

سوشل سائینسز اکنامک اور اسلامک انتھروپالوجی (ایسی سائینس جس میں تاریخی حقیقی اعتبار سے کسی قوم کے کلچر تہذیب کا مطالعہ کیا جاتا ہے) کے درمیان میں ایک متوازی لکیر کھینچنے کی کوشش کی گئی لہٰذا اس ضمن میں "اسلامک تھیوری آف نالج" کو متعارف کرایا گیا اس اپروچ کے ذریعے نیکی اور بدی کے درمیان مختلف زاویوں سے سوچنا مقصور تھا اس کے تحت ان امور پر بحث کی جاتی کہ اسلام کی روح سماجی انصاف پر کھڑی ہے مساوات، یا اجتماعی اچھائی سے اس کا کوئی تعلق نہ ہے لہٰذا یہ تمام ایجادات (اختراعی خیالات) ہمارے مختلف شعبہ ہائے زندگی مثلاً تعلیم معاشیات ثقافت، عمرانیات، زراعت، اخلاقی رویہ جات پر اثر انداز ہو کر ایک الگ قسم کی ذہنی بیداری کی طرف تحریک دے رہے تھے۔

اسلامی طرز سیاست:

ہماری سیاسی ترقی میں اسلام نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ ہمارے ملک میں ہر قسم کی سوچ رکھنے والے طبقات موجود ہیں مثلاً لبرل، دنیادار، دین دار، مغربیت کے تقلید پسند نیشلزم کے حامی نیچرل ازم کیوزم کے متوالے، سرمایہ داریت کی سوچ رکھنے والے لوگ پاکستان کی بنیاد ہی اسلام پر رکھی گئی تھی، باقی معیشت کی آزادی رواجوں کا تحفظ سیکنڈری بات تھی، پاکستان بننے سے پہلے لوگوں کی کوئی اسلامی تربیت نہ کی گئی یعنی مسلم کا نعرہ لگا اور سب اس میں شامل ہو گئے۔ مختلف مکتبہ فکر اور مدارس کے نظام کی وجہ سے فرقہ واریت قائم رہی۔ شیعہ، سنی، قادیانی، بریلوی، وہابی، دیوبندی، چکڑالوی وغیرہ وغیرہ بڑے فرقے ہیں، ان فرقوں کے ذیلی فرقے اس کے بعد آتے ہیں۔ بعض اکابرین مسلم فرقوں کو شیعہ، سنی اور قادیانیت میں شامل کرتے ہیں اور بقیہ اس کی شاخیں قرار دیتے ہیں۔ جیسے بھی صورت حال ہو قادیانی مرزا غلام احمد کو نبی مانتے ہیں اور مسیح موعود کے نظریے کو ان سے جوڑتے ہیں۔ شیعہ حضرات روایات کی چار کتب کو صحیح قرار دیتے ہیں اسے شریعت کی تشریح قرار دیتے ہیں۔ امامت، رجعت، خمس پر اعتماد رکھتے ہیں۔

سنی حضرات چھ صحیح روایاتی کتابوں کو مانتے ہیں۔ مقلد اور غیر مقلد کی تفریق کے بھی

PakistanMaterial.com

قائل ہیں۔

1953ء میں انٹی احمدیہ گورنمنٹ کی تحریک چلی جس نے لاہور میں دولتانہ کی حکومت ختم کی اور کراچی میں ناظم الدین کی حکومت ایک ڈورونا خواب (Nightmere) بن گئی۔1977ء میں نظام مصطفیٰ کی وجہ سے پیپلز پارٹی کی حکومت ختم ہوئی جنرل ضیاء الحق نے بھی اپنے وعدے کے مطابق انتخابات کو ملتوی کرنے کے ضمن میں اسلام کا سہارا لیا ضیاء نے اپنے انقلاب میں نظام صلوۃ، زکوہ عشر، اور حدود قوانین کو متعارف کرایا۔ بعض اسلامی پارٹیاں ضیاء کے اسلامی انقلاب کی مخالفت کرتی رہیں۔

انصاری رپورٹ میں صدر کو کرتا دھرتا بنانے کی تجویز دی گئی جماعتی انتخابات کو قرآن وسنت کے خلاف قرار دیا گیا رپورٹ میں نیشنل سیکورٹی کونسل کو بنانے کی تجویز دی گئی اور بعد میں قرار دیا گیا کہ ایمرجنسی کی صورت میں یہ کونسل فعال کردار ادا کر سکے گی۔ اس رپورٹ کی بعض پارٹیوں نے مخالفت کی اور اس رپورٹ کو غیر فطری، اور اقلیتوں کو حقوق پر ڈاکہ قرار دیا گیا۔ اس رپورٹ کے متعلق یہ بھی کہا گیا کہ اس میں 1973ء کے آئین کے بنیادی حقوق اور اقوام متحدہ کے چارٹر ڈیکلریشن انسانی حقوق سے پہلو تہی کی گئی ہے۔

لارنس زائرنگ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا

"لگتا تھا کہ کمیشن کی رپورٹ اصل میں صدر ہی کی دینی اسلامائزیشن کی غمازی کی آئینہ دار تھی 1956 1973 کے دستوروں میں اسلامی اور سیکولر قسم کا ملا جلا مواد عام ملتا تھا اسلام کا نام لے کر سیکولر کام کرنے کو بھی اسلامائزیشن کہا جا رہا تھا"

بھٹو نے بھی اسلامی سوشلزم اور نیشلائزیشن کے فروغ اسی لیے دیا تھا تاکہ بائیس امرتریں خاندانوں سے ناجائز دولت نکلوائی جا سکے۔

اسلامائزیشن ایک جامع اصطلاح ہے جس کے تحت بنیاد پرست عناصر چاہتے ہیں کہ ملک میں مکمل شرعی قوانین نافذ کیے جائیں۔

بھٹو نے ایوب کی حکومت بھی اسلامی سوشلزم کی [illegible] کی اور اس کی حکومت [illegible] کے نام پر ختم کی گئی۔ 1977ء میں جب بھٹو حکومت کی کشتی ڈ[illegible] تو اس نے اسلامی سوشلزم [illegible] اصطلاح کو چھوڑ کر "مساوات محمدی" کا پرچار کرنا شروع کر دیا۔ ضیاء نے اسلامی نظام [illegible]

PNA سے لی۔ PPP نے اپنی حکومت بچانے کیلئے یکدم شرعی قوانین نافذ کئے 1971 کی بنگلہ دیش علیحدگی کو بھی فرقہ شعیہ سے منسوب کیا جاتا ہے۔

9/11 کے واقعہ اور افغانستان کے شرعی حالات نے پاکستان پر گہرے نقوش چھوڑے ہیں 9/11 کے بعد تو پاکستان کی سیاست سالمیت، معشیت میں اہم تبدیلیاں برپا ہو گئیں، سرحدی علاقوں پر نیٹو اتحادیوں کے حملے اور افغانستان میں بمباری دہشت گردوں کی تلاش کے چکر میں ملک کے اندرونی معاملات میں دخل اندازی، افغانستان سے مہاجرین کی آمدکاری، نے پاکستان کی سیاست کی ساکھ الٹ دی، لہٰذا پاکستان ایک بحرانستان بن چکا ہے۔ ضیاء الحق کے دور میں انہی اسلام پسندوں کو مجاہدین کہا جاتا تھا اب بعد میں بنیاد پرست اور اب دہشت گرد کا خطاب دیا گیا ہے۔ موجودہ وزیر دفاع کہہ رہے ہیں کہ ہم 31000 فٹ سے ہونے والی امریکی بمباری کا کچھ نہیں کر سکتے۔ وزیرستان، سوات ہنگو میں خود پاکستان کی ملٹری فورسز آپریشن کر رہی ہیں۔

لال مسجد کا واقعہ، لاپتہ لوگ (Missing Person) جیسے واقعات نے ایک مرتبہ پھر لوگوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس وطن کی حفاظت کرے۔ آمین!

سوالات
Questions

سوال نمبر 1۔ ضیاء الحق نے صدارتی اختیارات بڑھانے کیلئے آئین میں کیسے ترامیم کا دروازہ کھولا۔ اس سلسلے میں دفعہ نمبر 48، 58، 90، 5691 کو واضح کریں۔

سوال نمبر 2۔ آئین میں نیشنل سیکورٹی کونسل کے قیام کو اہمیت دی گئی۔ اس سلسلے میں کیا آئینی اقدامات کیے گئے۔ سیکورٹی کونسل بنانے پر کس قسم کا سیاسی ردعمل دیکھنے میں آیا؟

سوال نمبر 3۔ ضیاء الحق نے اپنے صدارتی اختیارات میں کسی طرح اضافہ کیا ان اختیارات کا حاصل بحث کریں۔

سوال نمبر 4۔ مارشل لاء کی چھتری تلے اسلامائزیشن کے عمل کو کیسے فروغ دیا گیا نیز اسلامائزیشن کے اہم

PakistanMaterial.com

نکات کی نشاندہی کریں۔

سوال نمبر5۔1979ء کے حدود دلاء میں تعزیری سزاؤں کو بیان کریں۔نیز اس امر پر روشنی ڈالیں کہ یہ سزائیں واقعی شرعی تھیں۔

سوال نمبر6۔حدود آرڈیننس کے بارے میں کی جانے والی عدالتی تنقید کو واضح کریں۔

سوال نمبر7۔ضیاء نے اسلامی معاشی نظام کو قائم کرنے میں آئین میں کس قسم کی دفعات کا سہارا لیا کیا وہ اسلامی معاشی نظام قائم کر پائے۔دلائل دیں۔

سوال نمبر8۔اس بیان میں کتنا سچ ہے"ضیاء اسلامائزیشن کے عمل کی آڑ میں اپنے آپ کو مضبوط بنا رہے تھے" جیسا کہ وسیم کا خیال ہے۔

سوال نمبر9۔ضیاء اسلامائزیشن کے سلسلہ میں کیا اقدام اٹھائے گئے۔نیز سائنسی فکش کو مذہبی میتھالوجی کے ساتھ جوڑنے کے سلسلے میں کیا اقدام کیے گئے۔

☆☆☆

باب نمبر7

سویلین گورنمنٹ مارشل لاء کی چھتری تلے

CIVILIAN RULE UNDER THE SHADOW OF MARTIAL LAW

تعارف:

Introduction

30دسمبر1985ء کو ملک میں مارشل لاء ختم کر دیا گیا۔ملٹری عدالتیں بھی تھی بند کر دی گئیں اور ان عدالتوں میں پڑے ہوئے مقدمات کو سول کورٹس اور دیگر عدالتوں میں منتقل کر دیا گیا۔ 20سالہ پرانی ہنگامی حالت کا خاتمہ کر کے بنیادی حقوق بحال کر دیئے گئے۔دنیا نے ہماری اس سیاسی صورتحال کا خیر مقدم کیا۔آئین پر موجود بعض احتمالات نے اسمبلیوں کی تشویش بڑھادی خاص طور پر صدر کے اختیارات کی لٹکتی ہوئی تلوار سب کو خوف کے سایوں تلے دھکیلنے کے لیے تیار کھڑی تھی صدر نے ابھی آرمی کا عہدہ بھی سنبھالا ہوا تھا۔

محمد خان جونیجو:

آپ18اگست1932ء میں سندھی گاؤں سندھڑی میں پیدا ہوئے ان کا تعلق زمیندار گھرانے سے تھا انہوں نے کیمرج یونیورسٹی برطانیہ سے ماسٹر کیمرج کیا۔زرعی یونیورسٹی ہنگنز سے زراعت میں ڈپلومہ کیا۔وطن واپسی پر وہ سیاست کی طرف مائل ہو گئے۔

وہ1954ء میں سانگھڑ ضلع کونسل کے صدر منتخب ہوئے1962ء میں مغربی پاکستان اسمبلی کے رکن بنے جولائی1963ء میں آپ تعمیرات، صحت، ریلوے بنیادی جمہوریت و بلدیات، محنت اور انفرادی قوت کے محکموں کے وزیر بنے ضیاء دور میں جولائی1978ء میں ریلوے کے وزیر بنے وہ اس وزارت سے21اپریل1979ء کو خود مستعفی ہو گئے۔

1970ء کی دھائی میں جب بھٹو نے اقتدار سنبھالا تو وہ سیاست سے کنارہ کش ہو کر کالعدم

PakStudy.com

مسلم لیگ اور پیر پگاڑہ سے وابستگی اختیار کرتے رہے۔ وہ پرامن سیاست کے قائل تھے۔ انہوں نے بارہا اور برملا اس امر کا اعتراف کی تھا کہ وہ ذہنی طور پر قطعاً وزیراعظم نہیں بننا چاہتے تھے۔ ضیاء الحق نے آپ کو اس کے باوجود 23 مارچ 1985ء کو وزارت عظمیٰ کے لیے نامزد کیا 29 مئی 1988ء کو ضیاء الحق نے اسمبلی برخاست کر کے انہیں وزارت عظمیٰ سے سبکدوش کر دیا۔ بعدازاں آپ بیمار ہو گئے جب علاج کے لیے لندن گئے تو وہیں انتقال کر گئے۔ 1993ء میں آپ کو آپ کے آبائی گاؤں سندھڑی میں سپرد خاک کر دیا گیا۔ آپ کا بیٹا اسد جونیجو نواز شریف کے دور میں وزیر بنا بیٹی فضہ جونیجو 1994ء میں سینٹ کی رکن منتخب ہوئیں۔ یاد رہے کہ 1988ء کو ہونے والے الیکشن میں محمد خان جونیجو کو شکست سے دوچار ہونا پڑا تھا۔

مارشل لاء کا خاتمہ:

ضیاء الحق نے پاکستان میں چوتھا مارشل لاء 5 جولائی 1977ء کو نافذ کیا۔ بالآخر وہ نوے دن میں الیکشن کرانے کا جھانسہ دے کر اپنے مخصوص اقتدار اور مارشل لاء کو ساڑھے آٹھ سال تک تحفظ دینے میں کامیاب رہے۔ وہ اپنے ذاتی اقتدار کی خاطر سیاسی جماعتوں کے وجود کے سخت مخالف تھے۔

انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ اگر انہوں نے سیاسی جماعتی بنیاد پر انتخابات کرائے تو ان کا پتہ صاف ہو سکتا ہے اور اگر ان جماعتوں پر پابندی اٹھالی جاتی ہے تو وہ بحالی جمہوریت کے ذریعے ان کے ذاتی عزائم اور مفاد کو نقصان پہنچا سکتی ہیں۔ اسی لیے انہوں نے اسلامائزیشن کی آڑ میں غیر جماعتی الیکشن کرائے شوریٰ تشکیل دی اور اپنے مفاد کی خاطر ریفرنڈم کا ڈھونگ رچایا۔ عوام کو خوش کرنے کے لیے اسلامی شریعت کو نافذ کرنے کا نعرہ لگایا، سیاسی جماعتوں اور امریکہ کو خوش کرنے کے لیے ملک میں لنگڑی جمہوریت قائم کی۔

تمام اختیارات اپنی ذات میں مرتکز کرنے کے لیے صدر اور آرمی سٹاف کا عہدہ بھی اپنے پاس رکھا اس سے قبل وہ آرڈیننس اور آئین میں ترامیم کے ذریعے اپنے آپ کو خاصا مضبوط بنا چکے تھے۔ انہوں نے 30 ستمبر 1985ء کو ملک سے مارشل لاء اور ایمرجنسی ختم کرنے کا اعلان

حکومت کو لاحق خطرات:

اس جمہوری حکومت کو بعض خطرات لاحق تھے۔

1- ضیاء الحق کے مضبوط صدر اور آرمی چیف آف سٹاف ہونے کی وجہ سے حکومت سخت پریشان تھی۔

2- صدر نے حکومت کے ابتدائی ایام میں حکومت سے من مانی آئینی ترامیم کرنے کے لیے دباؤ ڈالنا شروع کر دیا تھا۔ اور انہوں نے مارشل لاء صرف اس شرط پر ختم کرنے کی یقین دھانی کرائی تھی کہ اسمبلی اس کی آٹھویں ترمیم کو منظور کرے گی۔

3- غیر سیاسی جماعتی الیکشن ہونے کی وجہ سے حکومت میں شامل دوست دشمن افراد اپنا رنگ دکھا رہے تھے۔ جونیجو نے جلد ہی محسوس کر لیا تھا کہ پارٹی سسٹم کے بغیر حکومت سیاسی پارٹی کا اعلان کریں گے۔ اس غرض کے لیے 29 اراکین پر مشتمل قومی اسمبلی اور 13 رکنی اراکین پر مبنی سینٹ کی کمیٹیاں بنا دیں تا کہ وہ اپنی حتمی رپورٹ حکومت کو پیش کریں۔

4- یہ رپورٹ 7 جولائی 1985ء کو حکومت کو پیش کی گئی اس کا خلاصہ یہ تھا کہ 1962ء کو پولیٹکل ایکٹ کی جگہ نیا قانون متعارف کرایا جائے وہی قانون سیاسی جماعتوں کی بحالی کا طریقہ پیش کرے گا۔ لہٰذا اس قانون کے تحت (جو بعد میں رائج ہوگا) سیاسی جماعتوں کو رجسٹریشن کرنے کا موقع دیا جائے ایسی سیاسی جماعتیں جو نظریہ پاکستان اور پاکستان کی سالمیت کے خلاف ہیں کو رجسٹرڈ نہ کیا جائے۔

5- ان رپورٹس کے بعد نومبر 1985ء کو سیاسی جماعتوں کو بحال کرنے کا بل بھی قومی اسمبلی میں پیش کیا گیا۔ 9 دسمبر 1985ء کو بعض گروپس کی مخالف کے باوجود یہ بل قومی اسمبلی نے پاس کر دیا بعدازاں 16 دسمبر کو سینٹ بھی اس بل کی توثیق کر دی اور بعد میں اس بل کو نافذ کر دیا گیا۔

6- 18 جنوری 1986ء نے انہوں نے اپنی پارٹی کو پاکستان مسلم لیگ کے نام سے متعارف کرایا۔

7- 10 اپریل 1988ء کو بے نظیر وطن واپس آئیں تو پنجاب میں اور خاص طور پر اس کے بڑے شہروں لاہور گوجرانوالہ۔ سیالکوٹ، شیخوپورہ گجرات میں ان کا فقید المثال استقبال کیا گیا۔ بڑے بڑے جلوس نکالے گئے ضیاء نے اس ہجوم پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا اس ہجوم میں روشنی کم اور حرارت زیادہ تھی۔ مگر انکی آمد سے حکومت پر زیادہ زور نہ پڑا۔

8- ملٹری کی گرفت اور نان پارٹی گورنمنٹ کی وجہ سے فضا مسلسل معذرت خواہانہ بنی رہی قومی اسمبلی کے سپیکر سید فخر امام اپنے آزادانہ رویے پر قائم رہے۔

9- صورتحال مزید خراب اس وقت ہوتے ہوئے۔ دکھائی دی جب IPI کے ممبران سیف اللہ

Pakistanstudy.com

اور شیر افگن نے محمد کان جونیجو کی وزارت عظمیٰ اور عبدالستار لالیکا کی رکنیت قومی اسمبلی کو اس گراونڈ پر نااہل قرار دلوانا چاہا کہ وہ وزیراعظم بھی بن بیٹھے ہیں حالانکہ انہوں نے اپنی پارٹی کو رجسٹرڈ بھی نہ کرایا ہے۔اس طرح انہوں نے قانون شکنی کی ہے لہٰذا سے فوری نااہل قرار دیا جائے اور دوبارہ انتخابات کروا کر اصلی جمہوری نمائندگان کی حکومت کا حق عطا کیا جائے۔سپیکر یہ ریفرینس چیف الیکشن کمشنر کو بھجوادیا۔

10- بعد ازاں صدر پاکستان نے آرڈیننس نمبر 1 بابت 1986ء کے ذریعے، مجوزہ کلاز کو ختم کرتے ہوئے وزیراعظم کی اس ریفرنس سے ضمانت کرائی۔اس ترمیم کو ہاؤس آف دی پارلیمنٹ اینڈ پروانشیل اسمبلیز (الیکشن) کہتے ہیں۔

11- ایسا ہی ریفرنس سندھ صوبائی اسمبلی کے سپیکر نے بھی چیف الیکشن کمشنر کو بھجوایا یہ ریفرنس 46 اراکین صوبائی اسمبلی نے پیش کیا تھا۔

12- جونیجو نے رشوت، ناانصافی، بدعنوانی، سرخ فیتہ، اور نااہلی کے خلاف اقدامات کرنے کا عزم کرلیا تھا۔

13- انہوں نے اسمبلی میں 237 اراکین میں سے 190 اراکان اسمبلی پر مشتمل اپنی پارٹی بنائی اور باقی اراکین آزاد گروپس میں تقسیم ہوگئے۔

14- 10 جولائی کو قومی اسمبلی کے 25 آزاد اراکان نے دوبارہ حکومت سے اسلامی نظام کے نفاذ کے متعلق مطالبہ کردیا۔

15- جونیجو ہر قیمت پر سپیکر اسمبلی فخر امام سے چھٹکارہ چاہتے تھے لہٰذا 26 مئی 1986ء کو ان کے خلاف عدم اعتماد کیا گیا۔لہٰذا ان کی جگہ حامد ناصر چھٹہ کو سپیکر اسمبلی بنادیا گیا۔بعد میں جونیجو نے یہ plea لی کہ اکثریتی پارٹی کا حق ہے کہ سپیکر انکی مرضی کا منتخب کیا جائے۔

16- ضیاء الحق کو آرمی چیف ہونے کے ناطے ملٹری سے مناسب سپورٹ حاصل ہورہی تھی۔

حکومت کی معاشی اور سماجی کارکردگی

ECONOMIC AND SOCIAL PERFORMACNE

اس حکومت کو اپنے ابتدائی ہی سے کئی گھمبیر صورتحال کا سامنا کرنا پڑا حکومت نے اس امر کا اعادہ

کیا کہ وہ عام لوگوں کی معاشی زندگی میں مثبت تبدیلی لائیں گے۔غربت اور بے روزگاری کا خاتمہ کیا جائے گا۔تعلیم، اور کچی آبادیوں کی طرف خصوصی توجہ دی جائے گی۔اس سلسلہ میں 5 نکاتی پروگرام متعارف کرایا گیا۔

پانچ نکاتی پروگرام:

Five Points Programmge

-1 نظریہ پاکستان کی بنیاد پر مضبوط اسلامی جمہوری نظام کا قیام عمل میں لانا۔

-2 منصفانہ معاشی نظم کا قیام، بے روزگاری کا خاتمہ اور عوام کی خوشحالی کو یقنی بنایا۔

-3 ناخواندگی کا خاتمہ اور عوام کو جدید سائنسی دور کے لیے تیار کرنا۔

-4 رشوت اور بدعنوانی کے خلاف جہاد کرنا تاکہ عوام معاشی اور سماجی انصاف پاسکیں۔

-5 مضبوط دفاع اور غیر وابستہ متوازن خارجہ پالیسی کے ذریعے ملکی استحکام، قومی سلامتی اور خود مختاری کا تحفظ کمیشن نے انہی نکات کو مدنظر رکھ کر 1986ء تا 1990ء کیلیے چھٹا پانچ سالہ منصوبہ ترتیب دیا۔

چھٹا پانچ سالہ منصوبہ

Sixity five Year Plane

اس منصوبے کا سائز 495 بلین روپے تھا جس میں سے 295 بلین روپے سرکاری شعبہ کے لیے اور 200 بلین روپے پنجی شعبہ کے لیے مختص تھا۔منصوبے کے مال ذرائع کے سلسلہ مین بنایا گیا۔ 75 بلین روپے غیر ملکی ذرائع سے حاصل کرنا تھے۔

منصوبے کے مقاصد:

-1 شعبہ زراعت میں خود کفالت لانا، چاول کی برآمدات میں اضافہ کرنا۔

-2 دیہاتوں مین زرعی صنعتیں قائم کرنا۔

-3 چھوٹے کسانوں کے لیے روزگار کے زیادہ مواقع مہیا کرنا، مادی اور سماجی ڈھانچے کے ساتھ ساتھ غربا کو Safety Nets فراہم کرنا۔

-4 پنجی سرمایہ کاری پر انحصار کرنا۔

PakistaniUni.pk

منصوبے کے اہم خدوخال:

1- ٹیکس ریٹ (شرح خواندگی) میں 26% تا 50% تک اضافہ کیا جائے گا۔

2- 90% گاؤں میں بجلی کی سہولت کو پہنچایا جائے گا۔

شہر میں موجود کچی آبادیوں کے 2.2 ملین مقیم افراد کو فی خاندان کے حساب سے 7 مرلے کے پلاٹس کے مالکانہ حقوق دیئے جائیں گے۔

4- 26 ملین لوگوں کے لیے پینے کا صاف پانی کا بندوبست کیا جائے گا۔ اور 7 ملین لوگوں کے لیے نکاسی آب نظام کو بہتر بنایا جائیگا۔

5- 180 بنیادی صحتی مراکز 151 دیہی ہیلتھ سنٹرز کھولے جائیں گے۔

6- دیہاتوں سے منڈیوں تک 15 ہزار کلومیٹر طویل سڑکیں تعمیر ہونگی۔ اس کے علاوہ نہروں کے ساتھ ساتھ افراد کے لیے 40 ہزار کلومیٹر لمبی سڑکیں تعمیر کی جائیں گی۔

7- 30 لاکھ ایکڑ رقبہ جو سیم وتھور کا شکار کوزیر کاشت بنانے کے قابل بنایا جائیگا۔

8- 324 ایم این اے اور سینیٹرز حضرات کو کہا گیا کہ وہ اپنے پسماندہ اور غیر ترقی یافتہ علاقوں کی

نشاندہی کریں تاکہ ان کی ترقیاتی بحالی کے لیے ہر کسی کو 5 ملین روپے کی گرانٹ دی جاسکے

ان منصوبے پر عمل مونسپل اور دوسری ایجنسیوں کے ذریعے کرایا جائے گا۔

9- نئی روشنی منصوبے کے تحت ہر گاؤں میں اخراجات کو محدود کر کے بالغوں کے لیے تعلیمی سہولتوں پر زور دیا گیا۔ اس کے لیے پہلے سے موجود سکولز کی عمارت استعمال میں لائی گئی جونیجو صاحب جانتے تھے سندھی وڈیرے کیسے غریب مزارعین کو بچوں کو تعلیم سے دور رکھتے ہیں لہٰذا انہوں نے نئی روشنی سکیم کے تحت تعلیمی عمل پر خاصا زور دیا اس کے تحت 14-10 سال کے بچوں کو بھی تعلیم دی جاتی تھی جو وقت پر سکولوں میں کسی وجہ سے داخلہ نہ لے سکتے تھے۔

10- اقراء پائلٹ پروجیکٹس کے تحت راولپنڈی اور اسلام آباد میں بھی تعلیم کا سلسلہ شروع کیا کہ

پڑھے لکھے لوگ تین مہینوں کے اندر ان پڑھوں کے لکھنا پڑھنا سکھائیں۔

11- 5 ہزار ملین کی درآمد کرنے برآمدات کے حجم میں ہر سال 15% اضافہ کیا جائے گا۔

12- سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم پر 5855 روپے خرچ کئے جائیں گے۔

13- فی کس آمدنی میں 3.6% سالانہ کے حساب تک اضافہ کیا جائے گا۔

14- ہر سال 1 لاکھ 10 ہزار گیس کے نئے کنکشن دیئے جائیں گے۔

15- فی کس صرف میں 2.6% کے حساب سے اضافہ کیا جائیگا۔

معاشی پالیسی اور کارکردگی کے نتائج

اکنامک گروتھ حجم 87-1986ء میں 7% رہا افراط زر 70-1969ء کے سال کی نسبت کمہو کر 3.4% ہوگیا۔ چھوٹے منصوبے کی پیداوار میں توقع سے زیادہ اضافہ دیکھنے میں آیا حالانکہ سرمایہ کاری زیادہ نہ ہوئی تھی۔

1987ء میں ایک لسانی پارٹی MQM کی وجہ سے کراچی شہر ہنگاموں کی لپیٹ میں آگیا۔ جسکے نتیجہ میں صنعتیں بند ہوگئیں۔ پیداوار کے زمرے میں 03 ملین روپے کا نقصان ہوا۔ گورنمنٹ نے 11 کھی، سینٹ وغیرہ کی صنعتیں جنہیں سرکاری تحویل میں لیا گیا تھا اسے مالکان کے حوالے کر دیا گیا۔ منافع پر ٹرن (Return) اور خسارے میں جانے والے بینک اکاؤنٹس بند کر دیئے گئے اس مد میں کل 69% روپے جمع ہوئے 88-1987ء کے بجٹ میں جونیجو حکومت کو دھچکا لگا کیونکہ ایڈیشنل ٹیکس کی مد میں 1788 کروڑ روپیہ جمع کرنا تھا کہ یہ ٹارگٹ پورا نہ ہوسکا۔

تمام انکم ٹیکس ادارے والوں کو 10% ڈیفنس ٹیکس ادا کرنے کا حقدار ٹھہرایا گیا اس مین سپر ٹیکس لگایا گیا۔ پاکستان میں تمام کاروباری لوگوں نے حکومتکے بجٹ کی دل کھول کر مخالفت کی اور اس سلسلہ میں جلوس نکالے پھر ایک ہفتہ کے اندر ڈیفنس ٹیکس اور دوسرے واجبات وغیرہ کو ختم کر دیا گیا PPP کے ساتھ دوسری Lobby نے جونیجو حکومت کی اکنامک پالیسوں اور قانون سازی پر بہت تنقید کی۔ ایڈجسٹریشن کے ضمن میں جونیجو حکومت نے کوئی تبدیلی نہ کی۔

PakistaniyUni.pk

جونیجو حکومت کے کٹھن مرحلے

سرکاری کرپشن:

پارلیمنٹ کی پبلک اکاؤنٹ کمیٹی نے مالی غبن کے کیسز کا سراغ لگایا اس وقت نیشنل قومی اسمبلی فیڈرل انٹی کرپشن کمیٹی کے ہیڈ جنرل مجیب ملک تھے۔ جنہوں نے مختلف ڈیپارٹمنٹ میں کرپشن کی واضح تفصیلات ثبوتوں کے ساتھ گورنمنٹ کو پیش کیں۔ اس میں بیوروکریٹس اور دوسرے بااثر لوگ شامل تھے مگر ان مقدمات کی مناسب تفتیش نہ ہونے کی وجہ سے معاملات دب گئے۔ پھر بھی مخالف پارٹیوں نے حکومت کی اس کمزوری کا خوب فائدہ اٹھایا۔

شریعت بل:

جونیجو دور میں اسلام کا نعرہ لگانے والے ایک مرتبہ پھر اپنے جوبن کے ساتھ سیاسی میدان میں کود پڑے ٹریژری بنچز نے آئین میں نویں ترمیم پیش کرنے کی تجویز دی اس میں اسلامی دفعات کو شامل کیا گیا تھا سینٹ نے اسے منظور کر لیا متحدہ شریعت محاذ جس میں کچھ MNA اور جماعت اسلامی کے سینیٹرز شامل تھے۔ اس کے علاوہ دوسرے فرقوں والے لوگ بھی شامل تھے انہوں نے نویں ترمیم میں موجود اسلامک دفعات کی مخالفت کی اور انہوں نے اپنا تیار کردہ پرائیویٹ شریعت بل متعارف کرا دیا۔ اس بل میں شریعت کی تعریف میں اجماع، قیاس، اجتہاد۔ کو شامل کیا گیا تھا۔ کہا گیا کہ اگر اس بل کو نافذ کر دیا جاتا ہے تو پاکستان اصل معنوں میں اسلامی ملک اور امن کا گہوارہ کہلائے گا۔ جب اس بل پر غور کیا گیا تو عیاں ہوا کہ یہ بل تو ملک میں فرقہ واریت کو فروغ دے گا اور مزید اختلافات سامنے آئیں گے۔

ایک تو اس بل کی روح خلاف آئین تھی اور دوسرہ قرآن کی تشریح کے سلسلہ میں اسلام کے ابتدائی قانون دان (فقہا) کی رائے کو بھی حرف آخر قرار دے دیا گیا تھا۔ سینیٹر مولانا سمیع الحق نے اس بل کو یہ کہتے ہوئے اسمبلی میں پیش کیا کہ اس کی بنیاد 1949ء کی قرار داد مقاصد اور 1951ء میں 31 نامور علماء کے 22 نکات ہیں۔ ان 31 علماء کا تعلق ملک کے بڑے فرقوں سے تھا۔ بل کو نافذ کرنے سے یہ بھی خطرہ تھا کہ اب تک اسلام کے نفاذ میں جو کام ضیاء الحق اور فیڈرل شریعت کورٹ نے انجام

دیا تھا وہ بھی غلط قرار پائے گا منتخب شدہ ارکان اسمبلی کی اتھارٹی کم ہو جائیگی اور قانون کے نفاذ کے لیے پارلیمنٹ نئی ایگزیکٹو باڈی نامزد کرے گی پاکستان کے لبرل سیکشن نے دبے الفاظ میں اس بل پر اعتراضات کا اظہار کیا کیونکہ اس سیکشن کو یقین تھا کہ یہ لوگ ضیاء سے تو زیادہ طاقت ور نہیں ہیں۔ اس لیے یہ نافذ نہیں ہوگا۔ بل کو پیش کرنے والوں نے براہ راست ضیاء الحق اور پیر پگاڑو کو اسلام کا مجرم قرار دیا اور کہا کہ نہوں نے اسلام سے کھیل کھیلا ہے ضیاء صاحب نے علماء کو یاد کرایا کہ علماء کا کام حکومت پر ناجائز قبضہ نہ ہے بلکہ حکومت کے اکابرین کو صحیح صلاح مشورے دینا ہے انہوں نے دعویٰ کیا کہ پاکستان ایک ایسا ملک ہے جس میں دوسرے اسلامی ممالک کی نسبت زیادہ شرعی قوانین نافذ ہیں انہوں نے علماء کو صبر کرنے کا مظاہرہ کرنے کا کہا اسمبلی میں اس بل کو تکنیکی بنیادوں پر ناکام کرنے کی کوشش کی گئی۔ جو آخر کار حالات کی نزاکتوں سے کامیاب ہوگئی۔

MRD کا رویہ:

جونیجو نے اسمبلی میں اپنی پارٹی بنا کر ہاؤس میں ایک نیا ماحول پیدا کیا تھا۔ MRD اور PPP کا مسئلہ حکومت کو وراثت میں ملا تھا PPP کی بڑھتی ہوئی مقبولیت نے بھی حکومت کا جینا دوبھر کیا ہوا تھا 1986ء کو بے نظیر لندن سے واپس آئی تو اس نے نئے الیکشن جماعتی طور پر کرانے کا نعرہ بلند کر دیا۔ 20 ستمبر کو MRD نے حکومت سے اپنے مطالبات منوانے کی خاطر ہڑتال اور احتجاج کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس اجتماع کے تحت بعض افراد کو نقص امن برباد کرنے کے اقدام پر گرفتار کر لیا گیا۔ 14 فروری 1986ء کے فیصل آباد کے جلسہ عام میں ایم آر ڈی کے قائدین نے اعلان کیا کہ ہم غیر جماعتی انتخابات کو ہرگز قبول نہیں کرتے جب تک موجود غیر آئین اسمبلیاں ختم نہیں ہو جاتیں اور صدر ضیاء مستعفی نہ ہو جائیں اور آٹھویں ترمیم کے خاتمہ اور نئے انتخابات کرانے کا مطالبہ کیا۔

خاں عبدالولی خاں نے 9 فروری کو ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ اگر حکومت انہیں زیادہ تنگ کرے گی تو وہ اپنی مدد کے لیے روس کو بلانے میں دیر نہیں کریں گے یا خود پاکستان چھوڑ کر روس چلے جائیں گے روس پہلے ہی درہ خیبر پر کھڑا ہے وہ کسی نہ کسی روز ضرور اٹک پہنچ جائے گا۔ مارچ میں بے نظیر کے رابطے جونیجو حکومت سے ہونے لگے جس کی خبریں اخبارات میں چھپی۔ غلام مصطفےٰ جتوئی کو پیپلز پارٹی سے علیحدہ کر دیا کیونکہ ان کے پاس ثبوت موجود تھے کہ جتوئی نے موجودہ

Pakistanstudy.com

حکومتی سیٹ اپ میں خاصا کردار ادا کیا ہے انہوں نے الگ اپنی نئی پارٹی بنالی۔جس کا نام نیشنل پیپلز پارٹی رکھا گیا۔

مارچ میں بے نظیر نے امریکہ کا دورہ کیا۔انہوں نے امریکہ کے تعاون اور حمایت پر کانگرس کے اراکین کا شکریہ ادا کیا انہوں نے کانگرس کے ارکان سے واشگاف کہا کہ وہ اسلامی سوشلزم کی حامی نہیں بلکہ سوشل ڈیموکریسی پر یقین رکھتی ہیں۔انہوں نے امریکی کانگرس سے اپیل کی کہ جب تک پاکستان میں انسانی حقوق بحال نہیں ہوجاتے اس وقت تک امریکی حکومت پاکستان کو 402 ملین ڈالر قرض (امداد) کی ادائیگی نہ کرے۔نیز امریکی حکومت نے وطن واپسی پر ان کی جان کی حفاظت کی اجازت دی وہاں سے وہ سعودی عرب گئیں اور عمرہ کیا پھر اچانک ماسکو پہنچ گئیں انہوں نے روس کے اعلیٰ حکام سے ملاقات کی پھر اپنے بھائی مرتضیٰ کو ملنے کیلیے دمشق چلی گئیں۔10 اپریل 1986ء کو وہ لاہور پہنچیں ان کا شاندار استقبال ہوا انہوں نے اپنے جلوسوں میں ریفرنڈم، انتخابات اور دستوری ترامیم کے مسترد کرنے کا اعلان کیا بھارت اور افغانستان سے تعلقات بہتر بنانے پر زور دیا اور فوج کے کردار کو مسلسل حرف تنقید بنایا انہوں نے پورے ملک کا دورہ کیا اور ملک میں اپیل کی کہ 5 جولائی 1986ء کو یوم سیاہ منایا جائے۔

امریکہ کے کامیاب دورے اور اسٹیفن سولارز کی حمایت اور عوامی استقبال کی وجہ سے ان کا خیال تھا کہ حکومت ان کی مٹھی میں آجائے گی مگر ضیاء اور جونیجو نے تحریک کا سیاسی مقابلہ کیا اور ساتھ ہی مسلم لیگ نے 5 جولائی کو یوم نجات منانے کا اعلان کرکے بے نظیر کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔بے نظیر نے امریکہ سے واپس آکر ایم آر ڈی کا نام تک لینا چھوڑ دیا۔

جولائی 1986ء میں MRD کے رکن اور سندھی عوامی تحریک کے نمائندے اور MRD کے کنوئیر رسول بخش پلیجو نے محمد بن قاسم کے مقابلے میں راجہ داہر کو "ہیرو" قرار دیا اور اس کے پلیٹ فارم سے پاکستان کے خلاف نعرے بازی کی گئی تو کنوئیر شپ پلیجو سے چھین کر فضل الرحمٰن کے دے دی گئی اور ملک قاسم MRD کے سیکرٹری جنرل بنادیئے گئے۔

MRD کے اجلاس میں اصغر خاں اور بے نظیر نے شرکت نہ کی لہٰذا MRD کی افادیت ختم ہوتی گئی۔اور اخبارات میں خوب کارٹونوں کے ذریعے اس کی رسوائی کی گئی۔MRD میں

موجود ہر پارٹی اپنے اپنے مفادات کے گرد منڈلاتی رہی اور MRD کا اتحاد کمزور ہوتا گیا۔دوسری طرف غلام جتوئی کھلم کھلا بھٹو ازم کے خلاف زہر اگل رہے تھے بے نظیر اور جتوئی کے حامیوں میں کشیدگی کی وجہ سے اگست 1986ء میں موزو میں دفعہ 144 نافذ کرنے پڑی آخر کار 30 اگست 1986ء کو جتوئی نے اپنی نیشنل پیپلز پارٹی قائم کرنے کا اعلان کردیا۔

اگست 1986ء میں سیاسی تصادم کے آثار صاف نظر آرہے تھے 14 اگست کو تمام سیاسی جماعتوں نے جلسے کرنے کا اعلان کیا جونیجو نے خود فضا کو پرامن کرنے کے لیے 11 اگست کے خطاب مین اپنا جلسہ نہ کرنے کا اعلان کیا اور ساتھ دوسری سیاسی پارٹیوں سے بھی استدعا کی کہ وہ 14 اگست کو اپنے جلسے منسوخ کردیں تاکہ 14 اگست پرامن طریقے سے منایا جائے۔MRD نے اعلان کیا کہ وہ ہر قیمت پر اپنا جلسہ کرے گی۔حکومت نے MRD کے عزائم کو ناکام بنانے کے لیے قانون کا سہارا لیا نتیجتاً لاہور اور کراچی خون سے نہلا گئے سندھ میں حالات بہت خراب ہوگئے یہاں جلاؤ گھیراؤ اور مار بھگاؤ بہت زیادہ ہوا کراچی میں تھانوں اور ریلوے اسٹیشنوں پر حملے ہوئے انکو آگ لگائی گئی ٹھٹھہ کی جیل توڑ کر 48 قیدی رہا کرالیے گئے دھڑکی میں بھی ایسی کاروائی کی گئی۔سندھ میں بسوں۔پٹرول پمپوں، دکانوں کاروں سرکاری عمارت کو آگ لگادی گئی ریل کی پٹڑیاں اکھاڑ دی گئیں بنک لوٹ لیے گئے مگر یہ سب کچھ "جمہوریت کی بحالی کی خاطر" ہورہا تھا۔

24 اگست 1986ء کو جونیجو نے گورنر ہاؤس لاہور میں سندھ کی صورتحال کو خطرناک ترین قرار دے دیا مگر انہوں نے مڈٹرم الیکشن اور گورنر راج کی قراردادوں کو مسترد کردیا۔

بلدیاتی انتخابات اور ملکی صورتحال:

بعض سیاسی پارٹیاں اس امر کا برملا اعلان کررہی تھیں کہ پیپلز پارٹی کو آئندہ حکومت لانے کے لیے حکومتی ارکان چور دروازے استعمال کررہے ہیں کیونکہ PPP نے آل پارٹیز کے بائیکاٹ کا اعلان کیا تھا۔ANP اور PML (ملک قاسم گروپ) بھی اس کے ساتھ مل گیا ہے۔کیونکہ ایک طرف تو پیپلز پارٹی حکومتی انتخابات کے صریح بائیکاٹ کا نعرہ لگا رہی تھی تو دوسری طرف ستمبر 1987ء میں میاں چنوں کی ذیلی انتخابی نشست پر وہ الیکشن بھی لڑ رہی تھی۔حکومت نے نومبر 1987ء کو بلدیاتی انتخابات کرانے کا اعلان کردیا تھا نومبر میں انتخابات ہوگئے۔ووٹروں کے ووٹ ڈالنے کے لیے شناختی کارڈ

دکھانے کی شرط رکھی گئی۔حکومت نے نوکر شاہی کے ذریعے اپنا اثر ورسوخ خاصا ڈالا دیہی سطح پر پاکستان مسلم لیگ نے 75000 نشستیں جیت لیں۔PPP نے سندھ کے گردونواح اور NWFP میں زیادہ نشستیں جیب لیں پنجاب میں PPP کے نمائندگان کو کم نشستیں ملیں، جماعت اسلامی اور جمعیت علماء پاکستان کو بھی کم نشستیں ملیں سندھ میں ایک اور نیا اپ سیٹ ہوا جب ایک نی لسانی تنظیم MQM (مہاجر قومی موومنٹ) نے کراچی اور حیدرآباد میں مکمل نشستیں جیب لیں۔ جماعت اسلامی کو اس کا بہت صدمہ ہوا کیونکہ 1977ء میں کراچی جماعت اسلامی کا دل تھا اس دور میں قاضی حسین احمد جماعت اسلامی کے صدر بنے اور انہوں نے حکومت سے دور رہنے کا اعلان کیا انہوں نے صدر کے بیک وقت دو عہدے رکھنے پر ان کے خلاف تحریک چلانے کا باقاعدہ اعلان کر دیا۔

MQM (مہاجرین قومی موومنٹ) کا مسئلہ

سندھ شروع ہی سے سیاسی تضادات اور فسادات کا صوبہ رہا ہے یہاں جاگیرداری نظام کی اصل جھلک دیکھنے کو ملتی ہے۔ یہاں ہر قسم کے سیاسی مذہبی۔لسانی سیاسی گروہ عام نظر آتے ہیں۔یہاں پر چھ سیاسی گروپس ہیں جو سندھ کے سیاہ وسفید کے مالک بننے کے لیے اپنی اپنی تحاریک چلا رہے ہیں بڑے سیاسی گروپس میں PPP اور PML کا نام آتا ہے یہ دونوں گروپس وفاق کی سالمیت کی بات کرتے ہیں۔تیسرا گروپ NPP جتوئی کی جماعت ہے جو وفاق کی اہمیت کو کچھ درجے بہتر سمجھتی ہے۔

سندھی لسانیت اور صوبائیت کی بنیاد پر بنے ہوئے ہیں۔"جئے سندھ محاذ" کے بانی جی ایم سید کھلم کھلا پاکستان کی مخالفت کرتے ہیں اور سندھ کو سندھو دیش بنانے کے حامی ہیں۔ان کی تحریک میں مقامی طلباء کی تھوڑی سی تعداد ہے جئے سندھ محاذ کی چیرمین حمیدہ کھوڑو نے کنفڈریشن کے قیام کا مطالبہ کیا تھا۔

SBPE (سندھی بلوچی پختون فرنٹ) ممتاز بھٹو اور حفیظ پیرزادہ اس کے لیڈر ہیں یہ چار قومیتوں کے مساوی حقوق دلانے کی بات کرتی ہے۔انہوں کا کہنا ہے کہ 1940ء کی قرارداد لاہور کی بنیاد پر ان قومیتوں کی کنفڈریشن بنائی جائے۔دوسرے طرف سندھ کے اندر ANP کے زیر سایہ رسول بخش پلیجو نے "سندھی عوامی تحریک" بنائی ہوئی ہے۔یہ لینین کے نظریہ "National Question"

کی بنیاد پر صوبائی خودمختاریت کے حامی ہے تاکہ سوشل ازم کو اس صوبے کا گہوارہ بنایا جاسکے۔مئی 1988ء میں ہونے والی سان کانفرنس نے تمام سندھی لسانی سیاسی جماعتوں نے اپنی طاقت کا مظاہرہ کیا ان تمام جماعتوں نے سندھ کی خودمختاریت اور علیحدگی کی بنیاد پر SNA (سندھی نیشنل الائینس) متحد پارٹی بنائی ان کا مطالبہ ہے کہ سندھ کو فیڈرل سے علیحدہ کیا جائے اور غیر سندھیوں کو سندھ سے نکال دیا جائے۔MQM 18 مارچ 1984ء کو معرض وجود میں آئی 1986ء میں جب سیاسی سرگرمیاں بحال ہوئیں تو اس وقت ایک تنظیم تیزی سے ابھری یہ MQM تھی جس کے قائد الطاف حسین نے مہاجرین کو پاکستان کی پانچویں قومیت قرار دے دیا تحریک کے نصب العین کو اس طرح واضح کیا گیا۔

1- سندھ میں کوٹہ سسٹم کے تحت پرانے سندھیوں کو جو نئے سندھیوں پر ترجیح دی جارہی ہے اسکی ہم مذمت کرتے ہیں اور اس کا ازالہ کیا جائے۔

2- ملازمتوں میں مہاجرین کے ساتھ جو ظالمانہ سلوک کیا جارہا ہے وہ ختم کیا جائے۔

3- بنگلادیش میں محصور پاکستانیوں کو پاکستان منتقل کیا جائے۔

4- اردو بولنے والے مہاجرین کو ملک کے دوسرے مہاجرین کے ساتھ ملا کر پانچویں قوم قرار دیا جائے۔

ایم کیو ایم نے سندھ میں جی ایم سید سے ہاتھ ملائے اور پٹھان پنجابی کے خلاف صف بندی کی پٹھانوں کی آبادی سہراب گوٹھ کو ہیروئین اور اسلحے کا گڑھ قرار دیا گیا۔اور سہراب گوٹھ میں کشت وخون کا بازار گرم کیا گیا۔

اس تحریک نے تشدد کو اپنا نصب العین بنایا کراچی کی آبادی عزیز آباد اس کا ہیڈ مقام تھا۔اس آبادی کو آہنی دروازوں سے اس طرح محفوظ کیا گیا تھا کہ وہ ان کا مضبوط قلعہ بن گیا تھا۔اس تحریک کے پیروکار الطاف حسین کے لیے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کرتے تھے۔گویہ کہ تحریک کراچی اور حیدرآباد کے شہری علاقوں میں کامیاب بہتہ وصول کرنا اور دہشت گردی کا بازار گرم کر رکھا تھا انہوں نے نجی عقوبت خانے قائم کئے ہوئے تھے۔

14 اگست 1986ء کو اس تحریک نے جس طرح کراچی اور حیدرآباد میں کشت وخون کا بازار گرم کیا اسکی مثال نہیں ملتی اس کو میں نے MRD کے عنوان سے پیش کیا ہے۔31 اکتوبر 1986ء کو حیدرآباد میں منعقد ہونے والے جلسے میں مہاجروں اور سہراب گوٹھ کے پٹھانوں میں زبردست لڑائی

Pakistanstudy.com

ہوئی۔ پولیس کی موجودگی میں کھلم کھلا کلاشنکوف کا استعمال ہوا" سندھی مہاجر بھائی بھائی" کے نعرے لگے پنجابیوں اور پٹھانوں کو" دھوتی نسوار" کا لقب دے کران کی توہین کی گئی۔اس بازار کو گرم کرنے کے لیے سرحد سے عبدالغفار المعروف باچا خان ولی خان اور غلام احمد بلور بھی کراچی آرہے تھے لہٰذا حکومت نے انکے آنے پر پابندی عائد کردی مگر پابندی کے باوجود یہ 11 جنوری 1987ء کو کراچی ایئرپورٹ پہ پہنچ گئے مگر انہیں کراچی داخل نہ ہونے دیا گیا انہوں نے یہ بیان دیا" جناح کا پاکستان ختم ہوچکا"

جنوری 1987ء کو جی ایم سید نے اپنی سالگرہ پر کہا" پاکستان کا وجود سندھ کے لیے زہر قاتل ہے۔اب ہمیں بھارت سے روابط بڑھانے ہیں یہی ہمارا راستہ ہے۔"

2 دسمبر 1986ء کو سندھ میں بدترین فسادات پھوٹ پڑے۔12 دسمبر 1986ء کو سندھ پولیس نے فوج کی مدد سے سہراب گوٹھ میں آپریشن کلین اپ کیا 63 افراد کو اسلحہ وہیروئین سمیت گرفتار کیا گیا۔پختون ایکشن کمیٹی نے اس واقعہ پر سخت احتجاج کیا۔14 دسمبر 1986ء کو مہاجروں کی آبادیوں علی گڑھ کالونی اورنگی ٹاؤن اور قصبہ کالونی پر تابناک حملہ کیا گیا۔اس حملے میں سیون ایم ایم رائفل،شارٹ گنوں اور کلاشنکوف کا آزادانہ استعمال ہوا بلال مسجد تا میٹرو سینما تک لاشیں ہی لاشیں بکھری ہوئی تھیں بعدازاں اکتوبر 1987ء اور فروری 1988ء کو بھی یہاں شدید فسادات ہوئے اس مرتبہ MQM نے جماعت اسلامی پر خاصی تنقید کی جماعت اسلامی نے ہنگاموں کی ذمہ دار سندھ کے وزیراعلیٰ غوث علی شاہ پر ڈال دی انہی ہنگاموں کی وجہ سے 27 مارچ 1988ء کو صدر ضیاء اور جونیجو نے غوث علی شاہ کو مستعفی ہونے کا مشورہ دیا جسے انہوں نے قبول نہ کیا لہٰذا 5 اپریل 1988ء کو ان کے خلاف عدم اعتماد پاس ہوئی اور ان کی جگہ 11 اپریل 1988ء کو اختر علی قاضی نے وزارت اعلیٰ کا قلمدان سنبھال لیا۔اس طرح جونیجو کو ایک اور دھچکا لگا کہ انہیں اپنے زبردست حلیف سے ہاتھ دھونا پڑ گئے۔

اس گروہ نے اپنے قائد کے حکم پر آرمی اور رینجرز حکام کو بھی موت کے گھاٹ اتارا اس ضمن میں میجر کلیم کیس،اور فوج کے سربراہ جنرل آصف نواز کے انکشافات بہت اہم تھے جنھوں نے اخبارات میں رپورٹون اور تصاویروں کے ساتھ MQM کے عقوبت خانوں کو نمایاں کیا ایم کیو ایم کے تربیت یافتہ نوجونوں پر مشتمل دیتھ سکواڈ اور گوریلا گروپس سامنے آئے۔ان گروپس میں کوبرا گروپ،ریحان گروپ،فاروق گروپ،نعیم شری گروپ نے خاصی شہرت کمائی۔

الطاف حسین بعدازاں لندن چلے گئے لہٰذا اب بھی آپ وہاں سے اپنی تحریک چلا رہے ہیں

ان کے ٹیلیفونک خطاب سننے کے لیے ہزاروں لوگ بے تاب رہتے ہیں۔

صوبہ سرحد کی صورتحال

1979ء میں ببرک کارمل کے دور میں روسی افواج افغانستان داخل ہوگئیں تھیں فروری 1979ء میں ایران میں آیت اللہ خمینی کی قیادت میں انقلاب آچکا تھا روس کی ایک لاکھ فوج افغانستان میں پاکستان سرحد کے ساتھ پیش قدمی کررہی تھی ایران میں انقلاب آنے کی وجہ سے امریکہ اپنے زبردست حلیف سے محروم ہوچکا تھا۔

ضیاء نے مہاجرین افغانستان کے لیے پاکستان کی سرحدیں کھولنے کا اعلان کردیا انہوں نے مہاجرین کو مسئلہ العدم بنا کر سفارتی کامیابی حاصل کی۔

افغانستان میں جنگ کی وجہ سے صوبہ سرحد میں ملے جلے رجحانات پائے جاتے ہیں ANP خاص طور پر روس کے ساتھ ہمدردی کا راگ آلاپ کر حکومت کو بلیک میل کرنے کی کوشش کررہی تھی۔35 لاکھ افغانی مہاجرین پاکستان کی سرحد پر خیموں مین پڑے زندگی گزار رہے تھے۔افغان جنگ کی وجہ سے صوبہ سرحد میں سیاسی تشدد شروع ہوچکا تھا۔طلباء جاگیرداری قبائل میں لڑائی کے آثار و واقعات عام نظر آنے لگے بعدازاں ایجنسی" خاد" کے خفیہ وفاداروں نے پاکستان کے شہروں میں بم بلاسٹ کرنا شروع کردیئے۔

بعدازاں افغانی مہاجرین کیمپوں پر بھی بمباری کی گئی۔افغانی پٹھانوں اور سرحدی پٹھانوں کے درمیان کشیدگی کی لہر دوڑ گئی۔آفریدی قبیلہ حکومت کی سڑکوں کو توڑ پھوڑ رہا تھا۔

خاص طور پر جماعت اسلامی افغانی مہاجرین کی آبادکاری میں گہری دلچسپی لے رہی تھی اور وہ مجاہدین کی جنگی مدد بھی کررہی تھی۔اس نے حکومت سے ہاتھ ملائے اور اس امر کا آعادہ کیا کہ اگر غیر ملکی امداد اسلحہ آئے گا تو وہ اسے مجاہدین تک پہنچادیں گے۔خاص طور پر امریکہ اور سعودی عرب نے پاکستان کی خاصی مدد کی۔جماعت اسلامی نے اس طرح پاکستانی عوام کی حمایت حاصل کرلی تھی دوسرے طرف قاضی حسین احمد (صوبہ سرحد کے جماعت اسلامی کے لیڈر) نے پارٹی کا امیر ہونے کا لقب حاصل کرلیا تھا۔دوسری طرف ANP کے صدر ولی خان پاکستان کی افغانستان میں داخل اندازی کے خلاف بیانات دے رہے تھے اور PPP سرحد میں شہری علاقوں میں اپنی جگہ بنا رہی تھی۔وہ اس بات کا تاثر عام کررہی

تھی کہ پاکستان پر محض شخص واحد کی حکومت ہے PPP اور ANP نے افغانستان کے معاملے میں یک سوچ ہو چکی تھیں۔ دوسری طرف جماعت اسلامی آخری فتح تک غیر ملکیوں سے امداد مانگ رہی تھی۔ اور دوسری مذہبی سیاسی جماعتوں کے ساتھ مل کر مسئلہ افغانستان کو مذہبی رنگ دے رہی تھی اور عوام سے داد وصول کر رہی تھی اور امداد کی شکل میں غیر ملکی ڈالرز اکٹھے کر رہی تھی۔

افغان روس جنگ میں امریکہ بھرپور مدد کر رہا تھا اس لیے اسے جہاد کا نام دیا جا رہا تھا۔ جونیجو حکومت افغان مسئلے کو آفت قرار دے رہی تھی ادھر ضیاء الحق مجاہدین کو جنگ کے لیے تیار کر رہے تھے لہٰذا اس طرح جونیجو اور ضیاء میں اختلافات کی پاٹ وسیع ہو رہی تھی اس اثنا میں وزیر اعظم جونیجو نے ایک آل پارٹی گول میز کانفرنس بلائی تا کہ مسئلہ افغانستان کے متعلق متفقہ پالیسی اپنائی جائے مگر اس کانفرنس مین صدر ضیاء کو مدعو نہ کیا گیا۔ آخر کار لمبے اور تکلیف دہ جنیوا مذاکرات کے تحت پاکستان اور افغانستان نے افغانی معاہدے پر دستخط کر دیئے اس میں روس اور امریکہ دونوں نے گارنٹی دی تھی طے پایا کہ افغانستان اور پاکستان ایک دوسرے کے سیاسی معاملات میں دخل اندازی نہ کریں گے۔ روسی فوج واپس چلی جائیگی اور مہاجرین افغانستان اپنے وطن چلے جائیں گے یہ معاہدہ 14 اپریل 1988ء کو ہوا اس معاہدے کے باوجود پاکستان اور افغانستان کے حالات کو نارمل ہونے میں کئی سال لگ گئے۔

سوئلین گورنمنٹ اور ملٹری ونگز میں اختلافات

جونیجو دور میں دفاع اور خارجہ امور معاملات ملٹری کے پاس تھے جنرل (ر) یعقوب علی خان وزیر خارجہ تھے۔ فنانس اور اسٹیبلشمنٹ معاملات وہی طے کرتے تھے اس کے علاوہ باقی معاملات سوئلین گورنمنٹ کے پاس تھے۔

پنجاب ہمیشہ صدر کے پاس رہا جہاں پر ان کے نامزد نواز شریف صوبائی وزیر اعلیٰ تھے وہ پیر پگاڑو کے سخت خلاف تھے نواز شریف جنرل غلام جیلانی کی وجہ سے سیاست میں آئے اور ضیاء الحق کے خاص آلہ کار بن گئے۔ سندھ کا کنٹرول جونیجو کے پاس تھا کیونکہ پیر پگاڑو سندھ میں گارڈ فادر کا کردار ادا کرنے میں ماہر تھے جونیجو دور میں ملٹری اور سول حکومت کے تعلقات اچھے نہ رہے تھے۔ جونیجو حکومت نے وزراء کے لیے بڑی سی سی گاڑیوں پر پابندی عائد کرنے کی پالیسی بنائی۔ بجٹ کی تقریر میں انہوں

نے واضح کہا کہ ہم جرنیلوں کو سوزکی (کار) میں ڈال دیں گے۔ انہوں نے کہا کہ اگر فوج سیاست میں رہے گی تو عوام اس کی مٹی پلید کرتے رہیں گے فوج کو چاہیے کہ وہ سیاست سے الگ ہو کر اپنی پیشہ وارذمہ داریاں سنبھالے۔ آئندہ سے دفاع کے ضمن میں جو خریداری ہوتی ہے اس پر احتساب کو واضح کیا جائے گا اور کک بیک کی شکل میں وہ جو رقم لی جاتی ہے اسے واپس لایا جائے گا۔

جنرل ضیاء کے ساتھ اختلافات

جنرل ضیاء الحق اکثر کہا کرتے تھے کہ میں نے وزیر اعظم سندھ سے لیا تھا تا کہ وہ سندھ میں موجود بحران کو ختم کرے اتحاد کی علامت بنے میں اسے سندھ بھیجتا ہوں تا کہ وہ وہاں کے معاملات درست ہوں مگر یہ سنڈھری جا کر بیٹھ جاتا ہے۔ دوسری طرف آل گول میز کانفرنس بلانے کے لیے جونیجو نے صدر سے کوئی مشورہ نہ کیا اور نہ ہی اسے اجلاس میں بلایا حالانکہ افغان جہاد کے ضمن مین ضیاء الحق اپنی پالیسی بھرپور طریقے سے چلا رہے تھے۔ وزیر اعظم اکثر مارشل لاء کے خلاف زبان بازی کرتے رہتے تھے اور صدر کے اختیارات بھی اپنے ہاتھ میں کرنے کے لیے تدابیر لڑاتے رہتے تھے۔ جنیوا معاہدے پر دستخط کرتے ہوئے صدر نے بھانپ لیا تھا کہ وہ میرا کریڈیٹ اپنے نام کیش کرانا چاہتے ہیں۔ جونیجو نے ملٹری کے افسران سے وزارت کے قلمدان واپس لیے۔

ضیاء الحق کو یہ خطرہ کھائے جا رہا تھا کہ اگر وہ 1990ء سے قبل الیکشن کراتا ہے اور جونیجو دوبارہ اسمبلی میں آتا ہے تو وہ اسمبلیوں سے کسی صورت اسے صدر منتخب نہ ہونے دے گا۔

10 اپریل 1988ء کو اوجڑی کیمپ کا واقع پیش آیا اسلحے کے گودام میں آگ لگ گئی جس کے نتیجہ میں ہزاروں میزائل اور پروجیکٹائلز 10 میل کے فاصلے تک راولپنڈی اور اسلام آباد کے گردونواح میں زبردست تباہی مچانے کا موجب بنے ملک میں قیامت صغریٰ برپا ہو گئی بہت سی عمارات انسانی جان کا ضیاع ہوا ملک میں سوگ کا اعلان کیا گیا۔ بعد میں یہ بات منظر عام پر آئی کہ وزیر اعظم کی انکوائری کمیٹی اس حادثہ کے سلسلہ میں بعض جرنیلوں کو بے نقاب کرنا چاہتی ہے۔ لہٰذا پھر وہی ہوا جو اکثر ہوتا آیا تھا 29 مئی 1988ء کو پارلیمنٹ ایک مرتبہ پھر ختم کر دی گئی جونیجو نے جنرل کے ایم عارف کے ساتھ تعلقات بڑھائے تھے وہ ان کو ساتھ لے کر امریکہ بھی گئے تھے اور پھر جرمنی اور ترکی کے دورے کے دوران انہوں نے مارشل لاء کے خاتمے اور جمہوریت کا کریڈٹ لیا تھا۔ امریکہ کے دورے کے دوران محمد خاں جونیجو کی خاصی پزیرائی ہوئی وہ خیال کر رہے تھے کہ انہیں اب حکومت میں رہنے کا پانچ سالہ

لائسنس مل گیا ہے مگر ایسا نہ ہوا ضیاء نے اسمبلیاں توڑنے کے تین اسباب گنوائے

1- نفاذ اسلام کا عمل رک گیا تھا 2- جمہوری عمل جمود کا شکار ہو گیا تھا

3- امن وامان کی صورتحال بہتر نہ ہو رہی تھی اور ملکی سلامتی کو شدید خطرہ پیش تھا اور ملک میں کرپشن لوٹ مار عام ہو گئی تھی۔

جونیجو کی حکومت ختم کرنے کے محرکات

جب ضیاء الحق نے خود اپنے ہاتھوں سے لگایا جانے والا پودہ اکھاڑ ہ تو ان کی اصل صورت کھل کر سامنے آئی کہ وہ کسی طرح اسلام کا نام لے کر اپنے دور حکومت کو طوالت دے رہے تھے اگر ملک میں کوئی اہم مسئلہ درپیش آجائے تو اسے جمہوری عمل کا تماشہ کیوں کہہ رہے تھے؟ وہ جانتے تھے کہ پاکستان کی سیاست کی صورتحال کیا ہے؟ سیاسی مرض کا علاج ان کے پاس تقریباً کوئی نہ تھا۔ کیونکہ وہ دن مین پاور شو کا عملی نمونہ بن چکے تھے۔ اوجڑی کیمپ کی تفتیش کے سلسلہ میں وزیراعظم نے پانچ وزراء پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی تھی جسے لفٹیننٹ عمران اللہ کی تحقیقاتی رپورٹ کا جائزہ لینا تھا۔ ان ارکان کابینہ میں اسلم خٹک اور نسیم آہیر کا نقطہ نظر یہ تھا کہ ہمیں اپنی فوج کو رسوائی سے بچانا چاہیے۔ جبکہ عبدالمجید عابد، ابراہیم بلوچ اور رانا نعیم فوج کے خلاف کاروائی کے حق میں تھے۔ بعدازاں اس رپورٹ کی آڑ میں فوج پر تنقید کے علاوہ فوجی بجٹ میں کمی کا مطالبہ کیا گیا لہٰذا فوج اور کابینہ کے درمیان فاصلے بڑھتے گئے۔

جونیجو جنرل اے کے اکرم کے ساتھ تعلقات بڑھا رہے تھے لہٰذا یہ تعلقات ضیاء الحق کو ایک آنکھ نہ بھاتے تھے۔ جنرل کے ایم عارف نے صدر کو نظر انداز کرتے ہوئے جونیجو کو فوجی مشقیں دیکھنے کی دعوت دی یاد رہے کہ اس وقت جونیجو وزیر دفاع بھی تھے۔

محترمہ بے نظیر بھٹو سندھ کی سنگین صورتحال سے فائدہ اٹھا کر وفاق کے حق میں بیانات دے کر اپنی سیاست چمکا رہی تھیں اور وہ وزیراعظم جونیجو سے تعلقات بڑھا رہی تھی یہ ضیاء کو ہرگز پسند نہ تھا۔

اپریل 1987ء میں دو جرنیلوں کے عہدوں کے معیاد ختم ہو رہی تھی ضیاء خود جنرل رحیم الدین اور کے ایم عارف کی ملازمتوں میں توسیع دینے کے حق میں تھے مگر جونیجو نے سینارٹی کو مدنظر رکھتے ہوئے جنرل مرزا اسلم بیگ کو فوج کا سربراہ بنا دیا۔

پنجاب میں وزیراعلیٰ نواز شریف اور سرحد میں فضل حق نے جونیجو سے مزاحمانہ رویہ اپنائے رکھا کیونکہ یہ دونوں ضیاء کے چاہنے والے تھے لہٰذا جونیجو ان سے خاصے ناامید ہوئے۔ جونیجو نے ان سے پنجہ آزمائی شروع کر دی تو ضیاء کو یہ بہت برا لگا۔

اپریل 1988ء کو جب ضیاء الحق نے قومی اسمبلی میں خطاب کرنا چاہا وہ قومی اسمبلی میں MNA نے ناخوشگوار رویے کا اظہار کیا۔

جنرل ضیاء کو ملٹری اور سویلین کا ایک جیسا احتساب کرنا بالکل پسند نہ تھا اپریل 1988ء میں فیڈرل پبلک اکاؤنٹ کمیٹی آف نیشنل اسمبلی کے چیرمین سردار زدہ محمد علی شاہ نے وزیراعظم کو رپورٹ بھیجی اس میں استدعا کی گئی تھی کہ سویلین اور ملٹری کے احتساب کرنے کے عمل کے بارے میں قومی اسمبلی میں بحث کرائی جائے اور اس بحث کو عوام کی آگاہی کے لیے اخبارات میں چھاپا جائے۔

صدر ضیاء نے اس کا خاصہ برا منایا اسی لیے انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ نہ صرف جونیجو سے چھٹکارا حاصل کیا جائے بلکہ پوری پارلیمنٹ کو اسکے فریم ورک ساتھ رخصت کر دیا جائے۔

پنجاب کے وزیراعلیٰ پر ضیاء کی چھاپ تھی تو دوسری طرف سرحد کے وزیراعلیٰ لفٹیننٹ جنرل (ر) فضل حق جونیجو کے محافظ تھے۔ سندھ بغیر وزارت اعلیٰ کے چل رہا تھا لہٰذا وہاں ضیاء نے لفٹیننٹ جنرل (ر) رحیم الدین کو نیا گورنر مقرر کر دیا۔

اسمبلی برطرف ہونے کے بعد

22 مئی 1988ء کو وزیراعظم جونیجو کوریا کے دورے پر روانہ ہوئے انہوں نے غیر ملکی دوروں کے درمیان فوج کے خلاف کھل کر بیان دیئے وہ 29 مئی کو واپس لوٹے۔ اگلے روز ضیاء کو دورہ چین پر روانہ ہونا تھا مگر انہوں نے چھ بج کر چالیس منٹ پر ایک اعلان کے تحت قومی اسمبلی اور چاروں صوبائی اسمبلیوں توڑنے کا اعلان کیا۔ ضیاء الحق نے بعدازاں جونیجو حکومت پر کرپشن کے سنگین ترین الزامات لگائے اور MNA حضرات کے اثاثوں کی جانچ پڑتال کے متعلق انکوائری کرنے کا حکم صادر کیا۔ تاہم ملک میں شریعت کے نفاذ کے ضمن میں بحران جاری رہا جس نے ضیاء حکومت کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا تھا۔ انہوں نے لاکھ ہا کوشش کی کہ لوگوں کو اپنی بنائی ہوئی شریعت سے مطمئن کریں

Pakistanmcq.com

کہ انہوں نے شریعت کے ضمن میں بہت سے آرڈیننس جاری کئے ہیں۔ مگر نہ عوام اور نہ ہی بڑے مذہبی گروہوں نے ان کے شریعت آرڈیننس پر دھیان دیا۔ مگر انہوں نے لوگوں کی توجہ دوسری طرف مبذول کرنے کے لیے 90 دن کے اندر الیکشن کرانے کا عندیہ جاری کر دیا۔

MRD کو ایک مرتبہ پھر سر اٹھانے کا موقع مل گیا تھا۔ جیسے جیسے انتخابات کا وقت قریب آرہا تھا ویسے ویسے پیپلز پارٹی کی کامیابی کے چرچے ہر طرف گردش کرتے دکھائی دینے لگے۔ جونیجو کی برطرفی کے بعد مسلم لیگ بکھر رہی تھی۔

اسی اثنا میں سپریم کورٹ نے بے نظیر بھٹو کی پٹیشن (Petition) بابت ترمیم سکیشن 3B آف پولیٹیکل پارٹیز ایکٹ پر اپنا فیصلہ سنا دیا کہ PPP اپنے پارٹی اکاؤنٹس کا آڈٹ کرائے اور پارٹی کی رجسٹریشن کرائے اس کے ساتھ ایسا رویہ 1973ء کے آئین حقوق کے خلاف ہے۔

MRD اور دوسری پارٹیوں نے خدشات کا اظہار کیا کہ ضیاء حسب سابق الیکشن کرانے میں حیلے بہانے کریں گے مگر تمام پارٹیوں نے جماعتی طور پر الیکشن کرانے پر زور دیا۔ 20 جولائی 1988ء کو ضیاء الحق نے اعلان کیا کہ قومی اسمبلی کے عام انتخابات 16 نومبر کو ہونگے اسی کے ساتھ صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات 19 اکتوبر کو ہونگے اور یہ انتخابات غیر جماعتی الیکشن چاہتی ہے۔

الیکشن کی تاریخ کا اعلان اسمبلی توڑنے کے تقریباً مہینہ بعد کیا گیا مگر سیاسی جماعتوں نے اسکی آئینی حیثیت کو کہیں چیلنج نہ کیا۔ جنرل ضیاء الحق کی مقبولیت عوام میں کم ہوتی جارہی تھی کیونکہ تمام پارٹیاں اسے شک کی نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں تاہم جسٹس نصرت حسین (چیف الیکشن کمشنر) کو انہوں نے ہدایت کی کہ جماعتی اور متناسب نمائندگی کے طریقہ پر انتخابات کی تیاری کی جاوے۔ ضیاء اس وقت سیاست کی مشکلات میں گھرے ہوئے تھے وہ مشکل سے ناقابل شکست نظر آرہے تھے کیونکہ انہیں پکا یقین تھا کہ نہ تو فوج ان کے خلاف بغاوت کر سکتی ہے اور نہ ہی عوام سڑکوں پر آئیں گے مگر ایک خفیہ سازش نے انہیں پاکستان سے ہمیشہ کے لیے جدا کر دیا۔

سانحہ بہاولپور 17 اگست 1988ء

17 اگست 1988ء کو آپ بہاولپور میں فوجی یونٹوں کی مشقیں دیکھنے کے لیے پہنچے کیونکہ وہاں ایک نئے امریکی ٹینک کی کارکردگی کا مظاہرہ ہونا تھا وہ ساڑھے تین بجے C-130 طیارہ میں

امریکہ کے سفیر آرنلڈ رافیل اور امریکی بریگیڈیئر جنرل واسم سوار تھے کیونکہ یہ دونوں بھی امریکی ٹینک کا مظاہرہ دیکھنے گئے ہوئے تھے۔ یہ طیارہ رن وے سے ابھی اڑا ہی تھا کہ چند لمحے بعد حادثے کا شکار ہو گیا اور بہاولپور سے ساتھ کلومیٹر دور بستی لال کمال کے نزدیک گر کر تباہ وخاکستر ہو گیا عینی شاہدوں کے مطابق کہ طیارے نے پرواز کے بعد چند قلابازیاں کھائیں اور اس کے بعد سیدھا ہوا پھر زمین پر اس طرح گرا کہ اگلا حصہ بری طرح زمین میں دھنس گیا جہاز نے فوری آگ پکڑ لی اور ٹکڑے دور جا گرے 30 افراد میں کوئی زندہ نہ بچا۔ 20 اگست 1988ء کو ضیاء الحق کو فیصل مسجد اسلام آباد کے قریب سپرد خاک کر دیا گیا انکی تدفین پر لاکھوں پاکستانی اور ستر سے زائد ممالک کے سربراہان مملکت تشریف لائے بعد ازاں سینٹ کے چیرمین غلام اسحاق خان صدر بنے انہوں نے 17 اگست کو ہی ملک میں ایمرجنسی نافذ کر دی۔

یہ حادثہ کیسے ہوا؟ اسکے پیچھے ایک سربستہ راز تھا جس کی تفصیلات ابھی تک سامنے نہ آسکیں بعض نے کہا کہ طیارے میں زہریلی گیس تھی طیارے پر آموں کی پیٹیوں میں بم رکھے گئے تھے۔ اس حادثے کی تحقیات کے سلسلہ میں بعض بااثر حلقوں نے رکاوٹیں ڈالیں امریکی سفیر رابرٹ اوکلے نے پاکستانی تحقیقاتی ٹیم کو مشورہ دیا کہ اب مردوں کی مدد نہیں کی جاسکتی آپ زندوں کی فکر کریں۔

ضیاء الحق کا عرصہ حکومت گیارہ سال ایک ماہ اور تیرہ دن تھے۔ بڑے باحوصلہ اور جری قسم کے حکمران تھے باصلاحیت اور مضبوط اعصاب کے مالک تھے اگر ہم ضیاء کے دور حکومت کے بات کریں تو یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ حکم دینے والے حاکم (Man of the oreder) تھے طبیعت کے سادہ آدمی تھے انہون نے اپنے ملٹری آبا (Predecessors) ایوب خان اور یحیٰ خان سے مختلف رویہ اپنایا ایک مغربی کلچر کا دلدادہ ہونے کی بجائے وہ اپنا الگ سیاسی سماجی اور مذہبی نظریہ رکھتے تھے انہوں نے ملکی اہم معاملات کے حل میں صبر کا مظاہرہ کیا۔

وہ آئین 1973ء کی دفعہ نمبر 6 کے تحت غرداری کے ٹرائل سے محفوظ رہے وہ بھٹو ازم کا مکمل خاتمہ چاہتے تھے اس کے لیے انہوں نے کئی قسم کے جال بچھائے۔ انہوں نے اسلامی شرعی قانون کے نفاذ کے ضمن میں اپنا دور اقتدار لمبا کیا۔ 80-1979ء میں انہوں نے بنیاد پرستی کی لہر کو عام کیا اور سماجی اور سیاسی جرائم کے متعلق سخت سزائیں مقرر کیں۔ انہوں نے جماعت اسلامی اور دوسری رجعت پسند مذہبی جماعتوں کے اراکین کو اپنی شوریٰ میں شامل کیا تا کہ آئین میں اپنی اسلامائزیشن کو عملی شکل دی جاسکے۔ علماء کی ایک طاقتور لابی اس سلسلے میں ان کے دست راست بنی رہی ضیاء کے دور حکومت میں

Pakistanstudy.com

پاکستان قانونی اور آئینی بنیادوں پر اس نقطے تک پہنچ گیا جہاں براہ راست آئینی ڈھانچے کو چیلنج کیا جاسکتا تھا۔انہوں نے آئین۔عدالتوں سیاسی پارٹیوں اور پارلیمنٹ کو اپنی مرضی سے چلانے کی بھرپور کوششیں کی انہوں نے مغربی نظریات کی کھل کر تردید کی اور ملک میں اسلامی سیاسی روایت جاری کرنے کی کوشش کی۔

سوالات

سوال نمبر1۔ضیاء الحق نے مارشل لاء ختم کر کے ملک میں غیر جماعتی بنیادوں پر انتخابات کیوں کرائے؟ اس سارے عمل کے پیچھے کیا محرکات تھے۔ان کو واضح کریں۔

سوال نمبر2۔جب جونیجو حکومت قائم ہوئی تو ابتداء میں اسے کس قسم کے سیاسی مسائل لاحق تھے؟ نیز ان مسائل کو حل کرنے کے لیے جونیجو حکومت نے کیا اقدامات کیے؟

سوال نمبر3۔جونیجو حکومت کی معاشی وسماجی کارکردگی کو واضح کریں۔اس ضمن میں چھٹا پانچ سالہ منصوبہ متعارف کرایا گیا تھا اس منصوبے پر واضح روشنی ڈالیں۔

سوال نمبر4۔جونیجو دور میں پیش کیا جانے والا شریعت بل کیا تھا؟ ضیاء الحق کے اسلامائزیشن کے عمل کے بعد بھی اس بل کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ نیز حکومت نے اس سلسلہ میں کیا ردعمل دکھایا؟ مخصوص دلائل سے ان بیانات پر بحث کریں۔

سوال نمبر5۔حکومت کے برخلاف MRD کی کارروائیاں بیان کریں کہ انہوں نے کس قسم کی سیاسی جدوجہد کی۔

سوال نمبر6۔جونیجو دور میں صوبہ سرحد اور بلوچستان کی سیاسی صورتحال قدرے خراب تھی۔اس کے حل کے لیے حکومتی اقدامات کو واضح کریں۔

سوال نمبر7۔سول گورنمنٹ اور ملٹری وِنگز میں اختلافات کیوں کر واقع ہوئے ان واقعات کی تفصیل بیان کریں۔

سوال نمبر8۔ضیاء الحق نے جونیجو حکومت کو کیوں برخاست کیا اس کے پیچھے چھپے ہوئے مقاصد اور مراحل ترتیب وار بیان کریں۔

سوال نمبر9۔مختصر انوٹ لکھیں۔

(i) بلدیاتی انتخابات (ii) MQM (iv) سانحہ بہاولپور

☆☆☆

باب نمبر8

جمہوریت کی آمد

REVIVAL OF DEMOCRACY

تعارف:

Introduction

ضیاء الحق کی وفات کے بعد غلام اسحاق خاں صدر بن گئے،اسلم بیگ چیف آف آرمی سٹاف ٹھہرے۔سانحہ بہاولپور پر 10 دن کے لیے سوگ منانے کا اعلان ہوا سرکاری اور نیم سرکاری اداروں میں تین دن تعطیلات کر دی گئیں۔

نئے صدر مملکت غلام اسحاق خاں 20 جنوری 1915ء کو ڈیرہ اسماعیل خاں میں پیدا ہوئے انہوں نے کمسٹری اور بائنی کے ساتھ BSC کر رکھی تھی۔1940ء میں آپ سرحد سول سروس میں شامل ہوئے 1947ء کو جب پاکستان بنا تو ہو چیف منسٹر کے سیکرٹری بنے وہ اعلیٰ عہدوں پر اپنی سروسز سرانجام دیتے رہے۔1961ء میں وہ واپڈا کے چیر میں بنے 1966ء میں وزارت خزانہ کے سیکرٹری مقرر ہوئے 24 نومبر 1975ء کو حکومت نے انہیں وزارت دفاع کا سیکرٹری مقرر کیا جنرل ضیاء نے آپ کو 7 جولائی 1977ء کو انہیں وفاقی وزیر منتخب کیا 23 اگست 1978ء کو وزیر خزانہ اور منصوبہ بندی کے وزیر بنائے گئے مارچ 1985ء میں آپ سینٹ کے چیر میں بنے اور 17 اگست 1988ء کو صدر مملکت کی ذمہ داریاں سنبھالی انہیں سابقہ خدمات کے نتیجہ میں حکومت پاکستان نے ''ھلال قائداعظم'' اور ''ستارہ پاکستان'' سے بھی نوازہ گیا۔

صدر کے فوری اقدامات

1- ملک میں ایمرجنسی فوری طور پر نافذ کرنے کا اعلان کر دیا گیا مگر بنیادی حقوق معطل رکھے۔

Pakistanstudy

2- ایک ایمرجنسی کونسل تشکیل دی گئی جو حکومت کو آئین کے مطابق کام کرنے میں مدد کرے گی۔

3- انتخابات طے شدہ پروگرام کے تحت کرانے کا اعلان کیا گیا۔

4- خارجہ پالیسیوں کو بدستور سابق رکھنے کا اعلان کیا۔

5- چاروں صوبوں میں نگران حکومتیں قائم کر دی گئیں۔

6- جہاز کے حادثے کی فوری تفتیش کے آرڈر جاری کر دیئے۔

ایمرجنسی کونسل میں شریک افراد کے نام:

1- محمد اسلم خاں (سینیر وفاقی وزیر) 2- نسیم آہیر (وزیر داخلہ) 3- محمد ہارون (وزیر دفاع) 4- صاحبزادہ یعقوب خاں (وزیر خارجہ) 5- وسیم سجاد (وزیر انصاف پارلیمانی امور) 6- اسلم بیگ (چیف آف آرمی سٹاف) 7- وائس ایڈمرل افتخار احمد سروہی (چیف آف نیول سٹاف) 8- ائر مارشل حکیم اللہ خاں (چیف آف ائر سٹاف) 9- میاں محمد نواز شریف (وزیر اعلیٰ پنجاب) 10- جنرل فضل حق (وزیر اعلیٰ سرحد) 11- ظفر اللہ خاں جمالی (وزیر اعلیٰ بلوچستان) 12- جنرل رحیم الدین (قائم مقام گورنر سندھ) اسلم بیگ چیف آف آرمی سٹاف نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ ''فوج کو سیاسی معاملات میں دخل اندازی نہیں کرنے چاہیے۔ میں لاء اینڈ آرڈر کو قائم رکھنے کی ہر ممکن کوشش کرونگا میری خواہش ہے کہ 16 نومبر کو انتخابات پرامن طریقے سے ہو جائیں''۔ اس دور میں صدر اور چیف آرمی کے شعبے الگ الگ ہو گئے اور ایک جمہوری عمل کی داغ بیل کی راہ ہموار ہو گئی۔

ججز کے متعلق نئی پالیسی کا اعلان

ضیاء حکومت نے جو ڈیشری کو یرغمال بنانے کے لیے اقدامات کیے تھے اس نے اعلیٰ عدالتوں کے ججز کو ایڈہاک طور پر رکھا ہوا تھا مدت ملازمت کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا۔ موجودہ حکومت نے ضیاء پالیسی کے برعکس نئی پالیسی کے تحت ججز کو مستقل (Permanent) کر دیا تا کہ وہ آزادانہ ضمیر سے فیصلے کر سکیں اور کسی سیاسی دباؤ کا شکار نہ ہوں اس ضمن میں لاہور، پشاور اور بلوچستان کی ہائی کورٹس کے چیف جسٹس صاحبان کو مستقل کر دیا گیا بعد ازاں چیف جسٹس سندھ ہائی کورٹ اور دو سپریم کورٹ آف پاکستان کے ججز کی نوکری مستقل کر دی اس طرح جوڈیشری کا اعتماد بحال ہو گیا۔

لاہور ہائی کورٹ کا فیصلہ

اسمبلیوں کو توڑنے کے عمل کو بذریعہ رٹ آرٹیکل 1973ء بابت 199 کے تحت چیلنج کیا گیا۔ 27 ستمبر 1988ء کو لاہور ہائی کورٹ لاہور نے اپنے فیصلے میں کہا کہ اسمبلیوں کے توڑنے کے حکم کو قانونی تحفظ نہیں دیا جا سکتا۔ آئین محض مرضی کی بنیادوں پر اسمبلی توڑنے کی ممانعت کرتا ہے۔ آئین میں ملک کو جمہوریت اور آئین کے تحت چلانے کے متعلق شقیں موجود ہیں اور انہی شقوں کی بنیاد پر قائم مقام صدر اپنے فرائض منصبی سرانجام دے رہے ہیں اور سابقہ صدر نے انتخابات کے متعلق جو روڈ میپ دیا ہے اسی تاریخ پر انتخابات منعقد ہونگے اور اقتدار عوام کے نمائندوں کو منتقل کیا جائے۔ عدالت نے اپنے فیصلے میں یہ بھی لکھا کہ آرٹیکل 199 کو تحت ہائی کورٹ اپنی صوابدید کے آئینی اختیارات کے تحت توڑی گئیں اسمبلیاں بحال نہیں کر سکتی عدالت نے اس امر پر زور دیا کہ جمہوری ریاست کے جمہوری کام میں مداخلت نہ کی جائے قوم کی گاڑی کو جمہوریت کی پٹڑی پر چڑھنے دیا جائے یہی آزاد اور خود مختار قوموں کے شیان شان ہے تاہم عدالت نے اسمبلیاں بحال نہ کرنے کا حکم بھی جاری کیا تا کہ انتخابات اپنے مقررہ وقت کے مطابق ہو سکیں۔

سپریم کورٹ کے فیصلہ جات

پاکستان پیپلز پارٹی کی چیر پرسن محترمہ بے نظیر صاحبہ نے سپریم کورٹ میں پٹیشن دائر کی جس کا فیصلہ 12 اکتوبر 1988ء کو سنایا گیا اس فیصلہ کے تحت عدالت عظمیٰ نے حکمیہ جاری کیا کہ آئندہ انتخابات جماعتی بنیادوں پر کرائے جائیں۔ یہ فیصلہ سپریم کورٹ کے بارہ رکنی بنچ نے دیا تھا اس فیصلے کو بہت پزیرائی ملی اندرون اور بیرون ممالک اس فیصلے کو سراہا گیا۔

15 اکتوبر 1988ء کو سپریم کورٹ نے ہائی کورٹ کے فیصلے کی توثیق کر دی کہ کالعدم اسمبلیاں بحال نہیں ہونگی۔ 18 اکتوبر 1988ء کو چیف الیکشن کمشنر صدارتی اعلان کے مطابق انتخابی شیڈول اور عدلیہ کی نگرانی میں انتخابات کے انعقاد کا اعلان کیا اور گیارہ اکتوبر کو سیاسی جماعتوں کو انتخابی نشان الاٹ کر دیئے گئے۔

صدر نے آرٹیکل نمبر 186 کے تحت سپریم کورٹ میں پٹیشن دائر کرائی پٹیشن فنڈ استعمال

PakistaniUniversity.pk

کرنے کے متعلق تھی سپریم کورٹ نے فیصلہ دیا کہ فیڈرل اور صوبائی حکومتیں انتخابات کے نتائج کے بعد بھی حکومتیں ایک ماہ تک اپنے Consolidated Funds میں سے صوابدیدی اخراجات کرسکیں گی۔

جوڈیشری نے اختیاراتی Mandotary قسم کے فیصلے دیکر ملک میں جمہوریت کو فروغ دینے کے لائحہ عمل کا اعلان کردیا۔ بعد میں PPP نے انتخابات میں حصہ لینے کے لیے شناختی کارڈ کی شرط کو عدالت میں چیلنج کردیا اس پر لاہور ہائی کورٹ لاہور نے اپنے فیصلہ میں قرار دیا کہ ووٹ ڈالنے کے سلسلہ میں صرف شناخت کی ضرورت ہے اگر کسی کے پاس شناختی کارڈ نہ ہو تو وہ دوسرے سرکاری شواہد ڈرائیونگ لائسنس میٹرک کی سند، محکمانہ کارڈ وغیرہ دکھلا کر اپنا ووٹ کاسٹ کرسکتا ہے۔

مگر سپریم کورٹ نے اس فیصلے کو کالعدم قرار دیا اور ووٹ ڈالنے کے لیے اصل شناختی کارڈ دکھانے کی شرط بحال رکھی۔

سیاسی سرگرمیاں:

ضیاء الحق کی ناگہانی موت اور جوڈیشری کے فیصلوں نے ملک میں جمہوری عمل کی راہ ہموار کر دی تھی۔

ضیاء الحق کے ساتھ جڑے ہوئے سیاسی افراد نے پاکستان مسلم لیگ پر قبضہ کرنے کے لیے جونیجو کی لیڈر شپ کو ہٹانے کے لیے اپنے جال بننے شروع کردیے اسلام آباد ایک بڑا طوفانی بدتمیزی (Pandemonium) اس وقت دیکھنے میں آیا جب ضیاء اور جونیجو کے حمایتوں نے مسلم لیگ پر اپنا اپنا قبضہ کرنا چاہا سابقہ فدا محمد خاں (صدر) اور نواز شریف (جنرل سیکرٹری) نے اپنا سیاسی گروپ تشکیل دے دیا یہ گروپ پہلے ہی سے چاروں صوبائی وزیر اعلیٰ کی نمائندگی کر رہا تھا۔ جونیجو کے ساتھ بعض سابقہ وفاقی وزراء اور سیاسی افراد ضیاء کے سابقہ حواریوں کو مسلم لیگ سے دور کرنے کے لیے آوازے کس رہے تھے جونہی ہائی کورٹ کا فیصلہ آیا کہ اسمبلیاں غیر قانونی طریقے سے توڑیں گئیں ہیں تو اس فیصلے کا فائدہ اٹھانے کے لیے جونیجو گروپ نے 12 اکتوبر کو اجلاس بلانے کا اعلان کردیا۔ تاہم سپریم کورٹ نے اس اجلاس پر حکم امتناعی لگادیا۔ اس کے ایک ہفتے کے بعد جونیجو مسلم لیگ، تحریک استقلال ،اور جمعیت علماء پاکستان نے اپنا اتحاد تشکیل دے دیا اس اتحاد کو "پاکستان عوامی اتحاد" (PAT) کا نام دیا گیا۔ فدا لیگ کی وجہ سے پیپلز پارٹی کی مقبولیت کم ہوئی، اور پیپلز پارٹی کو ایک اور دھچکا اس وقت لگا

جب فدا لیگ، جونیجو لیگ میں شامل ہوگئی آخر کار پاکستان عوامی اتحاد کے پارٹنرز نے (PAT) کو خیر باد کہا اور ایک نیا اتحاد (IJI) اسلامی جمہوری اتحاد قائم کرلیا۔ اس اتحاد میں جماعت اسلامی، پاکستان مسلم لیگ، جمعیت العلماء اسلام (درخواستی گروپ) NPP مرکزی جمعیت اہلحدیث جمعیت المشائخ، حزب جہاد، اور فخر امام کا آزاد گروپ شامل تھا۔ اس کے علاوہ دوسری پارٹیاں بزنجو کی PNP نوابزدہ نصر اللہ کی PDP، شیر باز مزاری کی ND فتح یاب علی خاں کی MKP معراج محمد خاں کی QMA اور ملک قسم کی مسلم لیگ آہستہ آہستہ IJI اور PPP سے اختلاف کر کے دوسرے کنارے پر کھڑی ہوگئیں الیکشن مہم کے ابتدائی دنوں میں PPP یوکھلا کا شکار تھی۔ اس نے باقاعدہ منصوبے کے تحت MRD کے علاوہ دوسری جماعتوں سے الیکشن الائینس (انتخابی اتحاد) بنالیا۔

مگر ان اتحادی جماعتوں نے پیپلز پارٹی سے قومی اسمبلی کے لیے 35 نشستیں کے ٹکٹ اور پنجاب اسمبلی سے 70 ٹکٹوں کی فرمائش کردی جو کہ PPP کو کسی طرح بھی قابل قبول نہ تھی PPP کے اکثر عمائدین MRD کے خاتمے کے متعلق بیان دے رہے تھے کہ اب سیاسی طور پر MRD اپاہج ہو چکی ہے لہٰذا PPP نے اکیلے الیکشن لڑنے کو ترجیح دی۔

PPP اپنے انتخابی وعدوں میں درج ذیل باتیں کہہ رہی تھی کہ PPP 21 ویں صدی میں ملک کو ترقی کی سمت کی طرف گامزن کرے گی۔ عورتوں کے خلاف جو قانون سازی ہوئی ہے اسے منسوخ کردیا جائیگا۔ عوام خود حکومت کریں گے۔ سماجی انصاف اور معاشی مساوات کو عام کیا جائے گا ضیاء آمریت کی باقیات کو زمیں بوس کردیا جائے گا۔

ضیاء کے بعد چھ بڑے حل طلب مسائل

ضیاء الحق کی وفات کے بعد چھ بڑے ایشوز سامنے آئے جنہیں حل کرنا لازمی تھا وہ مسائل یہ ہے۔

1- قومی اور صوبائی اسمبلیاں کو توڑنے کا مسئلہ۔
2- مرکز میں نگران وزیر اعظم کا نہ ہونا۔
3- فیڈرل اور صوبائی کابینہ کو علیحدہ کرنے کا پرزور پروگرام۔
4- ضیاء کی وفات کے بعد فوری ایمرجنسی کونسل کا قیام عمل میں لانا۔

PakistaniUrdu.com

5- نیا چیف الیکشن کمشنر مقرر کرنے کا دباؤ۔

6- جماعتی طور پر نومبر کے الیکشن کرانے پر زور۔

اسمبلیوں کا تحلیل ہونا ماضی کا قصہ پارینہ بن چکا تھا اس سلسلہ میں عوام نے خاموشی اختیار کی ۔اسمبلیاں توڑ کر محض جونیجو حکومت کو ہی ٹھکانے لگایا گیا۔MRD کا کردار ختم ہو چکا تھا۔29 مئی کا الیکشن جلد ہی عوام سے یاداشت سے اوجھل ہونے لگا۔محض چند مفاد باز ہی 29 مئی کے الیکشن کا واویلا کر رہے تھے۔رہی سہی کسر سپریم کورٹ کے فیصلے نے نکال دی لہٰذا یہ مسئلہ تو دفن ہو گیا جونیجو کے بعد نگران وزیراعظم کا نہ ہونا ایک آئینی ضرورت تھی اس پر زیادہ تر تضادات اور قانونی تکنیکیاں اور موشگافیاں سامنے نہ آئیں۔دوسری طرف غلام اسحاق خاں بھی نہ چاہتے تھے کہ ان کے کوئی مدمقابل رہے لہٰذا یہ مسئلہ بھی دبا رہا۔

اختر علی جی قاضی کو سندھ کا سینیٹر وزیر منتخب کیا گیا بعد میں انہیں ترقی دے کر وزیراعلیٰ سندھ بنا دیا گیا بعض سیاسی جماعتوں مثلاً شہ تھا کہ اگر غلام اسحاق خاں کسی کو نگران وزیراعظم مقرر کرتے ہیں تو وہ کسی مخصوص پارٹی کی حمایت کر کے سیاسی کھیل کو منفی رنگ دے سکتے ہیں۔

ایمرجنسی کونسل پر ہمیشہ سیاستدان تنقید کا اظہار کرتے رہتے تھے۔MRD اور دوسری سیاسی جماعتوں نے واویلا مچایا کہ انتظامیہ پر ملٹری اپنا اثر رسوخ استعمال کر رہی ہے۔گورنمنٹ نے اس پر یہ Plea لی کہ ایمرجنسی میں ایگزیکٹو باڈی ہی مسائل حل کرتی ہے۔حزب اختلاف نے سوال اٹھایا کہ ایمرجنسی کی صورتحال ملک میں موجود ہی نہیں ہے پھر یہ کیوں لگائی گئی۔بعض سیاستدانوں IJI کو یکجا کرنے میں جنرل حمید گل کے کردار کو نمایاں کر رہے تھے۔سیاسی جماعتیں ایمرجنسی کونسل کو خائن قرار دے رہی تھی۔جب جنرل اسلم بیگ نے ایمرجنسی کونسل کے بارے میں اس بات کو واضح یا کہ ایمرجنسی کونسل صرف الیکشن ہونے تک قائم رہے گی بعد میں اس کا وجود ختم ہو جائے گا تب سیاسی جماعتوں کو کچھ سکون حاصل ہوا جہاں تک چیف الیکشن کمشنر کی تبدیلی کا مسئلہ تھا تو اس کے پیچھے 1984ء کا ریفرنڈم اور 1985ء کے انتخابات میں ہونے والی بے ضابطگیاں تھیں۔مگر صدر غلام اسحاق خاں نے اپوزیشن کا یہ مطالبہ نہ مانا اور جسٹس (ر) نصرت کو چیف الیکشن کمشنر کے عہدے سے نہ ہٹایا۔

آخری مسئلہ یہ کہ انتخابات غیر جماعتی نہیں ہونے چاہیے بلکہ جماعتی ہونے چاہیے اصل میں اہم مسئلہ بنا رہا۔مگر سپریم کورٹ نے فیصلے نے اس بحث کو بھی ختم کر دیا۔

PPP کو پختہ یقین تھا کہ لوگ 1977ء کی بے انصافیوں کی وجہ سے اسے اقتدار دلائیں گے دوسری سیاسی جماعتیں محض دفاعی کردار ادا کر رہی تھیں۔

PPP نے بے شمار امیدواروں کو ٹکٹ دیئے اس نے 183 ٹکٹیں دیے IJI نے 172 امیدوار قومی اسمبلی کی نشستوں پر کھڑے کئے MQM نے اپنے 19 امیدوار کھڑے کئے یہ تمام سندھ میں تھے۔ان کی کامیابی کا چانس یقین تھا۔ANP نے اپنا پنجاب میں 01 امیدوار اور NWFP 18 میں امیدوار کھڑے کئے۔PA-I نے بھی اپنی حکمت عملی وضع کی مگر ان کی صورتحال محدود تھی۔جمیعت العلماء اسلام نے دوسری چھوٹی موٹی پارٹیوں کے ساتھ مل کر 41 امیدوار کھڑے کئے قومی اسمبلی کے انتخابات میں 1334 آزاد امیدوار کھڑے تھے۔ان آزاد امیدواروں نے کسی سیاسی پارٹی کا ٹکٹ نہ لیا تھا بلکہ خود مقامی اثر ورسوخ اور تعلق کو ذریعہ بنا کر الیکشن میں حصہ لے رہے تھے۔مگر یہ امیدوار IJI اور PPP کو نقصان پہنچا سکتے تھے۔

نومبر الیکشن میں یہ سوال عام گھوم رہا تھا کہ پاکستان کا اگلا وزیراعظم کون ہوگا؟ انٹی PPP اتحاد اس سے متعلق کوئی واضح جواب نہ دے رہا تھا۔مگر PPP والے بے نظیر کو بے نظیر قرار دے رہے تھے۔IJI اس سلسلہ میں کنفڈریشن کا شکار تھی کیونکہ IJI کے اتحاد میں اہم کردار PML کا ہی تھا مگر اس کی توقع تھی کہ آئندہ کا وزیراعظم NPP (نیشنل پیپلز پارٹی) کا رہنما غلام مصطفےٰ جتوئی ہوگا جس نے پنجاب میں اپنے صرف 03 امیدوار کھڑے کئے تھے جونیجو کو PML کا مخالف تصور کیا جا رہا تھا اور اسے یونہی زمین سے لگا دیا گیا تھا کیونکہ اس کے قریبی مددگاروں کو IJI نے ٹکٹ نہ دیے تھے۔مگر یہ امر واضح تھا۔

- کہ پنجاب کے وزیراعلیٰ نواز شریف ہی ہوں گے ان کے بارے میں تاثر دیا گیا کہ وہ پنجاب کی مسلم لیگ کے صدر ہیں مگر IJI وزیراعظم کے انتخاب میں روک ٹوک نہ تھی۔

Pakistanstudy.com

الیکشن مہم میں سیاسی جماعتوں کا ردعمل

دونوں اطراف سے منفی سیاسی مہم (Compaign) کا آغاز ہو چکا تھا نصرت بھٹو سابقہ صدر (آنجہانی ضیاء الحق) کو علی بابا اور اس کے پیروکاروں کو چالیس چوروں کا خطاب دے رہی تھیں۔ انہوں نے ضیاء دور پر خاص لعن طعن کی انہوں نے کہا کہ ماضی میں جہاد کا نام لے کر انسانی حقوق پامال کیے گئے PPP نے IJI کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا اور اس جماعت کو ملٹری کا پٹھو قرار دیا جاتا رہا۔ نصرت بھٹو سے ایک انٹرویو لیا گیا اس سے یہ تاثر نکالا گیا کہ آیا PPP برسر اقتدار سے آ کر کہوٹہ پلانٹ بیچ دے گی۔ نواز شریف PPP کے خلاف زبردست زہر اگل رہے تھے جماعت اسلامی کے صدر قاضی حسین احمد برملا کہا کہ اگر PPP برسر اقتدار آ گئی تو کشمیر بھارت کی جھولی میں ڈال دیا جائے گا اور افغانستان سے روس پاکستان میں آ جائیگا۔ انہوں نے الزام لگایا کہ یہودی PPP کی مدد کر رہے ہیں۔

مگر پاکستان کا ایک مسئلہ تباہ حال معیشت بھی تھی۔ نہ تو PPP نے اس پر کوئی جامع پروگرام دیا اور نہ ہی اپنی خارجہ پالیسی کے متعلق کوئی اہم بات کہی IJI صرف نفاذ اسلام کی آڑ میں اپنا پروگرام چلا رہی تھی ایک اہم سوال یہ بھی تھا کہ کیا PPP برسر اقتدار آ کر صدر غلام اسحاق خاں ہی کو صدر رکھے گی یا کسی اور کو حالانکہ وہ مارشل لاء کی باقیات ہیں۔

ضیاء کے حامی بھی اپنی پوزیشن مستحکم کر رہے تھے تمام پارٹیاں آپس میں الزام تراشیوں اور پرانے الزامات کی بوچھاڑ کی شکل میں اپنا غصہ ٹھنڈا کر رہی تھی مگر دوسری طرف ملٹری بیوروکریٹس اور اسٹیبلشمنٹ اپنے مخصوص عزائم حاصل کرنے کے لیے ملی بھگت کر رہے تھے۔

1988 کے انتخابات

اس الیکشن میں ٹرن آؤٹ 40% رہا جو کہ سابقہ انتخابات سے بہت کم تھا کیونکہ یہ 1970ء میں 70%، 1977ء میں 55% اور 1985 میں 52% ریکارڈ کیا گیا تھا۔ یہ بھی رپورٹ سننے میں آئی تھی کہ 12.8% ووٹرز اصل شناختی کارڈ نہ ہونے کی وجہ سے اپنا حق رائے دہی استعمال نہ کر سکے تھے۔ انتخابات کی مہم میں اکنامکس اور نظریاتی ایشوز کو نہ چھیڑا گیا تھا لہٰذا لوگوں نے زیادہ ووٹ نہ کاسٹ کیے۔ PPP کو 39% ووٹ ڈالے گئے اس الیکشن میں مذہبی جماعتوں کو ووٹ نہ ملے اور بڑے بڑے سیاہی

نام مثلاً محمد خان جونیجو پیر آف پگاڑو، جتوئی، اصغر خان، بزنجو، ملک قاسم، معراج محمد خان، نورانی میاں، شیر باز مزاری اور فتح یاب علی خان الیکشن ہار گئے مگر نوزائیدہ سیاستدان PPP سے بے نظیر، IJI سے نواز شریف MQM سے الطاف حسین اور IJI کے فضل الرحمان انتخابات جیت گئے۔

اس کو ٹیبل کے ذریعے ظاہر کیا جاتا ہے۔

الیکشن قومی اسمبلی بابت نومبر 1988

نام صوبہ	PPP	IJI	JUI (F)	JUI (D)	PAI	PDP	ANP	NPP(K)	MQM	BNA	آزاد
پنجاب	52	44	-	-	03	01	-	01	-	-	12
سندھ	31	-	-	-	-	-	-	-	13	-	02
سرحد	07	08	03	01	-	-	03	-	-	-	03
بلوچستان	01	02	04	-	-	-	-	-	-	2	02
قبائلی علاقہ	-	-	-	-	-	-	-	-	-	-	08
اسلام آباد	01	-	-	-	-	-	-	-	-	-	01
کل	92	54	07	01	03	01	03	01	13	2	27

ان نتائج کا اعلان انتخابات کے تین دن بعد ہوا۔ فیصل آباد کی 06 مستورات کی نشستوں میں سے 01 نشست پر الیکشن نہ ہوا تھا۔ PPP مرکز میں ایک بڑی پارٹی بن کر ابھری اور اس نے سندھ میں اکثریت حاصل کی مگر جتنی یہ کامیابی کی توقع کر رہی تھی اتنی نہیں ہوئی۔ کیونکہ یہ پیش کوئی کی جاتی تھی کہ PPP سندھ کے دیہی علاقوں میں کلین سویپ کرے گی مگر سندھیوں نے کسی ایسے امیدوار کو جو سابقہ دور میں ملٹری سے وابستہ رہا تھا کو ووٹ نہ دیئے دوسری طرف MQM کراچی میں ایک واضح جماعت ابھری تھی اس نے کراچی میں جماعت اسلامی کا زور توڑ دیا تھا۔

Pakistanstudy.pk

صوبائی اسمبلیوں کے نتائج بابت الیکشن 1988ء

نام صوبہ	IJI	PPP	JUI (F)	PNP	BNA	وطن پارٹی	PAI	NPP کھر	PDP	PPI	ANP	MQM	آزاد	کل
پنجاب	108	94	1	-	-	-	02	02	02	-	-	-	32	240
سندھ	01	67	-	-	-	-	-	-	-	01	-	30	01	100
سرحد	28	20	02	-	-	-	-	-	-	-	12	-	15	77
بلوچستان	08	04	11	02	10	01	-	-	-	-	-	-	04	40
کل	145	185	14	02	10	01	02	01	02	01	12	30	52	457

کل نشستیں

اس الیکشن میں بھٹو فیکٹر کافی خصوصیات کا حامل تھا سابقہ ضیاء دور میں پیپلز پارٹی کو ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی سابقہ حکومت نے اس ایجنڈے پر خوب عمل کیا تھا مثلاً

133 (1) بھٹو کو سیاسی منظر اور خاص طور پر سندھ سے مکمل طور پر ختم کرنا۔

46 (2) بھٹو کی سیاسی پارٹیوں کو قصہ پارینہ بنانا مگر بھٹو کی صاحبزادی بھٹو کے ساتھ ہونے والے ظلم سے مسلسل سندھی خواتین کی حمایت حاصل ہو رہی۔

25

11 (3) بھٹو کو ختم کرنے کے لیے لسانی گروپس کا تشکیل کرنا۔

08 مگر تاریخ نے ثابت کر دیا کہ جب کسی کو جتنا دبایا جاتا ہے جب اسے موقع ملتا ہے تو وہ سپرنگ کی طرح اسی حساب سے واپس آجاتا ہے۔

01

204 سندھ میں IJI نمایاں کامیابی حاصل نہ کر سکی تھی۔ کیونکہ سندھ میں IJI کا کوئی نمایاں لیڈر نہ تھا جیسا کہ پنجاب میں نواز شریف کی صورت تھی جونیجو نے ہار کر بھی پارٹی میں سے عہدہ نہ چھوڑا اور دوسری طرف سے سندھ سے ہارے ہوئے جتوئی بھی IJI کی چیرمین شپ سے جڑے رہے۔

سندھ میں قومیت کا پرچار کرنے والی جماعتیں زیادہ نشستیں نہ لے سکیں۔ سندھ نیشنل الائنس

بھی زیادہ کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ تحریک "جئے سندھ محاذ" علیحدگی پسندگی ہونے کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکی۔ سندھی بلوچ پٹھان فرنٹ بھی انٹی پنجاب محاذ کی وجہ سے ناکام رہی ANP اور جماعت اسلامی کوئی لسانی جماعت MQM نے ہرا دیا MQM نے ان ڈائرکٹ طریقے سے PPP کا ساتھ دیا تاکہ کراچی میں ANP اور IJI ووٹ حاصل کر سکے۔ 1987ء کے بلدیاتی انتخابات ہی میں MQM کی کراچی میں واضح اکثریت سے تاثر عام تھا کہ یہ پارٹی ضرور سندھی سیاست میں کچھ انوکھا کردار ادا کرے گی۔

صوبہ پنجاب میں جس طرح PPP نے 1970ء میں کلین سویپ کیا تھا اب ویسا نہ ہوا تھا ضیاء کے دور حکومت نے مسلم لیگ نے پنجاب میں اپنی طاقت مضبوط کر لی تھی۔ نواز شریف نے پنجاب میں مختلف خاندانوں کو خاصی نوکریاں دیں 1988ء میں نواز شریف نے صوبائیت کو خوب فروغ دیا پنجاب کو جگایا اور یہ نعرے لگائے۔

"جاگ پنجابی جاگ تیری پگ نوں لگ گیا داغ"

نواز شریف نے بھی صوبائیت کا کارڈ استعمال کیا کہا جاتا تھا کہ مستقبل قریب میں مسلم لیگ بھی لسانیت کا پرچار کرنے والی جماعت بن جائیگی۔

نواز دور میں ہزاروں لوگوں کو نوکری کے لیے مشرق وسطیٰ بھیجا گیا تھا۔ وہ گھروں میں دولت لائے اور لوگوں نے خوشحالی کا منہ دیکھا تھا۔ علاوہ ازیں مسلم لیگ نے سماجی طور پر بھی لوگوں پر خاصی محنت کی تھی۔ لاکھوں لوگوں کو پلاٹس دیئے دوسری طرف پنجاب کے لوگوں کا خیال تھا کہ اسلامی جمہوری اتحاد ضرور ایک ایسا سودا لائیں گے کہ اصل اسلام اور جمہوریت کی شکل منظر عام پر آئے گی۔

نواز شریف نے بھی اقتدار حاصل کرنے کے لیے اسلام کا نعرہ لگایا تھا وہ اپنی مذہبی صورتحال کو سہارا دیتے ہوئے طاہر القادری کو مذہبی ہیرو بنا کر منظر عام پر لا رہا تھا۔ لہٰذا لوگوں کو یقین ہو گیا تھا کہ نواز شریف ضرور ملک میں شریعت نافذ کریں گے۔ دوسری طرف مذہبی جماعتیں اس مقام پر نہ تھیں کہ وہ اسلامی شریعت نافذ کر سکیں کیونکہ ان میں اکثریت ٹانگہ پارٹیوں کی سی تھی جن کی سیاست صرف ڈرائینگ روم تک محدود تھی۔ وہ بھی نواز شریف کی بیساکھیوں کے ذریعے اسلامائزیشن کے عمل کو پروان چڑھانا چاہتے ادھر نواز شریف ایک تیر سے دو شکار کر رہے تھے ایک طرف تو مذہبی جماعتوں کو اپنا ہمنوا بنا رہے تھے اور دوسری طرف جمہوری جماعتوں سے بارگینگ کر رہے تھے۔ پیپلز پارٹی اس خام خیالی میں مبتلا تھی کہ وہ پنجاب سے نشستیں جیت جائے گی۔ اس لیے اس نے پنجاب کی طرف توجہ نہ دی۔ پنجاب

PakistaniStudy.com

کے عوام میں یہ خیال عام تھا کہ موجودہ حکومت نواز شریف کی پشت پر ہے لہٰذا اس نے کامیابی تو حاصل کر ہی لینی ہے جیسا کہ ضیاء نے 1984ء کے ریفرنڈم میں حاصل کی تھی لہٰذا اس کی حمایت کرنی چاہیے تاہم تمام بنیاد پرست سرعام IJI میں شامل ہوگئے۔ پنجاب اس وقت رجعت پسند گروہ اور ترقی پسند گروہ میں تبدیل ہوگیا تھا۔

صوبہ سرحد کی سیاست دو افراد (Two, God Fathers) ہے ان داتاؤں غفار خان اور قیوم خان کے گرد گھومتی تھی یہاں بھی پٹھان ازم کا نظریہ عام تھا۔ 1970ء کے انتخابات میں NAP کی اصل شکل سرحد کے جنوبی اضلاع ڈی آئی خان کوہاٹ اور بنوں میں دیکھنے کو ملی جب یہاں سے یہ پارٹی بری طرح ہاری۔ 1973ء میں مولانا مفتی محمود کی قیادت نے اس علاقے میں خاصے مذہبی سیاسی اثرات چھوڑے تھے یہاں PPP کی حامی صرف ترقی پسند لوگ تھے جو انتہا پسندانہ نظریات کے تحت بٹے ہوئے تھے نہی پروگریسو لوگوں کی بدولت یہاں PPP کا ووٹ بنک بڑا تھا یہ لوگ زیادہ تر شہروں میں آباد تھے بعد ازاں ٹرانسپورٹ بزنس اور صنعتوں کا شہروں سے باہر نکلنے سے یہ نوجوان وہاں ہجرت کرتے گئے۔

ضیاء کے دور میں انتخابات کے دوران ان لوگوں کی PPP کے بارے میں حمایت دیکھنے میں آئی۔ کیونکہ ضیاء پالیسیوں کی وجہ سے یہ لوگ ANP سے بھی متنفر ہوگئے ضیاء کے دور میں یہاں ہیروئین ۔کلاشنکوف کلچر کو پروان چڑھا۔

پٹھانوں کے ہاتھوں میں بندوق تھما کر علاقے کو بلیک اکانامی کی طرف دھکیل دیا گیا۔ آہستہ آہستہ پٹھان نیشلزم اپنا دم توڑ رہا تھا اور ANP کی مقبولیت کم ہو رہی تھی۔ عقلمند لوگوں کی ایک اکثریت مجاہدین کی کارکردگی کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھ رہی تھی اور مہاجرین کی آمد کو ایک سیاسی چال سمجھ رہی تھی لہٰذا ان حالات نے PPP کی خاصی مدد کی دوسری طرف ہزارہ میں خاص قسم کے لوگ جو پشتو نہیں بولتے تھے ان کی تمام آبادی مسلم لیگ کے ساتھ تھی۔ ضیاء کے دور میں پیپلز پارٹی نے ان علاقوں کا دورہ نہ کیا تھا لہٰذا یہاں کے لوگ IJI کے نمائندگان کے ساتھ اچھے تعاون کا یقین دلا رہے تھے کوہستان کا بڑا علاقہ لوکل بیوروکریسی کے ہاتھوں کا کھلونا بنا ہوا تھا۔

صوبہ بلوچستان میں سیاست قبائلی سردار، لسانی تحریکیں اور مذہبی جماعتوں کے گرد گھومتی تھی ایک چوتھا سیاسی گروہ مقامی سیاست پر یقین رکھنے والا تھا' یہ چوتھا گروہ اسلام آباد کی حکومت سے ہاتھ ملا لیتا تھا۔ 1970ء میں یہاں سرداروں نے اہم پوزیشن حاصل کر لی تھی سردار ہی بلوچستان کے سیاہ وسفید

کے مالک ٹھہرے وہی قومی اسمبلی اور بلوچستان اسمبلی میں قانون سازی کرتے تھے۔ یہی بلوچوں کے لسانی مفاد کے محافظ بن گئے تھے NAP کے سردار بھی اس میں شامل تھے جنہوں نے قانون سازی وغیرہ میں اہم کردار ادا کیا تھا NAP کے دور اقتدار کے بعد بلوچستان میں سرداروں پر گوریلا کاروائیاں کی گئیں۔ ان کاروائیوں نے تقریباً ان کی قیادت کو ختم کر دیا۔ لہٰذا ان علاقوں میں اپریشن کیلئے ملٹری کو بلانا پڑا بلوچ پٹھان اتحاد پر مبنی NAP ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوگئی تھی۔ مارشل لاء کے دور میں سردار عطاء اللہ مینگل اور سردار خیر بخش مری نے خود ساختہ جلاوطنی (Exile) اختیار کر لی تھی، غوث بخش بزنجو کے وفادار کارکن بھی تذبذب کا شکار تھے بلوچ سٹوڈنٹس آرگنائزیشن (BSO) بھی اپنی پرانی قیادت سے تنگ تھی لہٰذا 1970ء اور 1988ء کے الیکشن میں خاصا تضاد دیکھنے میں آیا۔ مارشل لاء کے دور میں یہاں ضیاء کی باقیات نے اپنی گرپ مضبوط کر لی تھی لسی بیلا کے جام صاحب (سابقہ وزیر اعلیٰ) نے اس دور میں اپنا الگ کردار ادا کیا۔ اس نے یہاں اپنا اثر ورسوخ بڑھایا اور لوکل پاکٹ کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ اس کے بعد یہاں کے وزیر اعلیٰ ظفر اللہ جمالی نے بھی اسلام آباد کا دم بھر کر پرانے زخم تازہ کر دیے۔

جمعیت العلماء اسلام ایک واحد سیاسی پارٹی تھی جسکی جڑیں عام عوام میں موجود تھیں اور اس نے مارشل لاء کے خلاف یہاں خاصی آواز اٹھائی تھی اس لیے سرداروں کی عدم موجودگی میں وہاں کے لوگوں نے JUI کا دم بھرنا شروع کر دیا تھا۔ 1988ء میں انہوں نے اپنے قریبی ساتھیوں کے ساتھ مل کر بلوچ نیشنل الائنس بنا کر لسانی بنیادوں پر اپنی انتخابی مہم چلائی۔ مگر وہ ظفر اللہ جمالی کے ہوتے ہوئے اسلام آباد پر اثر انداز نہ ہو سکا۔

PPP کا دوسرا دور

THE SECOND PPP REGINE

نومبر کے انتخابات میں PPP قومی اسمبلی میں اکثریت قائم کرنے میں ناکام رہی تھی۔ بے نظیر بھٹو نے قومی اسمبلی میں اکثریت پارٹی ہونے کا دعویٰ کیا اس کے بعد دوسری بڑی جماعت IJI تھی جس نے 28 نشستیں حاصل کی تھیں اور اس کی کمان نواز شریف کے پاس تھی آزاد امیدواروں کی تعداد زیادہ تھی لہٰذا وزارت عظمیٰ کے لیے آزاد امیدواروں کو اپنی طرف کھینچنے کا کام ہارس ٹریڈنگ کی شکل اختیار کر گیا چھوٹی جماعتوں کے اراکین کی بھی کھینچا تانی کی گئی بعد ازاں اندرون ملک اور

Pakistanmania.com

بیرون ملک کے دباؤ کے تحت مطالبہ کیا گیا کہ اکثریتی پارٹی میں سے وزیراعظم منتخب کیا جائے۔ آخر کار صدر اسحاق خان نے بے نظیر کو وزیراعظم بنانے کا اعلان کر دیا انہوں نے اپنا وعدہ پورا کیا ملک سے ایمرجنسی ختم کر دی۔ ایمرجنسی کونسل کو ختم کیا اور نگران عملے کو بھی سبکدوش کر دیا۔

انہوں نے صوبائی الیکشن کمشنر کو ہدایت دی کہ وہ انتخابات کے رزلٹ میں اکثریتی پارٹیوں کے راہنماؤں کو وزارت اعلیٰ کے منصب پر فائز کریں اس طرح پنجاب میں IJI کے نمائندے نواز شریف سندھ میں PPP کے قائم علی شاہ، سرحد میں PPP اور ANP کے گٹھ جوڑ سے آفتاب شیر پاؤ بلوچستان میں PPP اور IJI کے اتحاد سے ظفر اللہ جمالی وزیراعلیٰ بن گئے PPP اس وقت تیسری دفعہ حکومت میں آئی تھی یعنی 1970، 1977 اور 1988 میں، دو مرتبہ اس پارٹی نے فوج سے اقتدار حاصل کیا تھا۔ ان دونوں مواقع پر PPP کی لیڈر شپ بھٹو خاندان ہی کے پاس رہی۔ بے نظیر تاریخی طور پر پہلی خاتون وزیراعظم مقرر ہوئیں۔ ان کی عمر بھی زیادہ نہ تھی۔ انہوں نے بیرون ملک سیاسی تعلیم حاصل کی اس نے ضیاء کے متعلق یہ خاکہ کھینچا۔

''ایک ایسا آدمی جس کے آدھے اعصاب ختم ہو چکے ہوں اسی وجہ سے اس کے سر کے درمیان کے بال غائب ہو چکے ہوں وہ مجھے انگلش کارٹون میں ولن نظر آتا ہے اس مین ملٹری جیسی کوئی شئے ہی نہ ہو اور وہ اس پر نالاں ہو یا لٹھ لیے دوڑ رہا ہو کہ ایک عظیم انسان ذوالفقار علی بھٹو کی اتنی عزت افزائی کیوں ہو رہی ہے''

بے نظیر نے الزام لگایا کہ ضیاء اسلام کی آڑ میں اپنی دکانداری چمکانا چاہتا تھا۔ اس نے اسلام کی من مانی تشریح کر کے ایک عورت یعنی مجھے وزیراعظم بننے سے روکنا چاہا۔ مگر قوم جانتی تھی کہ کسے کیا بننا اور کیا کرنا ہے؟ انہوں نے ضیاء الحق کی زندگی میں کہا تھا کہ میں دیکھ رہی ہوں کہ وہ دن دور نہیں جب میں اپنے باپ کی جگہ وزیراعظم بن کر اس کا مشن مکمل کروں گی اب وہ دن آ گیا ہے۔

انہوں نے 12 دسمبر 1988ء کو قومی اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ لیا 148 ووٹ اس کے حق میں پڑے، 55 مخالفت میں اور 34 ووٹ ضائع ہوئے۔

اسی دن الیکٹنگ صدر غلام اسحاق خان نے پانے آپ کو 5 سال کے لیے صدر منتخب کرا لیا۔

ان کو سینٹ اور اسمبلیوں کے اراکین نے ووٹ ڈالے ان کے مقابلے میں نوابزدہ نصر اللہ خان کھڑے ہوئے پہلے انہیں PPP کی حمایت حاصل بعد ازاں یہ حمایت ختم ہو گئی۔

بے نظیر بھٹو بطور وزیراعظم

BENAZIR BHUTTO AS PRIMEMINISTER

بے نظیر 21 جون 1953ء میں ذوالفقار علی بھٹو کے گھر کراچی میں پیدا ہوئیں آپ کی والدہ کا نام نصرت بھٹو ہے۔ ابتدائی تعلیم کراچی کے لیڈی جینگ میں حاصل کی بعد ازاں وہ مری کے بورڈنگ سکول میں داخل ہو گئیں انہوں نے اعلیٰ تعلیم کلفے کیلی فورنیا کی یونیورسٹیوں سے حاصل کی آکسفورڈ یونیورسٹی میں دوران تعلیم وہ سیاست میں حصہ لیتی رہیں ضیاء کے دور میں انہیں سیاسی سرگرمیوں میں ملوث ہونے کے الزام میں گرفتار کیا گیا یوں انہوں نے پانچ سال تک قید تنہائی کاٹی 1984ء میں وہ لندن چلی گئی جہاں وہ جلاوطنی کی زندگی بسر کرتی رہیں۔ 1986ء میں وطن واپسی پر ان کا شاندار استقبال کیا گیا انہوں نے پارٹی کی تنظیم اور رابطے بڑھانا شروع کیے۔ 19 مئی 1986ء کو پارٹی کی چیئر پرسن کا عہدہ سنبھالا 1987ء میں ان کی شادی آصف علی زرداری سے ہو گئی۔ نومبر 1988ء کو وزارت عظمیٰ کا حلف اٹھایا۔ وہ پاکستان کی پہلی خاتون وزیراعظم تھیں۔ بعد ازاں ان کی یہ حکومت 6 اگست 1990ء کو غلام اسحاق خان نے ختم کر دی 24 اکتوبر 1990ء میں ہونے والے انتخابات میں انہیں اپوزیشن بنچز پر بیٹھنا پڑا 1993ء کے انتخابات میں انہیں دوبارہ اکثریت ملی اور وہ دوبارہ پاکستان کی وزیراعظم بن گئیں۔ صدر پرویز مشرف کے دور میں وہ خود جلاوطن ہو گئیں ان پر کرپشن کے مختلف مقدمات درج تھے۔ 2007ء میں صدر مشرف نے NRO آرڈیننس نافذ کیا جس کے تحت سیاسی مقدمات ختم کرنے کا اعلان ہوا وہ 28 دسمبر 2007ء کو شام کے وقت راولپنڈی کے لیاقت باغ سے جلسہ کر کے واپس آ رہی تھی تو بعض ارکان نے ان پر فائرنگ کر دی جس کی وجہ سے وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملیں انہیں شہید جمہوریت کا لقب پارٹی کی طرف سے ملا اور ان کے غم میں حکومت نے 3 دن کے سوگ کا اعلان کیا۔ بے نظیر حکومت نے حکومتی طور پر سب سے پہلے جو قدم اٹھایا اس کے تحت سینکڑوں سیاسی کارکنان جنہیں مارشل لاء کے دور میں مختلف قسم کی سخت سزائیں سنائی گئیں تھیں انہیں رہا کرنے کا حکم دیا گیا۔ بعض ارکان کے خلاف جو سیاسی جلاوطنی کے مقدمات چل رہے تھے ان کی کارروائی ختم کی گئی اور جلاوطن

Pakistanmaterial.com

سیاستدانوں کو پاکستان آنے کی دعوت دی گئی۔عورتوں بوڑھوں اور بچے جومختلف اقسام کے جرائم کے تحت جیلوں میں بند تھے ان کی رہائی کا حکم دیا گیا سزائے موت کے قیدیوں کی سزا عمر قید میں تبدیل کرے کا اعلان کیا نیز 400 یونیورسٹی طلباء جنہیں وقتی طور پر جامعات سے خارج کرنے کا آرڈر دیا گیا اس آرڈر کو منسوخ کر دیا۔میڈیا کو آزادی دیتے ہوئے اپوزیشن کی کوریج کرنے کی اجازت دی گئی۔ طلباء یونینز پر سے پابندی اٹھالی گئی۔

پوری دنیا میں ان کے وزیر اعظم بننے پر ان کا خیر مقدم کیا گیا کچھ سالوں تک انٹرنیشنل میڈیا اور پریس ان کی سیاسی سرگرمیوں اور خاندانی معاملات مثلاً 1987ء میں ان کی شادی، اکتوبر 1988ء میں بیٹے بلاول کی پیدائش پر انہیں کوریج دیتا رہا۔ان کے دور اقتدار کے پہلے ماہ انہیں سالانہ سارک کانفرنس کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا اور وہ اس تنظیم کی چیر پرسن بن گئیں۔بھارت کے وزیر اعظم راجیو گاندھی نے انہیں زبردست خراج تحسین پیش کیا ان کی لیڈر شپ ذہانت اور قربانیوں کی داستان کو سراہا۔ انہون نے کہا کہ محترمہ کا نام علاقے میں ہر گھر کی زینت بن چکا ہے۔ان کے دور میں بھارت اور پاکستان کے درمیان تین معاہدے ہوئے۔وہ یہ تھے۔

i) دونوں ممالک کے تعلقات کو بہتر بنانا۔

ii) آزادانہ تجارت کرنا۔

iii) ثقافتی تعلقات کو فروغ دینا۔

ان کے دور ہی میں روسی افواج کا افغانستان سے انخلاء شروع ہو گیا تھا 15 فروری 1989ء کو روس کے آخر سپاہی نے دریائے امو River Amu عبور کیا پاکستان کے سعودی عرب۔امریکہ۔چین بھارت اور اسلامی دنیا کے ساتھ تعلقات کے سلسلہ میں پرانی خارجہ پالیسی تبدیل نہ کی گئی صاحبزادہ یعقوب خان حسب سابق وزارت خارجہ کے عہدہ سے منسلک رہے۔بے نظیر نے مختلف ممالک مثلاً سعودی عرب چین کا دورہ کیا انہوں نے جاپان میں ٹوکیو میں شہنشاہ ہیروہیٹو (Herohito) کی وفات کی تقریب کے دوران کئی ممالک کے سربراہان کے ساتھ ملاقاتیں بھی کیں۔

بے نظیر بھٹو کی پہلی تقریر

اس کے اہم خدوخال درج ذیل ہیں۔

1- نیشنل پریس ٹرسٹ کو توڑنے کا اعلان کیا گیا۔

2- PPP مساوات اور بھائی چارے کے اصولوں پر کام کرے گی۔

3- ہر شہری کے جان و مال کا تحفظ ہوگا احساس محرومی ختم کر دیا جائے گا۔

4- جن شہداء نے آزادی وطن کی سربلندی کے لیے جانیں دی تھیں ان کی قبروں پر یادگاریں بنائی جائیں گی۔

5- بے روزگاری اور ناخواندگی پر قابو پایا جائے گا۔

6- سیاسی بنیادوں پر فارغ کئے گئے ملازمین کو بحال کیا جائے گا۔

7- ایسے قوانین جن سے خواتین کے حقوق غصب ہوتے ہوں انہیں بتدریج ختم کر دیا جائے گا۔

8- اسلامی ورثہ کی حفاظت کی جائے گی۔

9- فلسطین کے ساتھ ہر قسم کی حمایت جاری رہے گی۔

03 دسمبر 1988ء کو قومی اسمبلی میں ملک معراج خالد کو سپیکر اور مسز اشرف عباسی کو ڈپٹی سپیکر مقرر کیا گیا۔

پاکستان پیپلز پارٹی کو درپیش چیلنجز

ملک میں ایک طویل مارشل لاء دور کے بعد اصل جمہوریت کی شکل دکھائی دی تھی لہٰذا اس حکومت کو سیاسی منظر نامے پر قدم قدم پر مختلف اقسام کے چیلنجز کا مقابلہ کرنا تھا۔ان سے اہم ترین چیلنجز تین تھے۔

1۔ مرکزی قیادت کا صوبہ پنجاب کے ساتھ تعلقات کا بحران۔

2۔ بلوچستان کی برطرفی

3۔ آٹھویں ترمیم کو ختم کرنے کا مطالبہ

پیپلز پارٹی ہمیشہ سے پنجاب کو اپنی سیاسی طاقت کا گڑھ متصور کرتی تھی۔یہاں کا وزیر اعلیٰ نواز شریف ضیاء الحق کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا تھا نواز شریف کھلم کھلا مرکز سے مخالفت مول لینے سے ہرگز دریغ نہیں کرتے تھے۔بے نظیر نے اپنی پہلی پریس کانفرنس میں IJI پر الزام عائد کیا تھا کہ وہ مختلف

PakistaniMaterial.com

طریقوں میں سے پنجاب کے حالات خراب کر رہی ہے۔ جب مرکز کی طرف سے ہائی رینک افسران اور چیف سیکرٹری کے ٹرانسفر آرڈرز پر آئے تو نواز شریف نے ان کو ماننے سے انکار کر دیا تو دونوں طرف سے اختلافات بڑھتے ہوئے نظر آئے سارک کانفرنس کے بعد IJI نے PPP کے خلاف اپنی پروپگنڈا مہم تیز کر دی۔ بے نظیر پر الزام لگایا کہ وہ بھارت کے ہاتھوں بک چکی ہیں۔ اس نے گورنمنٹ کی نئی ثقافتی پالیسی کی مذمت کی اور اسے غیر اسلامی قرار دیا۔ جب دو ماہ بعد ضمنی انتخابات ہوئے تو IJI نے پنجاب سے قومی اسمبلی کی کل کی کل سات نشستیں جیت لیں مگر پیپلز پارٹی چاروں صوبوں سے 05 نشستیں جیت سکی ان میں ایک نشست PPP کے اتحادی ANP نے اور ایک MQM نے جیتی۔ صوبائی ضمنی الیکشن میں IJI نے 4 نشستیں، PPP نے 03 اور آزاد امیدوار نے 01 نشست جیتی IJI نے اپنی ایک جامع پوزیشن بنا لیتھی اور نواز شریف کو IJI کا پریشر میں بنا دیا گیا فروری میں سلیمان رشدی نے "شیطانک ورسز" (Satanic Verses) کے نام سے اپنی بدنام زمانہ کتاب لکھی۔

اسی کتاب کی وجہ سے IJI نے ایک ریلی (جلوس، ہجوم) نکالی۔ اس کی قیادت مولانا کوثر نیازی، نوابزدہ نصر اللہ خان، فضل الرحمن اور عبدالستار خان نیازی نے کی اس جلوس نے اسلام آباد میں امریکن سنٹر کی عمارت پر ہلہ بول دیا۔ پولیس کے ساتھ تصادم کے نتیجہ میں چھ افراد ہلاک ہو گئے۔ اس سلسلہ نے PPP نے اس واقعہ کا مکمل ذمہ دار IJI کو قرار دیا گیا مگر IJI نے PPP کے خلاف پروپگنڈا مہم اور تیز کر دی۔ اس اثنا میں IJI نے PPP کو فیصل آباد میں مزدوروں کو پنجاب حکومت کے خلاف اکسانے کا مجرم قرار دے دیا۔

IJI نے رپورٹ دی کہ حکومت امریکہ سے مل کر IJI پر تشدد کرنا چاہتی ہے۔ پنجاب پولیس نے پرائم منسٹر سیکرٹریٹ میں چھاپہ مارا تا کہ آفیسر آن اسپیشل ڈیوٹی کو گرفتار کیا جائے جس نے رحیم یار خان میں ایک جلوس کو منظم کیا ہے افسر نے بعد ازاں نواز شریف کے خلاف نازیبا بیانات دیے اسی اثنا میں IJI نے چمک دکھا کر پنجاب کے دو MPA کو اپنے ساتھ ملا لیا جو پارٹی میں رہ کر فارورڈ بلاک بنانا چاہتے تھے۔ پنجاب میں ہارس ٹریڈنگ عروج پر رہی دوسری طرف مرکزی حکومت نے نواز شریف کا بحری جہاز جو ناتھن جو کہ سکریپ کا سامان لاتا تھا کو کئی دنوں کے لیے سمندر میں ٹھہرائے رکھا گیا۔ مارچ کے ابتدائی ایام کے دونوں پارٹیاں ایک دوسرے کے خلاف معرکہ آرا نظر آ رہی تھیں دوسرا مسئلہ بلوچستان اسمبلی کا توڑنا تھا۔ 15 دسمبر 1988ء کو گورنر موسیٰ نے وزیر اعلیٰ ظفر اللہ جمالی کے مشورے سے

صوبائی اسمبلی توڑ دی تھی۔ ظفر اللہ جمالی سپیکر کے ٹائی (Tie) ووٹ پر کی بنا پر وزیر اعلیٰ بنے تھے کیونکہ اسمبلی میں ان کے حق اور دوسرے امیدوار کے درمیان 21-21 ووٹ پڑے تھے JUI(F) اور BNA نے انہیں وزیر اعلیٰ ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ حالانکہ ان کا دعویٰ تھا کہ ہاؤس کے کل 45 ووٹوں میں سے 23 ان کے ساتھ ہیں بلوچستان اسمبلی ٹوٹنے پر اپوزیشن چوکنی ہو چکی تھی۔ اپوزیشن نے دعویٰ کیا تھا کہ وزیر اعلیٰ نے ابھی اعتماد کا ووٹ حاصل نہیں کیا۔ اس لیے وہ قانونی طور پر گورنر کو اسمبلی توڑنے کا مشورہ نہیں دے سکتے تھے۔ اپوزیشن نے الزام لگایا کہ پیپلز پارٹی ملک میں فسطائیت کو فروغ دے رہی ہے۔ مگر PPP نے اعلان کیا کہ بلوچستان کے مسئلہ پر اس کے ہاتھ صاف ہیں ایسا پروپیگنڈا محض PPP کو غیر متوازن کرنے کے لیے لیا گیا ہے PPP نے حزب اختلاف کو مشورہ دیا کہ وہ کورٹ میں جائے۔ بلوچستان مین نگران وزیر اعلیٰ سابقہ چیف جسٹس خدا بخش مری کو منتخب کیا گیا۔ پھر 15 دسمبر کو بلوچستان ہائکورٹ میں مقدمہ دائر کیا گیا۔ بلوچستان ہائی کورٹ نے اسمبلی توڑنے کا سارا عمل غیر قانونی اور غیر آئینی قرار دے دیا۔ آخر کار BNA, JUI, IJI نے اکٹھے مل کر ایک اتحادی (Coalition) حکومت بنالی اور نواب اکبر بگٹی کو کوئٹہ میں وزیر اعلیٰ بنا دیا۔ آخر کار اس واقعہ سے PPP نے خاصا سبق سیکھا۔

PPP کا ٹاپ ایجنڈا 1973ء کے آئین میں سے آٹھویں ترمیم کو ختم کرنے کے متعلق تھا۔ اسمبلی مین یہ ایجنڈا 1985 کی غیر جماعتی پارلیمنٹ نے پاس کیا تھا۔ یہ مارشل لاء آرڈر اینڈ ریگولیشن کے تحت تھا۔ اس کے ذریعہ سے 1984 کا ریفرنڈم آرڈر، 1985 کا PCO اور دوسرے قوانین وجود میں آئے تھے جو 5 جولائی 1977 یا اس کے بعد لاگو العمل تھے۔ اس ترمیم کے تحت وزیر اعظم کے برعکس صدر اختیارات کا مسیحا بنا ہوا تھا یعنی صدر وزیر اعظم کے مشورے کا پابند نہ تھا اور صدر کے الیکشن کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا تھا اگر صدر رائے رکھتا ہو تو وہ اسمبلی توڑ سکتا تھا اس سے ایسی صورتحال ابھر سکتی تھی کہ گورنمنٹ آف فیڈریشن آئین پر عمل نہ کرنے کی مجاز قرار پائی تھی اور انتخابات کے لیے اپیل ہی کی جا سکتی تھی۔ بدلتے ہوئے قانون تقاضوں کے تحت ایگزیکٹو اتھارٹی آف فیڈریشن صدر کے پاس تھی مارچ 1990 تک یہ صدر کا استحقاق (Privilage) تھا کہ ہاؤس میں وزیر اعظم منتخب کرنے کے لیے اکثریتی پارٹی کے ایک MNA کا انتخاب کرے اس ترمیم کے تحت آرمڈ فورسز کی سپریم کمانڈ کا مالک بھی صدر تھا۔ ان اختیارات نے صدر کو ایک طاقتور اور اہ بنا دیا تھا پارلیمنٹ مقتدر باڈی نہ رہی تھی کیونکہ صدر قلم کے ایک جھٹکے سے اسمبلی پاش پاش کر سکتا تھا۔

Pakistanstudy.com

بے نظیر بھٹو اس ترمیم کے متعلق فکر مند تھی کہ اس نے 1973ء کے آئین کا حلیہ ہی بگاڑ دیا ہے۔ کیونکہ صدر اسحاق کو تو ان ڈائریکٹ طریقے سے اسمبلیوں اور سینٹ کے ووٹ سے منتخب ہوا ہے اور اسمبلیاں والے براہ راست عوام کے ووٹ سے منتخب ہوئے ہیں لہٰذا براہ راست منتخب ہونے والوں پر صدر حکومت کرے جنہوں نے انہیں منتخب کیا ایسا تو جمہوری اقرار کے خلاف تھا۔ MRD نے آٹھویں ترمیم ختم کرنے کے سلسلے میں اپنے مطالبے سے ہاتھ کھینچ لیا تھا کیونکہ اگر ترمیم ختم ہو جاتی تو بینظیر طاقتور ہو جاتیں تھیں انہیں یہ ہرگز پسند نہ تھا۔ IJI نے بھی اپنا سابقہ رویہ برقرار رکھا کیونکہ یہ اتحاد تو PPP کی حکومت کسی نہ کسی طریقہ سے گرانا چاہتی تھی یہ ترمیم اسی صورت ختم ہو سکتی تھی جب اسمبلی کی 2/3 تعداد اس کی حمایت کرے اور اس سے قبل اسے سینٹ سے منظور کرایا جائے۔

سینٹ میں زیادہ تعداد IJI کی تھی یہ ارکان سابقہ غیر جماعتی اسمبلیوں سے منتخب شدہ تھے۔ صدر کی حیثیت مضبوط تھی ضیاء نے یہ سارا جال اسی لیے بُنا تھا کہ اگر PPP اقتدار میں آ بھی جائے تو اُس سے چھٹکارہ حاصل کیا جا سکے ملک کے آئینی اختیارات محض اداروں میں چوں چوں کا مربہ بن گئے تھے۔

ہمارے ملٹری رول (Military Rule) کو کا ارجنٹائنا کے "پیروازم" سے مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ دونوں گرو پس اختیارات کی کھینچا تانی میں مصروف رہتے ہیں ارجنٹائنا کے بدلتے ہوئے کلچر میں وزیر اعظم کو ایسی ہی صورتحال درپیش ہوتی ہے جو پاکستان میں ہے۔ اگر بے نظیر کا تقابل بھارت کے راجیو گاندھی سے کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ راجیو پر اُس کی ماں اندرہ گاندھی کی گہری چھاپ تھی اور یہ پارٹی نہرو خاندان کے اندر حکومت کو بند کرنا چاہتی تھی' بے نظیر بھی اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چل کر اختیاراتِ حکومتی اپنے خاندان کے اندر رکھنے پر مصر تھی جیسا کہ اُن کا اپنا بیان تھا "بھٹو اقتدار کے لیے پیدا ہوتے ہیں۔"

مگر پھر بھی انہوں نے آئینی جدوجہد کا راستہ ترک نہ کیا۔

لہٰذا پاکستان میں سیاسی کلچر ہی ایسا بن چکا تھا کہ اگر کوئی پارٹی کسی وجہ سے برسر اقتدار نہیں آتی تو وہ فوج کو پکارنا شروع کر دیتی ہے اور سیاستدان برملا بیان دیتے ہیں کہ اب فوج کو چاہیے اپنا کردار ادا کرے۔ جب فوج اپنا کردار ادا کرتی ہے تو تمام جمہوریت کی بحالی کا واویلا کرنے لگ جاتے ہیں کہ اب اُنہیں فوج سے اقتدار کیسے اپنے لیے واپس لینا ہے۔

اس کے علاوہ حکومت کو کالا باغ ڈیم، داخلہ پالیسی، خارجہ پالیسی، سیاچین، گلیشئر، ڈرگ

مافیا جیسے مسائل لاحق تھے اس دور میں کراچی کا علاقہ سہراب گوٹھ سمگلنگ کا گڑھ بن چکا تھا حکومت کو مجبوراً آپریشن کرنا پڑا۔ لہٰذا اور نگی ہے میں کشت وخون کا بازار گرم ہوا۔ حکومت سے آٹھویں ترمیم بھی ختم نہ ہو سکی کیونکہ IJI نے اس ترمیم کو ختم کرنے کے لیے وزیر اعظم کی کم از کم عمر 45 سال کی شرط رکھ دی اگر بے نظیر یہ شرط مان لیں تو اُنہیں وزارت عظمیٰ کے منصب سے ہاتھ دھونا پڑتا تھا 17 جنوری 1989ء سندھ ہائی کورٹ میں آٹھویں ترمیم کو چیلنج کیا گیا مگر معاملہ بغیر کسی معاملے کے یونہی گول مول کر دیا گیا۔

25 مئی 1989ء کو لاہور میں پروفیسر طاہر القادری نے اپنی سیاسی جماعت کے قیام کا اعلان کیا اس کا نام "پاکستان عوامی تحریک" رکھا گیا۔ انہوں نے نظام کے منشور کو اسلام اور جمہور کے ساتھ منسلک کیا اپنا 30 نکاتی پلان واضح کیا۔ اپریل 1989ء میں حکومت نے پیپلز ورکس پروگرام کے پہلے مرحلے کا آغاز کیا۔ اس ضمن میں محترمہ نے کہا "ہم پاکستان عوام کی فلاح کا تہیہ کیے ہوئے ہیں لہٰذا جلد از جلد عوام کے مسائل کا حل اُن کی دہلیز پر کیا جائے گا، اس پروگرام کے پہلے مرحلے کا آغاز پشاور سے شروع کیا گیا۔ اس پروگرام کے تحت اسمبلی کے ممبران کو اُن کے علاقوں کی بہتری کے مدنظر رقوم فراہم کی گئیں تا کہ علاقے میں انفرا سٹرکچرل تبدیلیاں لائی جا سکیں مگر ممبران نے کرپشن کا بازار گرم رکھا۔

1989ء کی تحریک اعتماد

اکتوبر 1989 میں بے نظیر کے خلاف تحریک عدم اعتماد پیش کی گئی بے نظیر صاحبہ نے حکومت بچانے کے لیے اراکین کو پشاور بھیج دیا پہلے 45 MNA's کو پشاور بھیجا گیا اس ضمن میں بھاری ہارس ٹریڈنگ کی گئی۔ مگر یہ خطرہ ٹل گیا اور تحریک 09 ووٹوں سے ناکام ہوئی مگر بے نظیر فوج کی طاقت سے خائف رہتی تھیں یہ بات بھی منظر عام پر آئی کہ بے نظیر دور کے وزیر داخلہ اعتزاز احسن نے بھارتی حکومت کو اُن سکھوں کی فہرست فراہم کی جو بھارت میں تحریک خالصتان چلا رہے تھے۔

فوج اور بے نظیر کے درمیان کشمکش:

بے نظیر اسلم بیگ کو آرمی چیف کے عہدے سے ہٹا کر کور کمانڈ عالم جان محمود کو آرمی چیف بنانا چاہتی تھی اس منصوبہ پر جب غور وفکر جاری تھا تو بے نظیر کے قریبی ساتھیوں جنرل (ر) نصر اللہ بابر، کرنل (ر) غلام سرور چیمہ نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ پہلے ایڈمرل افتخار سروھی کو ریٹائرڈ کر دیں مگر بے نظیر اس

Pakistanstudy.com

میں کامیاب نہ ہوسکی۔ یہ بھی کہا جاتا تھا کہ بےنظیر نے اقتدار میں آتے ہی فوج کے معاملات میں دخل اندازی شروع کردی تھی، کیونکہ وہ فوج کو بھٹو کا قاتل متصور کرتی تھیں۔فوج اور بےنظیر کے تعلقات میں اُس وقت گہری کشیدگی دیکھنے میں آئی جب آغاز ہی میں انہوں نے ملٹری سیکرٹری بریگیڈیئر لطیف کو ترقی دلوانا چاہی اس ترقی کو آرمی سلیکشن بورڈ نے دو مرتبہ مسترد کردیا۔ بےنظیر سیاسی طور پر خود جلاوطن ہونے والے افسران کی مراعات بحال کرنا چاہتی تھیں مگر فوج ان افسران کو باغی قرار دے رہی تھی۔ بعدازاں بےنظیر صاحبہ نے صدر اور آرمی کی رضامندی کے بغیر آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر جنرل حمید گل کو اُس کے عہدے سے ہٹا دیا۔ جنرل حمید گل اس وقت فوج کے ہیرو متصور ہوتے تھے۔ بعد میں آرمی چیف اسلم بیگ نے بےنظیر کے اس فیصلے سے کھلم کھلا اختلاف کا اظہار کیا تھا اور اس فیصلے کو بےنظیر کی ذاتی مرضی قرار دیا۔Herald نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا کہ جنرل حمید گل کو ہٹانے کے پیچھے بےنظیر خطرناک عزائم تھے بےنظیر بھٹو کی مداخلت کے خلاف فوج نے ''ضرب مومن'' مشقوں کا آغاز کردیا۔

محترمہ کے شوہر آصف علی زرداری نے کھلم کھلا اس حد تک کرپشن و بےضابطگی کی کہ اُس کا اثر ایک عام آدمی تک بھی پڑنے لگا۔ لہٰذا بتدریج عوام حکومت سے بددل اور فوج سے خوش دل ہونے لگے۔ بےنظیر نے شوہر کی کرپشن روکنے کی بجائے اُن کے خلاف الزامات کو ڈس انفارمیشن قرار دیا اور الزام لگایا کہ فوج یہ سب چند مخصوص عزائم کے لیے کررہی ہے۔

فوج اور بےنظیر کے درمیان اختلافات کا پیش خیمہ کی وجہ مسئلہ کشمیر، بھارت افغانستان، سندھ خصوصاً کراچی تھے۔ پی پی پی اور فوج کے درمیان پہلا بڑا اختلاف اُس وقت سامنے آیا جب ''پکا قلعہ'' کے واقعات کے دوران صدر نے اس علاقے کے آپریشن کی منظوری دے دی پولیس اور فوج نے مشترکہ طور پر گرفتار کیے جانے والوں کی فہرستیں تیار کرلیں اچانک سندھ کی سول انتظامیہ نے فوج کو بتائے بغیر آپریشن شروع کردیا۔ آپریشن اُس وقت شروع کیا گیا جب آرمی سٹاف اسلم بیگ ڈھاکہ کے دورے پر گئے ہوئے تھے اور کور کمانڈر آصف نواز سرحد کے اگلے مورچوں کا دورہ کررہے تھے اس موقعہ پر فوج کا موقف تھا کہ حکومت نے انہیں دھوکہ دیا ہے تاکہ مہاجروں کو سیاسی انتقام کا نشانہ بنایا جائے۔ فوج اس معاملہ میں غیر جانبدارانہ آپریشن کے حق میں تھی تاکہ وہ آئین کی دفعہ 245 کے تحت اختیارات استعمال کرسکے اس آپریشن کی وجہ سے ایم کیو ایم نے عوام کے سامنے اپنی مظلومیت ثابت کرکے

ہمدردیاں حاصل کیں۔

بےنظیر پاکستان، بنگلہ دیش، ایران، ترکی اور افغانستان کے ساتھ مل کر کنفڈریشن بھی بنانا چاہتی تھیں جس کے ذریعے خطے میں ہندوستان کے خطے میں بھارتی بالادستی ختم کی جاسکے مگر فوج اس کنفڈریشن کے قیام کو کسی اور نگاہ سے دیکھ رہی تھی یہ بھی کہا جاتا تھا کہ بےنظیر نے راجیو گاندھی کے ساتھ کچھ گٹھ جوڑ بڑھانے کی کوششیں کررہی ہیں۔

بےنظیر حکومت کی برطرفی:

6 اگست 1990ء کی شام کو ملک کے صدر غلام اسحاق خان نے مرکزی اسمبلی توڑ دی۔ اس کے ساتھ ہی صوبائی اسمبلیاں توڑ دی گئیں اسمبلیاں توڑتے وقت الزامات لگائے گئے وہ یہ تھے۔ ہارس ٹریڈنگ کا عام ہوجانا، کرپشن، اقربا پروری، انتظامی نااہلی، آئینی بےضابطگیاں۔ رشوت، اعلیٰ عدالتوں اور سینٹ کی تضحیک اور اسلامائزیشن سے غفلت وغیرہ وغیرہ فوج کے اس معاملہ میں خاموشی اختیار کرکے خاموش رضامندی کا ثبوت دیا۔ ملک میں ہنگامی حالت نافذ کردی گئی متحدہ اتحرب اختلاف کے راہنما غلام مصطفیٰ جتوئی کو ملک کا نگران وزیراعظم مقرر کردیا گیا 24 اکتوبر 1990ء کو عام انتخابات منعقد کرانے کا اعلان ہوا۔

انتخابات 1990:

سابقہ وزیراعظم محمد خان جونیجو نے صدر کے اقدام کو پاکستان کی تاریخ میں روشن باب قرار دیا۔ انہوں نے سابقہ دور حکومت کو لاقانونیت، قتل وغارت اور کرپشن کا پیش خیمہ قرار دیا۔ مگر PPP کے سابق اٹارنی جنرل یحییٰ بختیار نے قومی اسمبلی کی تحلیل کو باطل اور بلاجواز قرار دیا۔

پنجاب میں پیپلز پارٹی کے گورنر نذکا خاں کی جگہ لاہور کے میئر میاں اظہر گورنر پنجاب منتخب کیا گیا سندھ میں فخر الدین جی ابراہیم کی جگہ محمود ہارون گورنر ہے سرحد میں امیر افضل کو اور سندھ میں جام صادق کو جبکہ ہمایوں کو بلوچستان کا نگران وزیراعلیٰ بنایا گیا۔

اسمبلیاں توڑنے کی بابت سابقہ وزیراعلیٰ سرحد نے صدر کے اس اقدام کو پشاور ہائی کورٹ میں چیلنج کردیا پشاور ہائی کورٹ نے وزیراعلیٰ کے حق میں فیصلہ دے دیا بعدازاں وفاقی حکومت نے اس فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ سے حکم امتناعی حاصل کرلیا بعدازاں لاہور اور سندھ ہائی کورٹس میں بھی اس معاملے کو چیلنج کیا گیا مگر ان کورٹس نے صدر کے اقدام کو درست قرار دیا۔

FREE AMW.COM

صدر کے اعلان کے تحت 24 اکتوبر 1990ء کو قومی اسمبلی اور 27 اکتوبر 1990ء کو صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات منعقد ہوئے آئی جے آئی (نواز شریف) نے PDA (بے نظیر گروپ) کو واضح شکست سے دوچار کر دیا۔ آئی جے آئی کو 206 عام نشستوں میں سے 105 نشستیں ملیں اس کے نتائج اس طرح سامنے آئے۔ (i) IJI، 105 نشستیں (ii) PDA 45 نشستیں (iii) MQM 15 نشستیں (iv) JUI فضل گروپ 06 (v) ANP 06 (iv) جمعیت علما پاکستان نورانی گروپ 3 (vii) جمہوری وطن پارٹی 02 (viii) آزاد اُمیدواران 24 نواز شریف نے اپنی کامیابی کو عوام کی کامیابی قرار دیا اور دوسری طرف بے نظیر ان انتخابات کو واضح دھاندلی اور بیلٹ بکس تبدیلی کا نام دے رہی تھیں۔ PDA کے راہنما ائر مارشل اصغر خاں نے بھی الیکشن کمیشن کو درخواست دی کہ لاہور حلقہ 95ء کے انتخابات کو کالعدم قرار دیا جائے۔ بعدازاں الیکشن کمیشن کے دفتر میں انتخابی بے ضابطگیوں کی درخواستیں آئیں جنہیں نمٹا دیا گیا الیکشن کمیشن نے لگائے گئے سنگین الزامات کو بے بنیاد قرار دیا اور کہا کہ پولنگ کے روز غیر ملکی میڈیا اور جرنلسٹ نے انتخابات کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اس انتخاب کو فیئر الیکشن قرار دیا تھا لہٰذا یہ انتخابات منصفانہ اور غیر جانبدارانہ تھے۔

27 اکتوبر میں ہونے والے صوبائی انتخابات میں PDA اور IJI سمیت بعض سیاسی جماعتوں کو کامیابی نصیب ہوئی۔ PDA ان انتخابات میں دھاندلی کا الزام لگاتا رہا مگر اس سلسلے میں اُسے کوئی واضح ثبوت ہاتھ نہ لگا کیونکہ ملک میں ایک جمہوری عمل نے انگڑائی لے لی تھی اور عوامی شعور بھی اُجاگر ہو چکا تھا۔ ناموں پر سیاست ختم اور عملوں کے اوپر سیاست کی بنیاد رکھنے کا عمل جاری ہو چکا تھا۔

میاں محمد نواز شریف

بطور وزیر اعظم

حالات زندگی:

آپ 25 دسمبر 1948ء کو لاہور میں پیدا ہوئے والد کا نام میاں محمد شریف تھا ابتدائی تعلیم کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا اور یہاں سے انہوں نے بی اے کیا، بعد میں انہوں نے، پنجاب یونیورسٹی سے L.L.B کی ڈگری حاصل کی اُن کا تعلق ایک کاروباری گھرانے سے تھا۔ لہٰذا تعلیم

کے بعد آپ اپنے صنعتی کاروبار میں اپنے والد کا ہاتھ بٹانے لگے۔ آپ اتفاق گروپ کی متعدد کمپنیوں کے ڈائریکٹر رہے۔

انہوں نے ''اتفاق اسلامک اکادمی'' کے نام سے ایک ادارہ بنایا اس ادارے کا سربراہ ڈاکٹر طاہر القادری کو بنایا گیا ماڈل ٹاؤن میں اپنی رہائش گاہ کے ساتھ ''اتفاق ہسپتال ٹرسٹ'' بنایا جو نیجو حکومت کے خاتمہ کے بعد انہیں پنجاب کا وزیر اعلیٰ مقرر کیا گیا۔ 1988ء کے انتخابات کے بعد پھر وہ پاکستان کے وزیر اعظم بنے 18 اپریل 1993ء کو صدر اسحاق نے اپنے صوابدیدی اختیار استعمال کرتے ہوئے اُن کی حکومت ختم کر دی۔ 1993 کے انتخابات میں وہ اپوزیشن لیڈر بنے پھر 3 فروری 1997ء کے عام انتخابات میں آپ دو تہائی اکثریت سے وزیر اعظم بنے۔ 12 اکتوبر 1999ء کو جنرل پرویز مشرف (گروپ) نے اُن کی حکومت ختم کی اُنہیں طیارہ کیس اور دوسرے ریفرنسوں میں سزا سنائی گئی۔ بعدازاں اٹک ضلع میں قید رکھا گیا۔ پھر ڈیڑھ دو سال بعد انہوں نے حکومت کے ساتھ معاہدے کے طور پر جلا وطنی کا معاہدہ کیا۔ 2007ء میں دوبارہ وطن واپس آ گئے 2008ء کے انتخابات میں انہوں نے پیپلز پارٹی سے اتحاد کر لیا لہٰذا اتحادی ہونے کی وجہ سے حکومت میں شامل ہوئے۔ مگر جب زرداری اپنے کیے ہوئے سیاسی عہدوں پر پورا نہ اترے تو وہ وفاقی حکومت سے علیحدہ ہو گئے۔

پہلی تقریر:

7 نومبر 1990ء کو انہوں نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے اپنے ایجنڈے کا اعلان کیا جو کہ اس طرح تھا۔

1۔ ملک میں صنعتی ترقی کے عمل کو تیز کیا جائے گا۔ اس ضمن میں ٹیکس معاف بھی کیے جائیں گے۔
2۔ کشمیری عوام کی سیاسی اور اخلاقی امداد میں کمی نہیں آنے دی جائے گی۔
3۔ ایسی صنعتیں جو سرکاری خزانے پر بوجھ ہیں اُنہیں بیچ دیا جائے گا۔
4۔ نوجوانوں کو بہتر روزگار دلانے کے لیے اُن کو مختلف ہنر سکھائے جائیں گے۔
5۔ صنعت کے میدان میں اولین ترجیح زرعی صنعت کو دی جائے گی۔ زرعی صنعتوں کے قیام کے لیے حکومت صنعتکاروں کی ہر ممکن مدد کرے گی۔
6۔ بھارت، چین، امریکہ، روس کے ساتھ تعلقات بہتر بنائے جائیں گے۔
7۔ عوام کو انصاف جلد فراہم کیا جائے گا۔
8۔ عوام کو نصیحت کی کہ شادی پر ون ڈش کو رواج دیں۔

PakistaniyatTV.com

بے نظیر اور نواز گورنمنٹ کا تقابل

1988ء میں بے نظیر کی حکومت قائم تھی۔ لوگوں کی ہمدردیاں اُن کے والد کے واقعہ کی وجہ سے تھیں کیونکہ اُن کو ضیاء دور میں پھانسی دی گئی تھی بعد ازاں ضیاء بھی طیارے کے حادثے میں چل بسے۔ اپنے باپ کی وجہ سے انہیں قدرتی طور پر لوگوں کی ہمدردیاں حاصل ہوگئیں تھیں 1988ء میں PPP نے 207 نشستوں میں سے 92 نشستیں حاصل کی تھیں اُن کو اس انتخابات میں واضح برتری صدر اسحاق اور ملٹری کی بدولت حاصل نہ ہوئی۔ اُن کے اقتدار کو 15 دن Delay کیا گیا۔ MQM کے ساتھ اتحاد بنانے سے اُسے اسمبلی میں اُسے اکثریت حاصل ہوئی امریکہ کے سفیر نے قرار دیا کہ حصول اقتدار کے لیے بے نظیر نے ملٹری سے سمجھوتہ کیا ہوا ہے۔ اسی لیے 15 دن لیٹ حکومت ملی اور ملٹری کے کہنے پر صدر اسحاق نے انہیں حکومت بنانے کی دعوت دی۔ بے نظیر بھٹو کی حکومت ہمیشہ ملٹری کی حریف رہی جب اُسے موقع ملا اُس نے ملٹری کے ساتھ پنگا لینا چاہا جس کی تفصیل پچھلے صفحوں میں پیش کر دی گئی ہے اسی لیے اُن کی حکومت ختم کی گئی۔ مگر نواز شریف کی حکومت کے حالات مختلف تھے اُس نے نیشنل اسمبلی سے 105 نشستیں جیتی تھیں صوبائی اسمبلیوں میں PPP کی ٹھوس صورتحال تھی لہٰذا صوبوں اور مرکز میں محاذ آرائی بڑھنے کے خدشات موجود تھے۔ مارچ 1991ء میں صوبوں کے درمیان پانی کے مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کی گئی یہ مسئلہ خاصا پرانا تھا۔ اس پر معاہدہ طے پا گیا تھا۔ شریف گورنمنٹ پر کرپشن کے الزامات کم ہی لگے۔ اُن کے دور حکومت میں کرپشن گھٹ گئی۔ لوگوں نے بھی اس کا اعتراف کیا۔ اس دور میں نج کاری اور سرمایہ کاری کا عمل دیکھنے میں آیا۔ نواز شریف نے تجارتی پالیسی میں چھوٹے اور بڑے کاروباری لوگوں کے لیے خاطر خواہ آسانیاں لائی چاہئیں۔ لہٰذا بے نظیر نے اپنے بیان میں کہا کہ نواز تجارتی پالیسی کے چکر میں اپنا کاروبار بڑھا رہے ہیں بے نظیر کا دور اس لیے بھی شریف حکومت کے مقابل ناکام تھا کہ 90-1998 کے عرصہ میں کسی معاملے پر واضح قانون سازی نہ ہوئی تھی۔

شریف حکومت نے ملٹری کے ساتھ کبھی جارحانہ رویہ نہ اپنایا کیونکہ اُن کو مقبولیت ہی ضیاء دور میں نصیب ہوئی تھی ضیاء کی وفات کے بعد ملٹری نے اندرون اور بیرون کھاتہ شریف حکومت سپورٹ جاری رکھی تا کہ بے نظیر بھٹو زیادہ مقبولیت حاصل نہ کر سکے اور 1988ء میں ISI کے ڈائریکٹر جنرل حمید گل نے IJI کو الیکشن مہم کے دوران نواز شریف کی مدد کی تھی۔ مگر نواز شریف کے آرمڈ فورسز کے ساتھ

تعلقات ہمیشہ ہموار نہ رہے مثلاً جنرل اسلم بیگ نے نواز شریف کی گلف وار" پالیسی کو ناموزوں قرار دیا تھا۔ آصف نواز جنجوعہ جو اسلم بیگ کے بعد آرمی چیف بنے انہوں نے بھی شریف برادران کی خواہش پر عمل نہ کیا۔ آرمی نے سندھ میں الیکشنز کرایا اور وہ سندھ میں PPP کی الیکشن میں سپورٹ کر رہی تھی۔ اس سے نواز کے فوج کے ساتھ تعلقات قدرے خراب ہی رہے۔

نواز حکومت کی کارگزاریاں اہم واقعات

1. نواز شریف ریفرنسوں کی آڑ میں بے نظیر کو نیچا دکھانا چاہتے تھے۔
2. انہوں نے صدر اور MQM کو خوش کر کے سندھ میں جام صادق کی حکومت قائم کی نئے سال کے جشن میں جام صادق نے نشے میں دُھت ہو کر اخباری رپورٹرز کو انٹرویو میں کہا "میں منافق نہیں ہوں ..... میں شراب پیتا ہوں"

لہٰذا اس بیان سے اسلامی جمہوری اتحاد کے غبارے سے ہوا نکل گئی کیونکہ نواز شریف تو نفاذ اسلام کے چرچے کرتے پھرتے تھے تو چاہیے تھا کہ اُسے عہدے سے ہٹا کر کوڑے لگاتے مگر انہوں نے لفظوں کے گورکھ دھندوں کو استعمال کرتے ہوئے اس بات کو اس طرح ٹال دیا کہ وہ دوائی پیتے ہیں جس میں نشہ ہوتا ہے۔ مگر اس سے حکومت کی ساکھ خاصی متاثر ہوئی۔

3. جتوئی کو وزارت اعظمیٰ نہ ملی جس پر انہوں نے نواز حکومت کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیا۔
4. کوثر نیازی اور جماعت اسلامی نے نواز شریف سے شریعت نافذ کرنے کا وعدہ پورا کرانے کے لیے زور ڈالنا شروع کر دیا کیونکہ نواز شریف نے دینی جماعتوں سے نفاذ شریعت کے وعدے پر حمایت حاصل کی تھی اب وہ بُری طرح پھنس گئے تھے کیونکہ دینی جماعتیں کہہ رہی تھیں کہ اگر یہ شریعت نافذ نہیں کرتا تو ہمارا اس سے کوئی تعلق نہ ہے۔
5. گوہر ایوب ایوان کے اندر سے تبدیلی لا کر وزیر اعظم بننے کے خواب دیکھ رہے تھے۔
6. نواز شریف جو امریکی امداد حاصل کرنے کے لیے بہت بے تاب تھے خلیج کی جنگ میں امریکہ بہادر کو خوش کرنے کے لیے فوج سے اُلجھ پڑے۔ جنرل اسلم بیگ نے کور کمانڈرز کا اجلاس طلب کیا اور نواز کی خلیج پالیسی پر زبردست تنقید کی۔ انہوں نے عراق کے پریس قونصلیٹ کو اسلام آباد چھوڑنے کا حکم دیا تا کہ پاکستان میں جلسے جلوس کم ہوں اور امریکہ خوش ہو جائے۔

Pakistanstudy.pk

7. 4فروری1991ء کوشریعت نافذ نہ ہونے پر احتجاج کرتے ہوئے مولانا عبدالستار خاں نیازی نے استعفیٰ دے دیا۔ یہ استعفیٰ بارش کا پہلا قطرہ بن گیا اور نواز شریف کا سکون غارت ہوگیا۔

8. رن وے پراجیکٹ کی وجہ سے نواز شریف کا صدر کے ساتھ اختلاف بڑھتا گیا اس کا مرکزی کردار جلال حیدر زیدی تھا جو کابینہ میں شامل تھا اور صدر کا بااعتماد ساتھی تھا۔ نواز شریف اس کے خلاف کارروائی نہ کرتے تھے اس دوران صدر اسحاق برہم ہوگئے۔

9. وزیر خارجہ یعقوب خاں نے احتجاجاً استعفیٰ دے دیا۔

10. اصغر خاں نے موقع کی مناسبت سے بے نظیر کو مشورہ دیا کہ وقت آگیا ہے کہ PDA کے اراکین مستعفی ہوجائیں مگر ایسا نہ ہوسکا۔

11. 16مارچ1991ء کو سینٹ کے انتخابات میں IJI نے برتری حاصل کرلی تھی اور وسیم سجاد کو سینٹ کا چیئرمین بنادیا گیا لہٰذا بے نظیر اور زرداری کو مقدمات میں رہائی دلانے کی شرط یہ رکھی کہ وہ سیاست کو چھوڑ دیں۔

12. پنجاب میں چودھری برادران کے اثر کو کم کرنے کے لیے غلام حیدر وائیں جیسے ربڑسٹیمپ فرد کو وزیراعلیٰ بنادیا حالانکہ وہ میرٹ کی بات کرتے تھے مگر اصل حکومت شہباز شریف کی تھی۔

13. 12جون1991ء کو فوج کے نئے سربراہ کے طور پر آصف جنجوعہ کو منتخب کیا گیا۔ نواز شریف کا خیال تھا کہ جنرل اسلم بیگ 17اگست کو ریٹائرڈ ہوں گے لہٰذا وہ اپنا من پسند ہندہ آرمی چیف بنائیں گے مگر ایسا نہ ہوسکا۔ نیا آرمی چیف سٹاف نہایت سیدھا سادہ محبِ وطن پاکستانی تھا اور شریف برادران کی چمک سے بالکل مرغوب نہ ہوا۔

14. بے نظیر نے اپنا مخصوص احتجاجی پروگرام شروع کردیا اور نعرہ لگایا ''دو گنجے ایک پٹھان لُٹ کے گئے پاکستان'' مگر وہ خود اپنی انگلز میں پاکستان لوٹ چکی تھیں۔

15. جام صادق نے سندھ کے حالات بہت خراب کردیئے تھے شہر میں ہر طرف لاقانونیت اور غنڈہ گردی کا بازار گرم تھا اسی دور میں خصوصی عدالت کا جج بنی شہر جونیجو قتل کردیا گیا کہا جاتا تھا کہ صدر محترم کے داماد عرفان اللہ مروت بھی جام صادق کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ کراچی کے خراب حالات دیکھ کر آصف نواز (چیف آف آرمی سٹاف) نے فوجی آپریشن کا مشورہ دیا کیونکہ کراچی جسے عروس البلاد کہا جاتا ہے وہاں پر اشوں کی سیاست کا رواج پڑ چکا تھا۔ نواز

شریف جانتے بوجھتے اس آپریشن کو نہ کرنے کے حامی تھے کیونکہ وہ سندھ میں اپنا اقتدار دیکھنا چاہتے تھے اور ان کا اقتدار MQM کے اتحاد سے ہی مشروط تھا۔ بہرحال نواز شریف نے کچھ فوج کے بڑھتے ہوئے دباؤ اور کچھ ایم کیو ایم کے بڑھتے ہوئے مطالبات کے پیش نظر فوج کو آپریشن کرنے کی اجازت دے دی اور خود جاپان کے دورے کے لیے روانہ ہوگئے نواز شریف نے جب آپریشن کا اعلان کیا تو کہا کہ یہ آپریشن ڈاکوؤں اور دہشت گردوں کے لیے ہے جواباً ایم کیو ایم کے عظیم احمد طارق، سلیم شہزاد وغیرہ نے لفظ ''دہشت گرد'' حذف کرنے کا مطالبہ پیش کیا۔ اسی آپریشن کے دوران الطاف حسین شدید زخمی حالت میں لندن چلے گئے۔ کیونکہ اُنہیں اپنی جان کا خطرہ لاحق ہوگیا تھا۔

16. بے نظیر اور نواز شریف سندھ میں اپنی حکومتیں بنانے کے چکر میں MQM سے اتحاد بنالینے کے سلسلہ میں مخصوص انداز اپنا لیتے تھے۔ جب بے نظیر برسراقتدار ہوئی تو نواز شریف MQM کو ملک دشمن، قاتل، دہشت گرد کہتا اور اگر نواز کی حکومت ہوتی تو بے نظیر یہ طعنے دینا شروع کردیتی جب فوج اُن کے خلاف حکومت کے مشورے سے آپریشن کرتی تو یہی MQM کی گود میں بیٹھ واویلا کرنے لگتے ہم تو آپ کے ساتھ ہیں مگر فوج تمہیں چھوڑنا نہیں چاہتی۔

17. بی بی اور بابو اپنی لڑائی میں لگے ہوئے تھے دوسری طرف بقیہ سیاسی جماعتیں دونوں کا پتہ صاف کرنے کے لیے باہمی صلاح ومشورے کرنے میں مصروف تھیں۔

18. جنرل آصف نواز کی ناگہانی موت نے ملک میں ہلچل سی مچادی مرحوم کی بیوہ نے الزام لگایا کہ چودھری نثار اور بریگیڈیئر (ر) امتیاز نے اُنہیں زہر دے کر ہلاک کیا ہے۔ اس بات میں عوام کو ایک ابتلاء میں مبتلا کردیا بعد ازاں تحقیقاتی کمیشن نے رپورٹ سے ظاہر ہوا کہ اُن کی موت طبعی تھی صدر نے عبدالوحید کاکڑ کو نیا چیف آف آرمی سٹاف مقرر کردیا یاد رہے عبدالوحید کاکڑ نواز حکومت کے دوران تیسرے آرمی چیف تھے جنہیں صدر نے مقرر کیا تھا۔

19. اسی دوران جام صادق بھی چل بسے اور مظفر علی شاہ نئے وزیراعلیٰ بن گئے نیز محمد خاں جونیجو بھی وفات پاچکے تھے۔ حامد ناصر چٹھہ مسلم لیگ کا صدر بننا چاہتے تھے مگر ابھی جونیجو کا چالیسواں بھی نہ ہوا تھا کہ نواز شریف مسلم لیگ کے صدر بن گئے چٹھہ نے اپنا گروپ الگ

Pakistanstudy.pk

بنا لیا لہٰذا فوراً بے نظیر نے اُس کے ساتھ اتحاد کر لیا۔

20. بے نظیر نے قومی اسمبلی کی امور خارجہ کی سٹینڈنگ کمیٹی کی چیئرمینی قبول کر لی اور نواز شریف کو یہ تاثر دیا کہ وہ نواز شریف کے ساتھ مل کر آٹھویں ترمیم توڑنے کی کوشش کریں گی۔ لہٰذا بعض اُمور کے سلسلہ میں بے نظیر اور شہباز شریف کی ملاقات ہوئی۔ صدر اسحاق کو یہ ہرگز قابل قبول نہ تھا اُنہوں نے دونوں بھائیوں کو سمجھایا مگر اس کا اُن پر کوئی اثر نہ ہوا۔

21. بے نظیر نے لانگ مارچ کرنے کا اعلان کر دیا۔ این ڈی اے سمیت کئی جماعتوں نے اس کی حمایت کر دی، زمانے کی ہوا دیکھ کر کئی وزراء نے استعفیٰ دے دیئے نواز شریف نے ٹی وی میں ایک دھواں دار تقریر کر کے ایوان صدر کو سازشوں کا گڑھ قرار دے دیا 18 اپریل 1993ء کو "گو بابا گو" کہنے والی بے نظیر صدر اسحاق کے ساتھ ملاقات کرنے میں بے تاب لگ رہی تھیں بے نظیر نے صدر کے سامنے 188 ارکان اسمبلی کے استعفیٰ پیش کر دیئے صدر کے پاس 112 استعفیٰ پہلے ہی آ چکے تھے۔

22. 18 اپریل 1993ء کو صدر نے دوبارہ اسمبلی توڑنے کا اعزاز حاصل کر لیا۔

پاکستانی سیاست میں صدور کا کردار

نواز شریف کی حکومت، اور بے نظیر کی حکومت یکے بعد دیگر صدر نے ختم کیں۔ 1985 میں صدر ضیا الحق نے اسمبلیاں بحال کرنے کا فیصلہ کیا تا کہ پاکستان میں جمہوریت پھل پھول سکے اور امریکہ کا پریشر بھی کم ہو جائے اس نتیجہ میں وجود میں آنے والی حکومت 1983ء میں بننے والی MRD کے عتاب و غصے کا شکار رہی۔ صدر اور ملٹری دونوں طاقتیں یکجا رہیں۔

صدر نے اپنے اختیارات میں اضافے کے لیے اسمبلی سے فائدہ اٹھایا۔ آٹھویں ترمیم کے ذریعے جیسا کہ سابقہ ابواب میں بیان کیا گیا ہے صدر نے خاصے اختیارات اپنی گود میں سمیٹ لیے تھے صدر ہی سپریم کورٹ کے ججز اور آرمی چیف تعینات کر سکتا تھا اور انہیں تنخواہیں دینے کا اختیار بھی اُس کے پاس تھا۔ اگر وزیر اعظم نے کسی حکومتی معاملے کے لیے صدر سے ملاقات کرنا ہوتی تو اُسے کابینہ کے اراکین کو اعتماد میں لینا پڑتا تھا۔ صدر جب چاہتا قومی اور صوبائی اسمبلیاں توڑ سکتا تھا صدر کی خواہش کے تحت وزیر اعظم حلف اٹھاتا تھا۔ اس لیے پارلیمانی نظام میں بھی اختیارات کا منبع صدر ٹھہر 88-1985

تک آٹھویں ترمیم نے وزیر اعظم کا پارلیمانی کردار ختم کرنے کی کوشش کی اسی لیے جونیجو حکومت ضیاء کے عتاب کا شکار رہی اور آخر کار ٹوڑ دی گئی ضیاء کی وفات کے بعد غلام اسحاق خاں صدر بنے مگر اُن کے پاس آرمی کا عہدہ نہ تھا اسلم بیگ (چیف آف آرمی سٹاف) بن گئے 1988ء کے انتخابات میں بے نظیر سے پوچھا گیا تھا کہ کیا پاکستان میں حکومت کے تین ستون صدر آرمی چیف سٹاف اور وزیر اعظم تو نہیں بن گئے؟ اصل میں وزیر اعظم سے بھی طاقتور آرمی چیف اور صدر تھا۔ کیونکہ ملٹری ہمیشہ سے پاکستان کی سیاست وحکومت پر اثر انداز ہوتی رہی اور بے تاج بادشاہ کا کردار ادا کرتی رہی دوسری طرف صدر کا تعلق یا تو ملٹری کے ساتھ ہوتا یا وہ سول ہوتا وہ اپنے اختیارات کو بڑھاتا گیا اس کے لیے اُسے آئین میں ترامیم کرنا پڑتی تھیں۔

ضیاء الحق کے بعد منظر بدل گیا۔ مگر اختیارات کا منبع صدر ہی رہا۔ نوکر شاہی حکومتی مہرے تبدیل کرتی رہی۔ بیوروکریٹ، فنانس منسٹرز اور چیئرمین سینٹ کے بعد جس کی مضبوط صورتحال تھی وہ صدر تھا۔ ملک کے حساس معاملات اور پروگرامز کا جتنا علم صدر رکھتا تھا اُتنا وزیر اعظم بھی نہ رکھتا تھا۔ صدر وزیر اعظم کو پارلیمنٹ معاملات معلوم کرنے کے سلسلہ میں بعض شرائط کے تحت مجبور بھی کرتا رہتا تھا۔ پیپلز پارٹی کا صدر کے ساتھ تعلق بھی مشروط اور جانبدارانہ تھا۔

نواز شریف کی حکومت کے عرصہ میں صدر در پردہ بے نظیر کی سپورٹ اور حمایت کرتا رہا اور بے نظیر کے دور میں نواز شریف کی کرتا رہا اسے دو اعلیٰ پالیسی کہتے ہیں۔ گلف وار (امریکہ عراق جنگ) میں صدر آرمی چیف کے حق میں تھا اور وہ نواز شریف کی گلف پالیسی کے خلاف تھا۔

نواز شریف حکومت کے دوران تبدیلی آئی کیونکہ نواز شریف بھاری اکثریت کے ساتھ وزیر اعظم بنے تھے اور وہ اپنی پوزیشن بھی مضبوط تصور کرتے تھے انہوں نے افغان اور کشمیر پالیسی کے سلسلہ میں اپنی رائے بنانا شروع کر دی وہ صدر اور وزیر اعظم کے اختیارات میں توازن رکھنے کے حامی تھے انہیں اچھی طرح پتہ تھا کہ ملٹری سیاست میں اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ نواز شریف چاہتے تھے کہ جب 17 اگست کو اسلم بیگ چیف آف آرمی سٹاف کے عہدے سے سبکدوش ہوں گے تو وہ اپنا صدر لائیں گے مگر صدر اسحاق نے جون ہی میں جنرل آصف نواز جنجوعہ کو نیا چیف آف آرمی سٹاف منتخب کر کے اپنے ان داتا ہونے کا ثبوت مہیا کر دیا۔ نواز شریف اس سے ناخوش بھی تھے۔ اگر نواز شریف اعتماد

PAKISTANIAT.COM

والا معاملہ بنتا جا رہا تھا۔ 1993ء میں جب ناگہانی طور پر آصف جنجوعہ (COAS) انتقال کر گئے تو دوبارہ صدر نے اپنا اختیار استعمال کرتے ہوئے اسلم بیگ کو نیا (COAS) بنا دیا حالانکہ دو سینئر ز افسران کو سنیارٹی سے محروم کر دیا گیا کیونکہ یہ صدر کی خواہش تھی۔ 1992ء ہی میں صدر غلام اسحاق خاں اور وزیر اعظم نواز شریف کے تعلقات خراب ہونا شروع ہو گئے۔ بے نظیر نے اس کا فائدہ اٹھایا اور لانگ مارچ میں بابا جی کی چاہت کا پالن کرتی ہوئیں قسمت آزمانے کے لیے سڑک پر آ گئیں بے نظیر بھٹو نے نواز شریف کے ساتھ تعاون کا ہاتھ بھی بڑھایا۔ وہ چیئرمین دی پارلیمنٹری کمیٹی آف فارن افیئرز بننے پر رضامند تھیں یہ بننے کے بعد وہ کچھ ہی ہفتوں بعد لندن چلی گئیں وہاں اُس نے اپنے تیسرے بچے کو جنم دیا اور پاکستان آئین جب وہ آئیں ہی تھیں کہ اُن کے شوہر آصف علی زرداری کو جو مسلسل دو سال تک جیل کی ہوا کھا رہے تھے کو ضمانت پر رہائی بھی نصیب ہو گئی اور سونے پہ یہ سہاگہ یہ کہ اُنہیں بے نظیر سے ملنے کے لیے لندن جانے کی بھی اجازت دے دی گئی۔ جونہی وہ لندن واپس گئی جنرل آصف نواز وفات پا گئے۔ اُن کے وفات پانے سے پاکستان کا سیاسی منظر نامہ (Scenario) تبدیل ہو گیا۔ نیا چیف آرمی صدر نے ہی منتخب کیا تھا تو نئی دو رُخی طاقتی منظر پھر سامنے آ گیا۔ بے نظیر نے نواز حکومت گرانے کے لیے نئے (COAS) کی طرف بھاگ دوڑ شروع کر دی۔ پیپلز پارٹی نواز شریف کے ساتھ مل کر آٹھواں ترمیم ختم کر سکتی تھی مگر PPP کے رویے کو دیکھتے ہوئے نواز شریف کو مجبوراً اور برملا کہنا پڑا کہ میری حکومت صدر اسحاق کے ساتھ ہرگز تعاون کرنے سے گریزاں ہے۔ کیونکہ وہ ہمیں استعمال کر کے اپنے حکومتی دور کے 5 سال اور بڑھانا چاہتے ہیں۔ نواز شریف کے اس رویے سے ممبران قومی، وصوبائی اسمبلیوں کے اراکین کو خدشہ لاحق ہو گیا تھا کہ صدر اسحاق پہلے ان اسمبلیوں کو استعمال کرتے ہوئے 05 سال کے لیے مزید اپنا عہدہ بڑھا لیں گے اور پھر اسمبلیاں برخاست کر دیں گے۔ دو سال بعد ہی صورتحال کا پیدا ہو جانا خطرے سے خالی نہ تھا لہٰذا اراکین اسمبلی نے دوڑ بھاگ شروع کر دی لہٰذا صدر نے ایک مرتبہ پھر نواز شریف حکومت پر کرپشن اقربا پروری، وغیرہ کے الزامات لگا کر نواز حکومت ختم کی بلخ شیر مزاری کو نگران وزیر اعظم منتخب کیا اور 14 جولائی 1993ء کو قومی اسمبلی کے الیکشن کرانے کی تاریخ مقرر کی۔

صدر کے ان اقدامات اور گھناؤنی سیاسی صورتحال، پیش نظر ملک میں اسمبلیاں دو سال چلنے اور صدر کی چاپلوسی کا رواج چل نکلا۔ بہت سی سیاسی پارٹیوں نے طاقت کا سرچشمہ صدر کو سمجھ کر اُس کے

ساتھ چلنے کو باعث نجات، باعث فخر سمجھا۔ PPP صدر کی حمایت حاصل کرنے میں پیش پیش تھی حالانکہ اگست 1990ء میں بے نظیر نے آٹھویں ترمیم کی مخالفت میں آسمان سر پر اُٹھا لیا تھا۔ وہ بھی صدر کے فیصلے کی مکمل حمایت کر رہی تھی۔ اسی لیے عبوری (نگران) حکومت میں اُن کے پر اعتماد سابق ساتھی فاروق لغاری اور دو افراد کو وزراء بنا دیا گیا اور صدر نے وعدہ کیا کہ کم از کم مزید 10 مزید وزراء بھی PPP سے لیے جائیں گے جلد ہی بے نظیر کے خاوند کو نگران کابینہ میں شامل کر لیا گیا اس کے علاوہ TI، JUP، JUI اور PML کے نمائندے کو نگران حکومت میں شامل کر لیا گیا۔ مئی کے وسط تک 49 مشیر برائے وزراء کا تقرر کیا گیا اور 90 دن کی کابینہ کا اعلان کیا گیا۔

سپریم کورٹ کا فیصلہ:

سپریم کورٹ نے جمہوری حکومت ختم ہونے کے بعد اس پر اپنا فیصلہ سنایا۔ اس سے اصل جمہوریت کی شکل بحال ہوتی ہوئی نظر آئی اور آٹھویں ترمیم میں دڑاڑ پڑتی ہوتی نظر آئی۔ آٹھویں ترمیم کے متعلق عوامی ردعمل بھی شدید تھا۔ سپریم کورٹ نے لفظ ''صدر'' کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ یہ ایک ایسا ادارہ یا سربراہ ہے جو ملکی اور قومی مفادات کا محافظ ہوتا ہے اور گورنمنٹ کے کام کے سلسلہ میں صدر کی Validity میں دخل اندازی کی جا سکتی ہے۔ کورٹ نے صدر کی آئینی استعداد اور اُس کے اختیار برائے تعیناتی چیف آف آرمی سٹاف پر بھی سوالات اُٹھائے۔ صدر کے اسمبلی توڑنے کے اختیار کے متعلق کہا گیا کہ وہ ملک کا محافظ ہے عدالت نے کہا کہ آٹھویں ترمیم کو ایسے ہونا چاہیے کہ اس سے پاکستان کی حفاظت نظر آئے۔ صدر اور وزیر اعظم کے اختیارات کے متعلق بات کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے اور آٹھویں ترمیم کی صورتحال یہ ہے کہ صدر ہی کرتا دھرتا ہے اور اُسے کسی کے آگے جواب دہ ہونا ہی نہیں پڑتا۔ سپریم کورٹ نے کہا کہ آٹھویں ترمیم کوئی آسمانی صحیفہ نہیں جس پر تنقید نہ ہو سکے اس کو نظریاتی طور پر قابل عمل بنانے کی ضرورت ہے کہ آیا نواز شریف کی حکومت بحال کی جائے یا اس ترمیم کو ختم کیا جائے۔ لہٰذا پاکستان کو اصل جمہوری راستے کی طرف گامزن کرنے کی ایک کوشش تھی مگر بدقسمتی سے کورٹ کے فیصلے کو عملی صورت میں لانا ناممکن تھا۔

آئینی جنگ اور اسمبلیوں کا ٹوٹنا:

غلام اسحاق خاں کورٹ کے فیصلے کے بعد بھی استعفیٰ دینے پر راضی نہ تھے انہوں نے کچھ

PakistaniMaterial.com

گھنٹوں کے بعد اسمبلی بحال کی انہوں نے فیصلہ پر عمل درآمد کرتے ہوئے حامی بھری کہ وہ وزیراعظم کے ساتھ کام کرنا چاہتے ہیں مگر یہ محض اُن کا بیان تھا۔ مگر 18 اپریل کے بعد اُنہوں نے اسمبلی توڑنے کا ارادہ بنا لیا تھا سپریم کورٹ کے فیصلے کے چار دن بعد گورنرز حضرات نے سندھ اور سرحد کی صوبائی اسمبلیاں توڑ دیں۔ 25 اپریل کو غلام حیدر وائیں کے خلاف تحریک عدم اعتماد دلائی گئی۔ جو منظور ہوئی۔ اس تحریک میں منظور وٹو نے بنیادی کردار ادا کیا یاد رہے کہ وٹو مسلم لیگ (جونیجو) کے صدر مانے جاتے تھے یہ تحریک صدر غلام اسحاق خاں کے کہنے پر لائی گئی تھی اس سے قبل قومی اسمبلی توڑ دی گئی تھی اس طرح صوبہ پنجاب میں غلام اسحٰق خاں کا براہ راست اثر رسوخ بڑھ گیا۔ ایک مرتبہ پھر جب قومی اسمبلی بحال ہوئی تو نواز شریف نے ایک مرتبہ پھر دوبارہ پنجاب میں سیاسی مضبوطی حاصل کر لی 29 مئی کو اُس نے منظور وٹو (وزیراعلیٰ پنجاب) کی صوبائی حکومت پر عدم اعتماد کر دیا۔ 137 ممبران نے منظور وٹو کے خلاف ووٹ دیئے لہٰذا وائیں یا پرویز الٰہی کو وزیراعلیٰ بنانا تھا مگر وٹو کی ملی بھگت اور صدر کی آشیر باد کے تحت گورنر نے 29 مئی کو پنجاب اسمبلی توڑ دی۔

پنجاب اسمبلی توڑنے کے ایک دن بعد گورنر سرحد کے سابقہ وزاعلیٰ میر افضل خاں کے مشورے کے بعد اسمبلی توڑ دی میر افضل خاں نے صدر غلام اسحاق خاں اور بے نظیر کو قریب لانے کے لیے اہم کردار ادا کیا تھا اور اِسی نے نواز شریف کی حکومت کو گرانے میں بھی اہم کردار بھی ادا کیا تھا۔ اُس کے اس کردار پر احتجاج بھی کیا گیا۔ ANP نے امیر افضل کی حمایت کرنے کو ترک کر دیا تھا۔ اُس نے ایسا کرنے سے پہلے ہی نواز شریف حکومت پر الزامات لگانے شروع کر دیتے تھے کہ وہ صوبائی خود مختارائت میں دخل اندازی کر رہے ہیں اس معاملہ میں اُن کی مدد PDA اور JUI (فضل گروپ) نے کی تھی ان تمام گروہوں نے نواز حکومت پر سنگین بدعنوانیوں کے الزامات لگا کر کہا کہ نواز شریف صوبے کے آئینی حقوق چھیننا چاہتا ہے اور اراکین اسمبلی کی ہاؤس ٹریڈنگ کرانے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے اور صوبے کے ترقیاتی فنڈز کو بھی روک رہا ہے۔ جب نواز شریف کے حق میں سپریم کورٹ کا فیصلہ آیا تو میر افضل کو خدشہ تھا کہ وہ سابقہ شریف گروپ میں اعتماد اور طاقت دونوں سے ہاتھ دھو بیٹھے گا تو اُس نے گورنر کو صدر کے حوالے سے اسمبلی کو توڑنے کی التجا کی۔ اس کے بعد اُسے صوبے کا نگران وزیراعلیٰ مقرر کیا گیا یہی صورتحال سندھ اسمبلی میں پیش آئی اگلے ہی دن PPP کے ممبران نے صوبائی اسمبلی میں عدم اعتماد کی تحریک پیش کر دی۔ صوبہ بلوچستان میں ذوالفقار مگسی نے غیر جانبدار وزیراعلیٰ تاج محمد جمالی کی

حکومت ختم کر دی۔ ایسی کاروائی اس لیے کی گئی کہ اگر صدر اپنے صوابدیدی اختیارات استعمال کرنے اسمبلیاں توڑتا ہے تو جو ڈیشری دوبارہ اسمبلیاں بحال کر دے گی بعد میں نواز شریف کے حمایتوں نے دونوں صوبوں کی اسمبلیاں برخاست کرنے کے عمل کو ہائی کورٹ میں چیلنج کر دیا۔ میر افضل نے کورٹ میں بیان دیا کہ مرکز صوبے کے مفادات سے لاتعلقی کا اظہار کر رہا تھا جس کو عدالت نے مسترد کر دیا پرویز الٰہی نے کورٹ میں اپنے موقف میں کہا کہ اسمبلی کو توڑنے کا قدم غیر قانونی تھا کیونکہ اسمبلی میں عدم اعتماد کی تحریک پہلے سے بھی پیش کی جا چکی تھی۔ اسمبلی کا سیکرٹری حبیب اللہ جس نے یہ کارستان کی تھی وہ اب وہ کہیں نہ مل رہا تھا۔ وہ صرف ایک دن اسلام آباد میں دیکھا گیا اور اس کے بعد وہ غائب ہو گیا۔ اسی اثنا میں پنجاب اسمبلی کے 137 اراکین جنہوں نے وٹو کے خلاف ووٹ دیئے تھے اُن کو ہوائی جہاز کے ذریعے اسلام آباد منتقل کیا گیا جہاں اُنہیں فائی سٹار عیش کدہ قسم کے ہوٹل میں چند ہفتے رکھا گیا اُن کو ہوٹل میں عیش کرانے کا مطلب یہ تھا کہ کہیں وہ اپنی وفاداریاں تبدیل نہ کر لیں کیونکہ اسمبلی بحال ہونے کے چانس تھے۔ پنجاب کی نگران حکومت نے فیڈرل ایئریا اور صوبہ پنجاب کے درمیان اپنی پولیس کھڑی کی ہوئی تھی کہ اگر بھولے بھٹکے MPA میں سے کوئی صوبے میں داخل ہو جاتا ہے تو اُسے گرفتار کر لیا جائے۔

اس صورتحال نے وفاق اور صوبوں کے تعلقات خراب کر دیئے نواز حکومت صدر کے اس اقدام سے خاصی نالاں تھی یہ بات بھی گردش میں تھی کہ مرکزی بنک پنجاب، سرحد اور سندھ کو کوئی رقم ایڈوانس نہ دے گا البتہ بعد میں یہ حکم کالعدم کر دیا گیا تھا۔ صوبوں اور مرکز کی تعلقاتی صورتحال دگرگوں تھی نواز شریف کو یہ بھی خطرہ تھا کہ کہیں صدر آرٹیکل نمبر (b) (2) 112 کے تحت کوئی نئی حکمت عملی اختیار نہ کر لیں اس شق (Article) کے تحت گورنر حضرات صدر کی منظوری اجازت (Approval) سے اسمبلیاں توڑ سکتے تھے۔ غلام اسحاق خاں 18 اپریل کو اسمبلیاں توڑنے کے ایکشن کو بے نظیر سے منوانا چاہتے تھے تاکہ نگران حکومت بے نظیر کی پالیسی کے متعلق واضح علم ہو سکے۔ سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد البتہ جلد ہی سرحد اور پنجاب کی صوبائی اسمبلیاں توڑ دی گئیں مگر صدر اسحاق نئے الیکشن کرانے کے سلسلہ میں اپنا اختیار برائے آرٹیکل نمبر (6) 48 استعمال بھی کرنے جا رہے تھے جس کے تحت ریفرنڈم کرانا مقصود تھا یہ بھی ممکن تھا کہ صوبوں میں غیر تسلی بخش حالات کے پیش نظر صدر اسحاق آرٹیکل (1) 91 کے تحت نواز شریف کو قومی اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ لینے کے لیے کہتے یا کہیں گے۔ مگر صدر اسحاق نواز شریف کو سیاسی منظر سے ہی ہٹانا چاہتے تھے آخر کار صدر کے لیے ممکن ہوتا جا رہا تھا کہ وہ صوبوں کی موجودہ صورتحال کے پیش نظر ایمرجنسی کے نفاذ کا اعلان کر دیں۔

نواز شریف نے اس ساری جنگ میں آئینی ہتھ کنڈوں کے ذریعے صدر کو ہٹانے کی کوشش کی جب جلد ہی قومی اسمبلی بحال ہوئی تو اُسے عدم اعتماد کا ووٹ لینے کے لیے کہا گیا تو نواز شریف کے 123 ووٹ لیے اس میں PMU کے تین اُن ممبران کے بھی ووٹ تھے جنہوں نے 18 اپریل سے پہلے اُن سے بے اعتنائی برتی تھی۔ نواز شریف نے سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد اپنی کابینہ میں صدر اسحاق کو آئینی طریقے کے مطابق برطرف کرنے کے متعلق بھی منصوبہ سازی کی۔ مگر اُس وقت کے COAS وحید کاکڑ نے کی وجہ سے اپنے مشن میں ناکام ہوا بعد میں نواز نے حمید گل کی مدد حاصل کرنا چاہی کیونکہ وہ سابقہ سربراہ ISI تھے اور اس وقت بھی فوج میں ان کا خاصہ اثر رسوخ تھا۔

آٹھویں ترمیم ختم کرنے کی کوشش:

بعد میں نواز شریف نے آٹھویں ترمیم کو ختم کرنے یا تبدیل کرنے کی حکمت عملی پر کام کرنا چاہا۔ کیونکہ 26 مئی کے فیصلہ سے پہلے بعض سیاستدانوں نے اس امر کے خلاف ردِعمل کیا تھا وزیر اعظم کو ترمیم کرنے کے ضمن میں دو تہائی ووٹ درکار تھے 1990 کے الیکشن کے تحت بننے والے IJI کی سیاسی جماعتیں خاص طور پر جماعت اسلامی نے مسلم لیگ سے فاصلے پیدا کر لیے تھے کیونکہ شریف حکومت کی افغانستان پالیسی اور سست رفتاری سے اسلامائزیشن کی طرف اقدام جماعت کو وارے نہ کھاتے تھے۔ ANP والے نواز شریف کے ساتھ تھے مگر خود مسلم لیگی (ارکان) 18 اپریل کو ٹوٹنے والی اسمبلیوں کی وجہ سے مخاصے میں پڑے ہوئے تھے کہ اب کیا کریں؟

اب یہ گروہ چار حصوں میں تقسیم ہو چکے تھے PML (چٹھہ گروپ) یہ گروہ صدر کے ساتھ تھا، نواز شریف نے بے نظیر بھٹو کی طرف ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی تا کہ صدر کے خلاف محاذ کھولا جائے۔ اسی سلسلے میں 31 مئی 1993ء کو قومی اسمبلی کا اجلاس طلب کیا گیا نواز شریف نے بے نظیر بھٹو کو ساتھ چلنے کی دعوت دی تا کہ جمہوریت کے دشمنوں کا مقابلہ کیا جا سکے۔ اس ضمن میں تین افراد پر مشتمل افراد کی کمیٹی بنا دی گئی تا کہ PPP اور نواز حکومت کے درمیان اختلافات کو ختم کیا جا سکے بعد میں اس کمیٹی کا دائرہ کار وسیع کیا گیا تا کہ دوسرے سیاستدانوں کو بھی اس امر کے لیے راضی کیا جا سکے۔

اس ضمن میں بے نظیر کا ردِعمل ملا جلا سا تھا۔ ایک طرف تو انہوں نے سپریم کورٹ کے فیصلے کی حمایت کی دوسری طرف جوڈیشری کے متعلق کہا کہ عدالتوں کو غیر جانبدارانہ رویہ اختیار کرنا چاہیے اگر وہ

غیر جانبدار ہوتیں تو 1990 میں میری حکومت کی اسمبلی بھی بحال کرتیں مگر اب ملک کی تقدیر کا فیصلہ ہمیں لوگوں کی عدالت سے کرانا ہوگا۔ لہٰذا نئے الیکشن ہونے چاہئے مگر اس کے بعد وہ نواز شریف کے ہمراہ آٹھویں ترمیم کی منسوخی کے معاملے پر کبھی بھی متفق نہ ہوئیں۔ جب اُنہیں اسمبلی میں اس معاملہ کو نمٹانے کی اہمیت پر زور دیا گیا تو اُنہوں نے برملا کہا کہ میرا مطالبہ ہے کہ ملک میں نیشنل اتحاد (Unity) بحال کی جائے اور تازہ نئے انتخابات کرائے جائیں۔ نواز شریف نے کہا کہ لوگ چاہتے ہیں کہ موجودہ اسمبلی اپنے 5 سال پورے کرے مگر صدر بیچ میں آ کر اسمبلیوں کی مدت 2 یا ڈھائی سال کر دیتا ہے۔ بحر حال اُس نے بے نظیر کے عمل کو سراہا کہ وہ آٹھویں ترمیم توڑنے کے حق میں ہیں اور وہ اس سلسلے میں ضرور قوم کی مدد کریں گی مگر بے نظیر اپنے پہلے والے موقف پر جمی رہیں بے نظیر نے بعد میں آل پارٹیز کانفرنس (APC) میں حصہ لیا اس میں نواز شریف کے خلاف بھی جماعتیں تھیں اور اس میں بعض پارٹیاں اس وقت بھی بعض نئے الیکشن کروانے پر بضد تھیں۔

لاہور ہائی کورٹ کا فیصلہ بابت توڑے جانے اسمبلی پنجاب:

26 جون 1993ء کو لاہور ہائی کورٹ نے پنجاب اسمبلی کے توڑے جانے کے خلاف فیصلہ دے دیا کہ نگران وزیر اعلیٰ عدم اعتماد کی تحریک لائے جانے کے سات منٹ بعد نگران وزیر اعلیٰ نے گورنر کو اسمبلی توڑنے کا دوبارہ مشورہ دے دیا نواز شریف نے فوری طور پر پارلیمنٹ کا جائنٹ اجلاس بلا لیا اور آرٹیکل 231 کے تحت قرار داد منظور کرائی کہ پنجاب مرکزی حکومت کے ماتحت ہے لہٰذا انہوں نے پنجاب کے لیے نیا گورنر، چیف سیکرٹری اور انسپکٹر جنرل منتخب کرنے کے آرڈر جاری کر دیے۔ منظور وٹو نے انتخابی کو غیر منظور کر دیا اور الزام لگایا کہ مرکز صوبے کی طاقت کم کر رہا ہے انہوں نے نواز شریف کے اعلان کو Null and void (غیر قانونی، غیر شرح) قرار دے دیا اور صدر غلام اسحاق خاں نے اعلان کیا کہ اُنہیں نہ تو وفاقی حکومت کا پنجاب کے لیے اعلان موصول ہوا ہے نہ ہی انہوں نے اس اعلان کو منظوری دی ہے اور نہ ہی اس پر دستخط کیے ہیں۔ اگر مرکز ایسا کر رہا ہے تو یہ غلط ہے اس طرح پاکستانی میں دو متوازی حکومتیں بن سکتی ہیں۔ نواز شریف اس سلسلے میں کمزور لگ رہے تھے اور اُن کی طاقت واختیارات محض مرکز تک محدود کیے جا رہے تھے۔

ایسی صورتحال میں مارشل لا لگنے کے قوی امکانات تھے کیونکہ صدر اور وزیر اعظم کے تعلقات خاصی حد تک بگڑ چکے تھے سیاسی پارٹیاں ملک کے کسی مسئلے کا حل تلاش نہ کر رہی تھیں۔ یقین محکم تھا کہ

فوج ضرور براہ راست یا ان ڈائریکٹ طریقے سے حکومتی معاملات میں مداخلت کرے گی جیسا کہ ماضی میں ہوتا رہا تھا مگر اس مرتبہ آرمی غیر جانبدار رہی اور دور سے امن پسند Peace maker بن کر سیاسی تماشا دیکھتی رہی۔ اس کی دو وجوہات تھیں (i) ملٹری غلام اسحاق خاں کی طرف سے محتاط تھی کہ غلام اسحاق خاں اور آرمی چیف آف سٹاف دونوں پٹھان ہیں اور دونوں پٹھان اکٹھے کر پنجاب کے وزیر اعظم کے خلاف محاذ آرائی ضرور کریں گے (ii) 18 اپریل کو جب قومی اسمبلی توڑی گئی تھی تو لوگوں میں نواز شریف کو خاصی پزائی حاصل ہوئی تھی لہٰذا اگر ملٹری نے نواز حکومت کے خلاف ایکشن لیا تو لوگ اس کو اچھا تصور نہ کریں گے اور ان کے پیشے پر حرف آئے گا۔

لہٰذا ملٹری نے اس سیاسی منظر پر براہ راست کوئی تبصرہ نہ کیا۔ اس میں ایک استثنا بھی تھی کہ چیف آف آرمی سٹاف ضرور نواز شریف کو صدر کے مواخذہ سے روکیں گے۔ لہٰذا ملٹری خاموش رہی۔ 29 جون کو ایک اعلانیہ نشر کیا گیا کہ آرمی نہ تو مرکز کو اور نہ ہی منظور وٹو کی حکومت کی حمایت کرے گی۔

جولائی کے پہلے ہفتے میں یہ شنید سننے میں آئی کہ ملٹری کے بعض افسران نواز شریف کو بدستور وزیر اعظم دیکھنا چاہتے ہیں اور بعض نئے انتخابات کرانے کے حق میں ہیں آرمی نے ان رپورٹس کی تردید کی مگر اس میں کچھ سچ ضرور تھا۔ کہ ملٹری ملک کی سیاسی ترقی چاہتی ہے۔ یہ بات اُس وقت سامنے آئی کہ ملٹری ضروری کچھ مقصد لیے ہوئے تھی جب 16 جولائی کو بے نظیر کے لانگ مارچ کا اعلان کیا تو آرمی نے خاموش انداز میں اس کا خیر مقدم کیا تھا۔

لانگ مارچ کے ضمن میں PPP کی یہ کوئی نئی سیاست نہ تھی 1992ء میں بھی بے نظیر نے نواز حکومت کو گرانے کے لیے ایڑھی چوٹی کا زور لگایا۔ مگر پنجاب میں نواز گروپ کی حکومت ہونے کی وجہ سے اُنہیں کامیابی حاصل نہ ہوئی تاہم 19 جولائی کو یہ دیکھنے میں آیا کہ وٹو حکومت لانگ مارچ میں شرکت کے لیے بے تاب ہے یہ بات بھی زیر گردش تھی کہ بے نظیر نے لانگ مارچ کا پروگرام وٹو اور صدر کے ساتھ مل کر بنایا تھا۔ لانگ مارچ سے کے ہونے کی صورت میں پنجاب میں سول نافرمانی پھوٹنے کے حالات بہت واضح تھے اور مارشل لاء لگنے کی تلوار بھی سروں پر لٹک رہی تھی۔ چیف آف آرمی سٹاف عبدالوحید کاکڑ نے صدر اور وزیر اعظم سے اس مسئلہ کے سلجھاؤ کے لیے لمبی بحثیں کرنا شروع کر دیں اُنہوں نے کہا کہ ملک کی بہتری اسی میں ہے کہ صدر اور وزیر اعظم خود ہی اپنے عہدوں سے سبکدوش ہو

جائیں۔ آخر کار نواز شریف اور غلام اسحاق خاں اپنے اپنے عہدوں سے سبکدوش ہونے کے لیے راضی ہو گئے کہا جاتا ہے کہ فوج چاہتی تھی کہ پیپلز پارٹی سے ہی نگران وزیر اعظم منتخب ہو مگر نواز شریف نے اس کی مخالفت کی کیونکہ اُنہیں اپنے احتساب کا ڈر تھا لہٰذا امریکہ سے معین قریشی کو نگران وزیر اعظم بنانے کے لیے امپورٹ کیا گیا۔ قریشی صاحب نے صدر ہی سے حلف لیا بعد میں غلام اسحاق خاں ریٹائرڈ ہو گئے۔ اکتوبر میں قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کرانے کا اعلان ہوا مگر آٹھویں ترمیم کا مسئلہ مزید کھٹائی میں چلا گیا۔

بے نظیر بھٹو کا دوسری مرتبہ وزیر اعظم بننا

اکتوبر 1993ء کے انتخابات کی صورت میں ایک بے ڈھنگی پارلیمنٹ (Hung Parliment) دیکھنے میں آئی۔ PPP کو قومی اسمبلی میں 86 نشستیں ملی تھیں جو کہ 1988 کے انتخاب کی نسبت 06 کم تھی PML (ن) کو 73 ملیں PML (چٹھہ گروپ) 06 پاکستان اسلامک فرنٹ کو 03 آزاد امیدوار کو 15 نشستیں ملیں۔ صوبوں میں بھی ملی جلی صورتحال دیکھنے کو آئی۔ PPP نے پنجاب سے 93، سندھ سے 56، سرحد سے 22 اور بلوچستان سے 03 نشستیں حاصل کیں۔ PML (ن) نے پنجاب سے 106، سرحد سے 14، بلوچستان سے 06 سندھ سے 08 نشستیں حاصل کیں۔

انتخابات کی صورتحال ایسی تھی کہ کوئی پارٹی واضح حکومت بنانے کی اہل نہ تھی۔ بحر حال سخت کوشش کرنے کے بعد PPP اپنا سپیکر اور ڈپٹی سپیکر منتخب کرانے میں کامیاب ہو گئی۔ 19 اکتوبر کو محترمہ صاحبہ دوبارہ وزیر اعظم بن گئیں۔ PPP نے پنجاب میں مخلوط اتحاد کے ساتھ اور سندھ میں تنہا حکومت بنانے کی کوشش کی سرحد میں نواز شریف نے ANP کے ساتھ اتحاد بنا کر حکومت بنائی۔ بعد ازاں 13 نومبر کو فاروق لغاری کو صدر بنا کر پیپلز پارٹی نے اپنی پوزیشن مضبوط بنالی اب بمشکل ہی سے آٹھویں ترمیم کو ختم کر کے مشکل سے ہی سیاسی استحکام پیدا کیا جا سکتا تھا۔ بے نظیر بھٹو سمجھ رہی تھیں کہ صدر اُن کا اپنا ہے اس لیے وہ کبھی اسمبلیاں نہ توڑے گا بحر حال 2 بے نظیر نے 1994ء میں سرحد اسمبلی توڑ دی۔

قومی حکومت کے سلسلہ میں PPP کے پاس 122 ووٹ تھے اور فوج کسی قسم کی مداخلت نہ کر رہی تھی۔

نواز شریف گروپ نے پہلے ہی دن PPP پر دھاندلی کا الزام لگایا دیا تھا۔ سندھ میں وفاقی

وزیر نصیر اللہ بابر MQM کے خلاف آپریشن کر رہے تھے مہنگائی زیادہ ہونے کی وجہ سے نواز شریف نے تحریک نجات شروع کر دی تھی۔ صدر کے ساتھ بے نظیر کے اختلافات اُس وقت سامنے آئے جب انہوں نے حاجی نواز کھوکھر کو وزیر بنا دیا جس نے چند اعلیٰ حکومتی عہدوں داروں کے ساتھ مل کر مہران بنک سیکنڈل کو اوپن کیا تھا۔ اس دور میں کرپشن بدعنوانی اور ہارس ٹریڈنگ بہت بڑھ چکی تھی بے نظیر کے بھائی مرتضیٰ بھٹو کو کراچی میں گولیاں مار کر قتل کر دیا گیا مگر اُس کے قتل کا سراغ نہ لگایا جا سکا۔

پنجاب میں منظور وٹو اور حامد ناصر چٹھہ نواز شریف سے علیحدہ ہو کر بے نظیر کے ساتھ مل گئے انہوں نے PPP کے ساتھ اتحاد کر کے پنجاب میں وزارت اعلیٰ حاصل کر لی۔ بے نظیر کے جیالے وٹو کو کسی صورت پسند نہیں کرتے تھے بے نظیر نے ووٹو کے لیے پرسنل ایڈوائزر فیصل صالح حیات کو مقرر کر دیا تا کہ وہ پنجاب میں اپنا حکومتی ہاتھ مضبوط کر سکیں کیونکہ فیصل صالح حیات اُن کا خاص اعتماد کنندہ تھا۔ علاوہ ازیں مخدوم الطاف کو سینئر وزیر بنا دیا گیا۔ بعد میں سیاسی سازشوں کا بازار گرم ہوا وٹو جو خود بڑے سیاسی سازش کار تھے وہ اس مرتبہ خود مکافاتِ عمل کا شکار ہو گئے PPP نے اُن پر رکھا ہوا شفقت کا ہاتھ کھینچ لیا اُس کے ساتھ PPP نے حامد ناصر چٹھہ کے ساتھ بھی بے اعتنائی کا اظہار کیا بے نظیر نے یکدم سردار عارف نکئی کی حمایت کا اعلان کر دیا اور اُنہیں وزیر اعلیٰ پنجاب بنا دیا گیا مگر اصل اختیارات سینئر وزیر مشتاق اعوان، راجہ سروپ (گورنر) اور ونگ کمانڈر طارق لودھی (سربراہ شیشل برانچ) کے پاس تھے۔ طارق لودھی اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک تھا انہوں نے ہی بے نظیر کو اطلاع دی تھی کہ لغاری اسمبلیاں توڑنے والے ہیں۔

بے نظیر بھٹو اور اُن کی والدہ نصرت بھٹو کے درمیان PPP کی چیئرمینی کے لیے اختلافات پھوٹے پڑے۔ اس سے قبل مرتضیٰ بھٹو سے بھی چیئرمینی چھیننے کی کوشش کی گئی۔ آئی بی کے ڈائریکٹر میجر مسعود اشرف I.B کے ڈائریکٹر بنا دیئے گئے۔ اُن کو بے نظیر کے خاوند آصف زرداری نے ڈائریکٹر کے عہدے پر تعینات کرایا تھا مگر وہ سیاسی عمل میں شامل ہو گیا۔

جماعت اسلامی نے 1996 کے بجٹ پر خاصی تنقید کی۔ قاضی حسین احمد نے لیاقت باغ سے پارلیمنٹ ہاؤس تک دھرنا دینے کا اعلان کیا اس سلسلہ میں حکومت نے جماعتی قافلوں کو روکا اور اُن پر تشدد کیا پولیس نے مظاہرین پر گولی چلائی جس سے چار افراد ہلاک ہو گئے جماعت نے یہ اعلان کیا کہ بے نظیر حکومت کے خاتمے تک دھرنا پروگرام جاری رہے گا 27، 28 اکتوبر 1996ء

کو جماعت کے ہزاروں کارکن گرفتار کر لیے گئے پاکستان کی تاریخ میں پہلے مرتبہ ریلوے سروس معطل کر دی گئی ہوائی سروس بھی متاثر ہوئی اسلام آباد کی تمام سڑکوں کو روکاوٹ بنا دیا گیا اسلام آباد 25 ہزار پیرا ملٹری فورس دستوں سے بھر دیا گیا اس پورے عمل نے حکومت کو مفلوج کر کے رکھ دیا۔ وفاقی دارالخلافہ چار دن تک دوسرے صوبوں سے کٹا رہا۔ حکومت کے تمام انتظامات کے باوجود جماعت اسلامی دھرنا دینے میں کامیاب ہو گئی۔

منظور وٹو نے اپنی حکومت کے برطرف ہونے پر ہائی کورٹ میں پیٹشن دائر کر رکھی تھی ہو میں اس کا فیصلہ وٹو کے حق میں ہوا PPP نے 100 سے زائد ارکان اسمبلی اغوا کر لیے تا کہ ہارس ٹریڈنگ کے ذریعے پنجاب حکومت پر قبضہ کیا جا سکے مگر یکدم صدر لغاری نے اسمبلیاں توڑ کر PPP کے تمام خواب چکنا چور کر دیئے 4 اور 5 نومبر کی درمیانی شب 1996 کو صوبائی اسمبلیاں توڑ دی گئیں۔

نئی نگران حکومت:

بعد میں ملک معراج خالد کو نگران وزیر اعظم بنا دیا گیا تا کہ اگلے الیکشن کرائے جا سکیں۔ بے نظیر کے شوہر آصف زرداری کو کرپشن کے الزامات میں پابند سلاسل کر دیا گیا۔

نواز شریف کی دوبارہ حکومت

فاروق لغاری نے 17 فروری 1997ء کو انتخابات منعقد کرائے جس کی روشنی میں نواز شریف بھاری میڈیٹ لے کر نمودار ہوئے اس الیکشن میں بھی دھاندلی کی شکایت کی گئی۔ فاروق لغاری جن کے بارے میں وہ پریس رپورٹرز کو اکثر اُن کے بدیانت ہونے کے ثبوت فراہم کرتے رہتے تھے اب وہ بے جا صدر لغاری تعریفیں کر رہے تھے تا کہ کہیں وہ دوبارہ آٹھویں ترمیم کا شکار نہ ہو جائیں مگر دوسری طرف انہوں نے احتساب کا نعرہ لگا دیا۔ احتساب بیورو میں سیف الرحمٰن کو بٹھا دیا۔ نواز شریف نے وعدہ کیا تھا کہ وہ کشکول توڑ دیں گے اور ملک کو خود انحصاری کی ڈگر پر چلائیں گے اس کے باوجود اُن کی حکومت نے 03 ارب 20 کروڑ ڈالر کا غیر ملکی قرضہ لیا۔ 1998 میں انہوں نے ایٹمی دھماکے کیے تا کہ خطے میں بھارت کے ساتھ طاقت میں توازن پیدا کیا جا سکے غیر ملکی اکاؤنٹ منجمد کر دیئے انہی کے دور میں مسلم لیگی کارکنوں نے ایک فیصلہ کے سلسلہ میں سپریم کورٹ پر حملہ کیا۔ اس دور میں مہنگائی، لاقانونیت اور ماورائے عدالت قتل عام ہو گئے۔ کراچی میں امن و امان کا مسئلہ سنگین صورتحال اختیار کرتا گیا۔ بھارتی

Pakistanstudy.pk

وزیراعظم واجپائی کو لاہور میں بلا کر اُن کی عزت افزائی کی گئی۔ بھارت کے ساتھ تجارتی پالیسی تیار کی گئی ملک میں موٹروے لاہور تا اسلام آباد تک بنائی گئی۔ نواز شریف نے فوج کے ساتھ محاذ آرائی کو فروغ دینے کی کوشش کی کیونکہ فوج ہی وہ ادارہ تھا جو یکدم شب خون مار کر اقتدار پر قبضہ کر لیتا تھا۔ نواز شریف نے اپنی بعض سرگرمیوں سے اس ادارے پر قابو پانا چاہا۔

نواز اور فوج کے درمیان اختلافات اُس وقت سامنے آیا جب جنرل جہانگیر کرامت نے حکومت کے سامنے یہ تجویز رکھی کر ملکی سلامتی کے لیے نیشنل سیکورٹی کونسل بنائی جائے تا کہ سیاسی بحرانوں کی پیش بندی کی جا سکے۔ جس کے لیے ملک میں بار بار انتخابات اور مارشل لاؤں کا سامان کرنا پڑتا ہے انہوں نے یہ تجویز 15 اکتوبر 1998ء کو پاکستان نیول وار کالج کی سالانہ تقریب کے موقع پر کیا تھا۔ یہ تجویز گزشتہ دس سال کی حکومتی کارکردگی کو پیش نظر رکھ کر کی گئی تھی۔ انہوں نے دھماکوں کے بعد ملکی اقتصادی صورتحال کو سامنے رکھ کر اپنی تجویز دی تھی تا کہ ملک میں سیاسی بحرانوں، انتقامی سیاست اور کرپشن کا ازالہ ہو سکے جہانگیر کرامت کی تجویز کے مطابق کونسل میں جائنٹ سٹاف ہیڈ کوارٹرز، وزارت دفاع اور مسلح افواج کو شامل کیا جا سکتا ہے، اس کونسل کے بنائے جانے کا مقصد یہ تھا کہ افواج اور سویلین حکومت باہمی مشاورت سے کاروبار مملکت چلا سکیں اس سے داخلی اور غیر یقینی صورتحال کا خاتمہ ہو جائے گا بلکہ حکومت ایسی داخلہ اور خارجہ پالیسیاں بنا سکے گی تا کہ ملک ترقی کی راہ گامزن ہو سکے اس سلسلے میں تھنک ٹینک بنانے کی ضرورت پر زور دیا گیا تا کہ ایٹمی توانائی۔ اقتصادیات مالیات، سماجی ترقی اور دفاعی امور میں جیسے معاملات بہتر ہو سکیں۔

ملٹری سول وانتظامی کش مکش

جنرل جہانگیر کرامت نے نیشنل سیکورٹی کونسل کے نظریہ کا اعلان ہوتے ہی سیاسی جماعتوں نے اس بات کو خلاف جمہوریت اور خلاف آئین قرار دیا اخبارات پر صحافیوں کے کالموں میں اس پر کھل کر تنقید اور حمایت کی گئی۔

6 فروری 1997ء میں صدر لغاری نے فوج کو اقتدار میں شامل کرنے کے لیے آئین کے آرٹیکل نمبر 90 اور 99 کے تحت حاصل اختیارات استعمال کرتے ہوئے بزنس رولز 1973ء میں ترمیم کر کے رول 2 (A) کی جگہ رول 20 (A) کے تحت کونسل برائے دفاع وقومی سلامتی (CDND) قائم کی

یہ کونسل 10 اراکین پر مشتمل تھی اس میں 04 فوجی اور 06 سول نمائندے شامل کیے گئے۔ اس میں خود صدر پاکستان، وزیراعظم، مسلح افواج کے سپریم کمانڈر، آرمی چیف، بحریہ اور فضائیہ کے سربراہ وفاقی وزیر دفاع وزیر داخلہ، وزیر خارجہ اور مشیر یا وزیر خزانہ شامل تھے اس کونسل کی صدارت صدر پاکستان نے کرنا تھی یہ بھی عندیہ دیا گیا کہ سیکرٹری دفاع، سیکرٹری کابینہ اور آئی ایس آئی کے ڈائریکٹر جنرل بھی باقاعدگی سے اس کے اجلاس میں شرکت فرمائیں گے کونسل کی حیثیت مشاورانہ ہوگی اور یہ مجموعی قومی سلامتی کے لیے ترجیحات کا تعین کرے گی۔ نیز فوجی حکمت عملی اور داخلی وخارجی معاملات بھی زیر بحث آئیں گے کونسل دفاعی پالیسی بھی تیار کرے گی قومی سلامتی اور دفاعی امور سے متعلقہ اقتصادی اور مالیاتی حکمت عملی کا جائزہ لیا جائے گی امر جنسی لگانے کی صورت میں بھی صلاح ومشورہ ہوگا نگران حکومت نے اس امر پر خاصی تنقید کی گئی کہ اگر فوج اس طرح اقتدار میں شامل ہوگئی تو یہ ملک کے لیے اچھا شگون نہ ہو گا۔ نواز شریف نے نگران حکومت کے دور میں اس سے اتفاق کیا تھا کہ کونسل کا ہونا لازمی ہے مگر جب وہ اقتدار میں آئے تو اُن کا موقف یکسر تبدیل ہو گیا انہوں نے نہ تو (CDNS) کا اجلاس بلایا اور نہ ہی اس کے متعلق کچھ سوچا لہٰذا یہ خود بخود کالعدم ہوگئی 05 اکتوبر کو جب جہانگیر کرامت نے اس کی دوبارہ یاد دہانی کرائی تو اُن کی تجویز سے سازش سے تعبیر کیا گیا جس کے نتیجہ میں جہانگیر کرامت کو تھوڑے عرصے کے بعد اپنے عہدے سے فارغ کر دیا گیا معیشت کی بدحالی اور سیاسی بحرانوں نے فوج کے اعلیٰ حلقوں کو سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اگر دفاع فوج کا فریضہ ہے تو ملک کی سلامتی اور مالیاتی صورتحال کو بہتر بنانے کے لیے کیوں نہ ایک ادارہ بنایا جائے تا کہ ملک میں گھمبیر قسم کی صورتحال ہی پیدا نہ ہو۔ جہانگیر کرامت اصل میں پاکستان میں پیدا ہونے والے غلط سیاسی کلچر کو روکنا چاہتے تھے کیونکہ ایک غریب ملک کرپٹ سیاست کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس طرح غریب، غریب تر اور امیر امیر تر ہوتا جائے گا۔

جہانگیر کرامت نے اپنے موقف کو ٹھوس بنیادوں پر پیش کیا مگر نواز شریف نے اُن کی بات کا بُرا منایا اور دونوں بھائی (نواز شہباز) نے اُن سے 3 گھنٹے اکیلے ملاقات کی اس ملاقات کے بعد جہانگیر کرامت خاموشی سے مستعفی ہو گئے۔ اُن کا یہ استعفیٰ ملک بچانے کے لیے تھا کیونکہ اُنہیں تو 11 جنوری 1999ء کو مستعفی ہونا تھا یقیناً انہوں نے مارشل لاء نہ لگانے کو ترجیح دی۔ اس عمل سے فوج کے حلقوں میں تشویش پھیل گئی اُن کے جانے سے حکومت اور فوج میں خلا سا پیدا ہو گیا۔

PakistaniyatPk.com

پرویز مشرف کو آرمی چیف مقرر کرنا:

نواز شریف نے پرویز مشرف کو آرمی چیف مقرر کیا حالانکہ جرنیل علی قلی خاں اور خالد نواز سینئر جرنیل تھے اُن کو پس پشت ڈال دیا گیا۔ نواز شریف آہستہ آہستہ فوج کو اُس کے سابقہ سیاسی کردار سے دور کرنا چاہتے تھے۔ جنرل مشرف نے آرمی چیف بنتے ہی پشاور میں لفٹیننٹ جنرل سعید ال ظفر کو پشاور کا کور کمانڈر مقرر کر دیا۔ اس کے بعد تین دوسرے کور کمانڈرز بھی تبدیل کر دیئے گئے۔ مشرف نے ابتداء میں نواز حکومت کے ساتھ خاصا تعاون کیا۔ ملک کو کرپشن سے پاک کرنے کے پروگرام، گھوسٹ سکولز کے خاتمے، بجلی چوری کے سدباب، سڑکوں کی تعمیر کے سلسلے میں فوجی تعاون پیش کیا۔

قرض اُتارو ملک سنوارو مہم:

نواز شریف نے کشکول توڑنے کا اعلان کیا لوگوں سے اپیل کی کہ ملکی قرض اُتارنے کے لیے عطیات دیں۔ پرویز مشرف نے اس موقع پر کہا تھا کہ حکومت کو چاہیے کہ وہ بلا امتیاز سیاست دانوں، جاگیرداروں اور صنعت کاروں سے اربوں ڈالرز کے لوٹے ہوئے قرض واپس لے کیونکہ فوج نے اس امر کے سلسلہ میں حکومت کی خاصی امداد کی تھی اور قرض چوروں کی نشاندہی کی تھی۔ مگر نواز شریف احتساب کا واویلا کرتے رہے اور خود کرپشن کرنے والوں کے ساتھ جڑے رہے۔

کارگل کا مسئلہ:

دسمبر 1998ء میں وزیر اعظم نواز شریف کو آرمی نے کارگل آپریشن کے متعلق بریف کیا گیا اور فوج نے وزیر اعظم سے باقاعدہ اجازت لے کر یہ آپریشن شروع کیا مگر یہ بات بھی اخبارات میں چھپتی رہی کہ کارگل آپریشن کے سلسلہ میں نواز شریف کو اندھیرے میں رکھا گیا تھا۔ کہا جاتا تھا کہ مجاہدین نے چھ ماہ سرد جہنم میں گزار کر کارگل کی چوٹیوں تک رسائی حاصل کی ہزاروں افسروں اور جوانوں نے قربانیاں دیں اور 15 کلومیٹر کے علاقے پر قبضہ کر لیا اس بات کا قوی امکان تھا کہ اگر فوج کارگل بحران کا پامردی سے مقابلہ کرتی تو آدھا سے زیادہ کشمیر ہاتھ آ سکتا تھا۔ مگر پاکستان کو امریکہ کے کہنے پر یہ آپریشن ختم کرنا پڑا۔

کارگل آپریشن کے متعلق بھارتی اخبار ''دی سنڈے'' کے ایک مضمون "Kargal. Failure the Mind" میں فوجی جرنیل میجر جنرل اشوک کمار ستے نے واشگاف کہا ''پاکستان

مداخلت کاروں نے بھارتی آرمی کو اتنی سرعت اور بے خبری کے عالم میں آلیا جس کا تصور بھی ناممکن تھا۔''

نواز شریف صاحب امریکہ گئے اور کلنٹن کے کہنے پر یہ آپریشن ملتوی کیا گیا اس کے پیچھے اصل محرکات کیا تھے؟ ابھی منظر عام پر نہیں آئے۔

بیک چینل ڈپلومیسی کا آغاز:

نواز حکومت نے بھارتی وزیر اعظم کے ساتھ بیک چینل ڈپلومیسی شروع کی اس سلسلہ میں سابقہ سیکرٹری خارجہ نیاز اے نائیک کو مہرے کے طور پر استعمال کیا گیا نیاز نائیک بھارت میں پاکستان کے سفیر رہ چکے تھے اُن کے ذریعے کشمیر کی تقسیم، ایٹمی صلاحیت رول بیک کرنے (CTBT) پر دستخط جیسے اُمور طے کرنے کی کوشش کی گئی بعد ازاں نیاز نائیک نے کھل کر اعتراف کیا کہ بھارت کے ساتھ کشمیر کے حوالے سے سمجھوتہ ہو چکا تھا مگر کارگل کے واقعہ نے اسے سبوتاژ کر دیا۔ نواز حکومت نے ڈاکٹر عبدالقدیر خاں ریسرچ لیبارٹریز، پاکستان اٹامک انرجی کمیشن اور خلائی تحقیقاتی ادارے ''سپارکو'' کے فنڈز بعض وجوہات کی بنا پر روک دیئے۔ نواز شریف نے امریکہ کو باور کرانے کی کوشش کی کہ ہم تو CTBT پر دستخط کرنا چاہتے ہیں مگر فوج آڑے آجاتی ہے تاکہ امریکہ بہادر کی آشیر باد حاصل کی جائے بیک چینل ڈپلومیسی کے طور پر نئی دھلی، اسلام آباد اور واشنگٹن ایک تکون بن چکے تھے۔ اسی مقصد کے لیے امریکہ میں ''فرینڈز آف کشمیر'' نامی تنظیم کو متعارف کرایا گیا بعد میں نواز شریف نے نائیک بیک چینل ڈپلومیسی کی مخالفت کرنا شروع کر دی۔ فوج یہ سارا معاملہ خاموشی سے واچ کر رہی تھی۔ ادھر نواز حکومت نے کشمیر کی جنگ لڑنے والے منگلا کے کور کمانڈر لفٹیننٹ جنرل سلیم حیدر کو محاذ جنگ سے واپس بلا کر جی ایچ کیو بلا لیا۔ ان تمام واقعات کی وجہ سے نواز شریف اپنے آپ کو مضبوط سمجھنے لگے تھے پرویز مشرف نے BBC میں ایک انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ کارگل آپریشن کے بارے میں وزیر اعظم نواز شریف سے باقاعدہ منظوری لی گئی تھی۔

02 اکتوبر 1999ء کو نواز شریف نے نیوی کے سربراہ ایڈمرل فیصل بخاری کو وزیر اعظم ہاؤس میں طلب کر کے استعفیٰ طلب کیا اُن پر کرپشن کا الزام تھا۔ نواز شریف یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہے تھے کہ وہ کسی سے بھی کسی بھی اپنے اختیار کے بل بوتے پر استعفیٰ طلب کر سکتے ہیں۔ بعد میں یہ افواہیں بھی گردش کرتی رہیں کہ اسی طرح پرویز مشرف سے بھی استعفیٰ طلب کر لیا جائے گا کیونکہ بعد میں اُنہیں کا رگل معرکہ کا ذمہ دار ٹھہرا دیا جائے گا۔

PakistaniyUni

ملٹری کی دوبارہ حکومت:

نواز شریف اور جنرل مشرف کے درمیان سرد جنگ چلنے کی کئی وجوہات ہو سکتی تھیں مگر تین اہم تھیں۔

(i) نواز شریف کا فوجی انتظامی معاملات میں براہ راست دست اندازی کرنے کا عمل۔

(ii) فوج نے کرپٹ سرمایہ داروں صنعت کاروں اور جاگیرداروں کے خلاف معلومات اور ثبوت اکٹھے کیے تھے جن کے تحت وہ قرضوں کے نادہندہ تھے فوج اُن کو پکڑنے کا کہہ رہی تھی اور حکومت اُن پر ہاتھ نہ ڈالنا چاہتی تھی۔

(iii) کارگل کے مسئلہ پر فوجی پسپائی کے سلسلے میں نواز شریف کے کردار سے نالاں تھی فوجی انٹیلی جنس کو باقاعدہ اطلاعات موصول ہو رہی تھیں کہ نواز شریف اندرون خانہ پرویز مشرف کو آرمی چیف کے عہدے سے ہٹانا چاہتے ہیں۔

ایک غیر رسمی اجلاس میں نواز شریف نے آئی ایس آئی کے سربراہ جنرل ضیاء الدین بٹ کو چیف آف آرمی سٹاف بنانے کا عندیہ دیا تھا حالانکہ وہ تین جرنیلوں سے جونیئر تھے اور پرویز مشرف کو چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی مقرر کرنے کا اشارہ دیا۔ 25 ستمبر 1999ء کو شہباز شریف اور چودھری نثار علی جنرل پرویز مشرف سے ملے اور نواز شریف کو عہدے سے استعفیٰ دینے کا پیغام دیا۔ بعد ازاں پرویز مشرف نے کور کمانڈرز کا اجلاس بلایا اور ان کو سارے معاملے کے متعلق بریف کیا۔ نواز حکومت نے جنرل جہانگیر کرامت کو بھی اسی طرح استعفیٰ دینے پر مجبور کیا تھا مگر اس مرتبہ کور کمانڈرز نے وزیر اعظم کا یہ حکم ماننے سے مکمل انکار کر دیا۔

بعد ازاں جنرل مشرف کو 9 تا 12 اکتوبر 1999ء کے دوران سری لنکا میں فوجی تقریب کے سلسلہ میں دعوت نامہ وصول ہوا۔ مشرف کو معلوم تھا کہ اس دورہ پر ضرور کوئی گڑبڑ ہو گی۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے ٹرپل ون بریگیڈ کو تیار رہنے کا حکم صادر کر دیا تھا۔ مشرف دفاعی اقدامات کر کے مطمئن ہو کر کولمبو چلے گئے 12 اکتوبر 1999ء کو نواز شریف نے جنرل مشرف کو برطرف کر کے جنرل ضیاء الدین بٹ کو نیا آرمی چیف بنانے کے احکامات صدر ہوئے تو اُسی وقت جنرل عزیز نے کولمبو میں مشرف کو فون کر کے تمام حالات سے آگاہ کر دیا باقاعدہ ٹیلی ویژن پر اُن کو بیجز لگاتے ہوئے دکھایا

گیا۔ پی آئی اے کی انٹرنیشنل پرواز PK805 کولمبو سے مالے اور پھر بحر ہند کو عبور کر کے بحیرہ عرب کے علاقے میں داخل ہو گئی تو اس فلائٹ کے کپتان کو فلائٹ انفارمیشن ریجن سے اطلاع ملی کہ اس پرواز کے لیے کراچی کا ہوائی اڈا بند ہے۔ پھر اس طیارے کو انفارمیشن ریجن سے پیغام وصول ہوا کہ اس فلائٹ کے لیے پاکستان کے تمام ہوائی اڈے بند ہیں اور انہیں مشورہ دیا گیا کہ بہتر ہو گا کہ طیارے کو راستے میں بھارتی شہر احمد آباد میں اُتار لیں۔

بعد ازاں سہ پہر 4 بجے طیارے کے ہواباز کو کراچی کے فلائٹ آپریشن سے اطلاع ملی کہ اسے ہر قیمت پر کراچی اُترنے سے روکنے کے لیے سرکاری احکامات مل چکے ہیں۔ ساڑھے پانچ بجے شام کراچی کے انٹرنیشنل قائداعظم ائرپورٹ پر تمام فلائٹس کے لیے بند کرنے کا اعلامیہ نشر ہو گیا۔ مگر ساڑھے پانچ بجے ہوائی اڈے کے دونوں رن ویز پر سول ایوی ایشن نے اپنی گاڑیاں کھڑی کر دیں۔ اس میں دو جیپیں اور چار لوڈر شامل تھے۔ بعد ازاں جنرل مشرف کے وفادار کمانڈرز نے تقریباً سارے ائرپورٹ کا انتظام سنبھال لیا۔ جنرل مظفر عثمانی ایئرپورٹ پر قدرتی طور پر موجود تھے جنہوں نے بذریعہ فون تمام افسران کو اس واقعہ سے آگاہ کر دیا۔ جی او سی کراچی میجر جنرل افتخار احمد نے کنٹرول ٹاور کو سنبھال کر طیارے کے ہواباز کپتان کیپٹن ثروت حسین سے بات چیت کی لہٰذا بعد میں PK805 پرواز کراچی کے 07L25R کی پٹی پر بحفاظت اُتاری گئی۔ فوج نے ایک مرتبہ پھر ملک میں اپنا مخصوص ایکشن کرتے ہوئے مسلم لیگ کی حکومت ختم کی 12 اکتوبر کے اقدامات کے متعلق جنرل مشرف نے کہا۔

"12 اکتوبر 1999ء کو ہمارے پاس صرف دو راستے رہ گئے تھے کیا آئین کی خاطر ملک قربان کیا جائے؟ یا کہ آئین کا خاتمہ کر دیا جائے آئین مملکت کا حصہ ہے اس لیے میں اسے بچانے کا فیصلہ کیا میں اس بات سے بے خبر تھا کہ زمین پر کیا ہو رہا تھا؟ میرا ملک کی بھاگ دوڑ سنبھالنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں مارشل لا ایڈمنسٹریٹر بھی نہیں بننا چاہتا تھا۔ میں یہ سب نہیں کرنا چاہتا تھا مجھ پر یہ سب کچھ تھوپ دیا گیا فوجی ایکشن (Coup) میرے حکم کے بغیر کیا گیا۔"

14 اکتوبر 1999ء میں ملک میں ایمرجنسی نافذ کر دی گئی، آئین اسمبلیاں اور سینٹ کو معطل کر دیا گیا۔ گورنرز۔ وزراء اعلیٰ کو بھی فارغ کر دیا گیا۔ اعلیٰ عدالتوں کے اختیارات سماعت (Jurisdiction) کو محدود کر دیا گیا۔ مشرف خود چیف ایگزیکٹو گئے۔ عدالتوں اور صدر کو چیف

PakStudy.pk

ایگزیکٹیو کے حکم کا پابند بنا دیا گیا نئے فرمان کے تحت عدالتیں چیف ایگزیکٹیو کے کسی فرمان کے خلاف حکم جاری نہ کر سکتی تھیں۔

بعد میں آئین کے آرٹیکل نمبر 99 کا بے قاعدہ ڈیفیکیشن وزارت دفاع کے ایڈیشنل سیکرٹری نے جاری کر دیا۔ جس میں کہا گیا تھا کہ مسلح افواج کے چیفس آف سٹاف اور پاک فوج کے کور کمانڈروں کے فیصلہ کے مطابق جنرل مشرف چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی اور چیف آف آرمی سٹاف نے پاکستان بھر میں ہنگامی حالت کا نفاذ کر دیا ہے اور اسلامی جمہوریہ پاکستان کے چیف ایگزیکٹیو کا اختیار سنبھال کر حکم جاری کیا ہے کہ:

1. اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین برقرار رہے گا۔
2. صدر پاکستان (رفیق تارڑ) عہدہ صدارت اپنے پاس رکھیں گے۔
3. سینٹ کے چیئرمین وڈپٹی چیئرمین قومی اسمبلی کے سپیکر، ڈپٹی سپیکر صوبائی اسمبلیوں کے سپیکرز اور ڈپٹی سپیکرز معطل رہیں گے۔
4. وزیراعظم، وفاقی وزرائے مملکت، وزیراعظم کے مشیر، پارلیمانی سیکرٹری، گورنر، وزرائے اعلیٰ، صوبائی وزراء اور وزراء اعلیٰ کے مشیر اپنے عہدوں سے الگ متصور ہوں گے۔
5. پورے ملک پر مسلح افواج کا کنٹرول نافذ ہوگا۔

اس فرمان میں نہ تو مارشل لاء لگانے اور نہ ہی مارشل لاء عدالتوں کی تشکیل کا حکم دیا گیا تھا۔

17 اکتوبر 1999ء کو کیا گیا قوم سے خطاب:

اس خطاب کے اہم خدوخال درج ذیل تھے:

1. وطن تباہی و بربادی کی طرف جا رہا تھا۔ مگر ہمیں تعمیری راستے کی نشاندہی کرنا ہے۔
2. ملک میں انتشار، مایوسی، کرپشن اور نفرت روزمرہ کا معمول بن چکے تھے ایسے عناصر کی دل کھول کر سرپرستی کی گئی جو ملک سے بے زاری' اداروں کی توڑ پھوڑ اور علاقائی تعصب کو فروغ دے رہے تھے۔
3. ادارے تباہ ہو چکے تھے ہم بین الاقوامی طور پر اپنا اعتبار کھو چکے تھے علاقائی تعصب سے وفاق کو نقصان پہنچ رہا تھا۔

200 افراد کو موت میں جھونکنے کی ناکام کوشش کی گئی جہاز کے اندر صرف 07 منٹ کا ایندھن رہ گیا تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ جہاز اُتار لیا گیا۔

5. ہمارے ملک میں گزشتہ سالوں میں صرف برائے نام جمہوریت دیکھی جاتی رہی یہ جمہوریت ہر قسم کے جمہوری معیار سے خالی تھی اور عوام اس کے استحصال کا شکار رہے عوام کو دوبارہ جعلی اور پُرفریب جمہوری تماشے کے حوالے نہ کیا جائے گا میں ملک میں حقیقی جمہوریت قائم کروں گا۔
6. آئین محض عارضی طور پر زیرالتواء ہے یہ مارشل لاء نہیں ہے۔
7. قومی اعتماد اور مورال کی ازسرنو تعمیر، وفاق کو فروغ دینا، صوبوں کے مابین تعلقات کو بہتر بنانا ہمارا ہدف ہے۔
8. معیشت کی بہتری کے لیے سرمایہ کاروں کا اعتماد بحال کیا جائے گا۔
9. اب تک عوام محکوم رہے مگر اب وقت آ گیا ہے کہ عوام خود حکومت کریں۔
10. ملک میں میڈیا کو آزاد نیز پرائیویٹ میڈیا چینلز کو خدمات سرانجام دینے کی اجازت دی جائے گی۔

دس رُکنی کابینہ:

مشرف نے کور کمانڈرز اور مشیروں کے مشورے سے دس رُکنی کابینہ بنائی اس میں درج ذیل افراد شامل تھے۔

شوکت عزیز، وزیرخزانہ، زبیدہ جلال، وزیر تعلیم، عمر اصغر خاں وزیر بلدیات و دیہی ترقی، شفقت جاموٹ وزیر خوراک وزراعت، عبدالستار وزیر خارجہ، معین الدین حیدر وزیر داخلہ، عبدالرزاق راؤ، وزیر صنعت وتجارت، ڈاکٹر عبدالملک کانسی وزیر محنت وافرادی قوت، عباس سرفراز وزیر اُمور کشمیر، عثمان الدین، وزیر پٹرولیم۔

مشرف کا صدر پاکستان بن جانا:

20 جون 2001 کو PCO کے تحت ایک حکم نامہ جاری کر کے ایوان صدر میں موجود صدر رفیق تارڑ کو فارغ کر دیا گیا اور مشرف ملک کے پانچویں صدر بن گئے کیونکہ انہیں 14 تا 16 جون 2001ء کو دورہ بھارت کرنا تھا کیونکہ وہاں پر بہت اہم معاملات طے ہونا تھے۔

Pakistanstudy.pk

نائن الیون سانحہ:

11 ستمبر 2001ء میں نیویارک اور واشنگٹن میں دہشت گردی ہوئی اس سلسلے میں جہاز کی مدد سے ٹریڈ سنٹر کو اُڑا دیا گیا۔ٹون ٹاور(Twin Towers) گرے اور خاصے لوگ ہلاک وزخمی ہوئے۔امریکہ نے اس کا الزام القاعدہ تنظیم پر لگایا۔اس تنظیم کا سربراہ اُسامہ بن لادن تھا۔امریکہ نے اس سلسلہ میں افغانستان میں پیش قدمی کرنی تھی۔لہٰذا پاکستان کو دھمکی آمیز لہجے میں کہا گیا کہ کیا آپ دہشت گردی کی جنگ میں ہمارا ساتھ دیتے ہیں یا نہیں ساتھ سے مراد یہ ہوسکتا ہے۔

1. پاکستان کو امریکہ کے لیے اپنے تمام ہوائی اڈے پر اُترنے کی اجازت دینی ہوگی۔
2. امریکہ کو تمام عسکری فضائی اڈوں، فوجی مراکز اور سرحدوں کو استعمال کرنے کا حق دیا جائے۔
3. انٹیلی جنس کی معلومات کو بہتر بنایا جائے۔
4. طالبان کو دی جانے والی ہر قسم کی امداد فوری بند کردی جائے۔
5. اسامہ بن لادن نیٹ ورک کو ختم کرنے میں پاکستان اپنا کردار ادا کرے۔

اس سلسلہ میں کولن پاول (جنرل آمریکہ) نے پرویز مشرف سے ملاقات کی اور امریکی مقاصد کو واضح کیا مشرف نے بھی اپنے ملکی تحفظات سے پاول کو آگاہ کیا۔بہرحال صدر مشرف نے زمینی حالات کے مطابق اپنا فیصلہ دیا اور امریکہ کے ساتھ اتحاد کرنے کا اعلان کیا تاکہ ملک کو بچایا جاسکے۔بعد میں جب بون کانفرنس میں کرزائی کو صدر افغانستان بنایا تو حکومت پاکستان نے خاصا واویلا کیا۔

بعد ازاں سپریم کورٹ نے مشرف کو 3 سال کے لیے حکومت کرنے کی باقاعدہ آئینی اجازت دے دی۔

ریفرنڈم:

مشرف نے 5 سال کے لیے صدر منتخب ہونے کے لیے 30 اپریل 2002ء کو ریفرنڈم کرایا سرکاری دعویٰ کے مطابق 43979015 ووٹ کاسٹ ہوئے مشرف کو 42843334 ووٹ ملے۔

اکتوبر 2002ء کے انتخابات:

اکتوبر 2002ء کو عام انتخابات کرائے گئے جس میں متحدہ مجلس عمل قومی اسمبلی میں

57 نشستیں لیکر 03 بڑی جماعت اُبھری۔

نومبر 2002ء میں PPP کے 14 اراکین اسمبلی نے اپنا الگ گروپ پیٹریاٹ بنایا اور مسلم لیگ (ق) کی حمایت شروع کردی مسلم لیگ (ق) نے MQM سے تعاون کیا لہٰذا اُن کی حکومت بن گئی۔

ایل ایف او کی منظوری سے پہلے MMA کا موقف تھا کہ مشرف بیک وقت دو عہدے اپنے پاس نہیں رکھ سکتے مگر بعد میں انہوں نے سیاسی مصلحتوں کی بنیاد پر مشرف کے اقتدار کی خود حمایت کردی۔

بے نظیر اور نواز شریف کا دوبارہ ملک میں واپس آنا

حکومت کے بعض معاہدات اور غیر ملکی سربراہان کی دلچسپی کے پیش نظر اکتوبر 2007ء کو بے نظیر اور نواز شریف ملک میں واپس آگئے کیونکہ جنوری 2008ء میں انتخابات منعقد ہوئے تھے بے نظیر 18 اکتوبر 2007 کو واپس آئیں، حکومت نے قومی مفاہمتی آرڈیننس کے ذریعے ان کے تمام مقدمات واپس لے لیے تھے۔27 دسمبر کو وہ راولپنڈی لیاقت باغ میں انتخابی مہم کا آخری جلسہ کررہی تھیں جلسہ ختم کرنے کے بعد وہ سٹیڈیم کے ایک دروازے سے باہر آرہی تھیں اُن کی جیپ میں ناہید خاں۔شیریں رحمان، خالد شہنشاہ (باڈی گارڈ) موجود تھے۔بعض افراد باہر کھڑے PPP کے حق میں نعرے لگا رہے تھے بے نظیر صاحبہ نے اُن کے نعروں کے جواب دینے اور ان کی حوصلہ افزائی کرنے کے لیے جیپ کے سن روف راستے سے اپنا سر اوپر نکالا لہٰذا اسی اثنا میں انہیں بعض افراد نے سر میں گولیاں مار کر ہلاک کرڈالا۔

اُن کا پوسٹ مارٹم بھی نہ کرایا گیا بعد ازاں حکومتی بیان میں اُن کی موت کی وجہ سن روف کا لیور قرار دیا گیا کہ اُن کو فائرنگ سے گولیاں نہ لگی تھیں مگر جب وہ اپنی سیٹ پر بیٹھنے لگیں تو سن روف کا لیور ان کے سر پر لگا جس سے ان کی موت واقعہ ہوگئی۔

اُن کی موت پر سرکاری طور پر تین دن کے سوگ کا اعلان کیا گیا انتخابات 18 فروری 2008ء کو کروانے کا اعلان ہوا۔PPP نے اُن کے قتل کی تحقیق اقوام متحدہ کمیشن سے کرانے کی استدعا کی بعد میں حکومت نے سکاٹ لینڈ یارڈ کی تحقیقات ٹیم کو اس قتل کا راز افشاں کرنے کے لیے بلایا مگر وہ بھی کسی خاص اندازے تک نہ پہنچ سکے حکومت نے اس قتل کو بیت اللہ محسود کے نام منسوب کیا کیونکہ سرکاری ذرائع نے فون ٹیپ ریکارڈ سے اس کا سراغ لگایا 28 دسمبر 2007ء کو انہیں اپنے والد ذوالفقار علی بھٹو کے پہلو گڑھی خدا بخش میں دفن کیا گیا۔بعد ازاں بے نظیر صاحبہ کی وصیت منظر عام پر آئی جس

PakistanStudy.com

میں پارٹی چیئرمین آصف علی زرداری کو مقرر کرنے کے متعلق کہا گیا تھا۔ حالانکہ بے نظیر کی سیکرٹری ناہید خاں نے اعلان کیا تھا کہ بے نظیر نے کبھی ان سے اس وصیت کے متعلق ذکر نہ کیا تھا۔

18 فروری 2008ء کے انتخابات:

18 فروری 2008ء کو بیک وقت قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوئے اس میں پیپلز پارٹی نے سب سے زیادہ نشستیں حاصل کیں اُن کے بعد قومی اسمبلی میں مسلم لیگ (ن) نے زیادہ نشستیں حاصل کیں اُس کے بعد مسلم لیگ (ق) آئی۔ لہٰذا مسلم لیگ (ن) اور PPP نے بعض ایک جیسے مسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے اتحاد بنالیا۔ مگر بعد میں یہ اتحاد ٹوٹ کھڑا تا رہا۔

3 نومبر 2007ء کا واقعہ:

جنرل پرویز مشرف نے بیک وقت 2 عہدوں پر قبضہ جمار کھا تھا جیسے جیسے ملک میں مہنگائی، بے روزگاری۔ لاقانونیت اقربا پروری بڑھتی گئی لوگ مشرف حکومت سے تنگ آتے گئے۔ لہٰذا مشرف کے لیے خلاف سیاسی فضا بنتی گئی 9/11 کے طور پر پاکستان کی سیاسی پالیسی کے خلاف متعدد بار بعض افراد کی طرف سے جنرل مشرف پر قاتلانہ حملے بھی کیے جا چکے تھے۔ امریکہ کو خوش کرنے کے لیے بعض افراد کو حکومتی ایجنسیوں نے خود تحویل میں لے کر انہیں لامقام پر منتقل کر دیا، مثلاً ڈاکٹر عافیہ صدیقی نامی کیس وغیرہ نہایت اہم ہیں۔ امریکہ نے بعض افراد کو پکڑ کر بگرام (افغانستان) جیل اور گوانتاموبے بھیج دیا گیا جہاں ان پر وحشیانہ تشدد کیا جاتا رہا تھا۔ ملک میں آئین کی موجودگی میں لاپتہ افراد (Missing Persons) کے لواحقین نے سپریم کورٹ کا دروازہ کھٹکھٹایا تا کہ اُن کے افراد بازیاب ہو سکیں۔ سپریم کورٹ نے اس ضمن میں وزارت داخلہ اور دوسروں ایجنسیوں کو اس معاملے میں شامل کیا۔ اُن پر قانونی دباؤ ڈالا گیا کہ لاپتہ افراد کو بازیاب کرا کر عدالت میں پیش کیا جائے۔ مگر حکومت جوڈیشری کے اس عمل کو اپنے کام میں مداخلت متصور کر رہی تھی۔

دوسری طرف چیف جسٹس آف پاکستان افتخار محمد چودھری نے سوموٹو (از خود نوٹس) کے تحت سٹیل مل کی نجکاری کے عمل کو شفاف بنانا چاہا۔ اور دوسری طرف بعض سیاسی جماعتوں کے اہلکار صدر کی دوہری شخصیت (آرمی چیف صدر) کو بھی آئینی طور پر چیلنج کرنا چاہتے تھے۔ سپریم کورٹ دھڑا دھڑ آئین کے مطابق اپنا کام کیے جا رہی تھی لہٰذا صدر مملکت نے چیف جسٹس کو راولپنڈی کیمپ میں بلا کر

استعفیٰ دینے کی فرمائش کر دی مگر وہ ڈٹ گئے کہ وہ استعفیٰ نہ دیں گے۔ بعد ازاں اُن کے خلاف ریفرنس دائر کر کے سپریم جوڈیشل کونسل کے پاس بھیج دیا گیا جس میں اُن پر کرپشن اور عہدے کا ناجائز فائدہ اٹھانے کے الزامات لگائے گئے۔ سپریم کورٹ کے فل بینچ کے سربراہ مسٹر جسٹس خلیل الرحمان رمدے صاحب تھے جو ایک باضمیر اور عبادت گزار شخصیت کے مالک تھے۔ انہوں نے نہایت ایمانداری کے ساتھ اس کیس کو نمٹایا اور افتخار چودھری کو چیف جسٹس کے عہدے پر فائز کر دیا۔

اس کے بعد صدر کی اہلیت کا مسئلہ سپریم کورٹ میں لایا گیا کہ آیا ایک شخص بیک وقت آرمی چیف اور صدر پاکستان رہ سکتا ہے اس ضمن میں آئین کیا کہتا تھا؟

اُن کا معاملہ ابھی سپریم کورٹ میں زیر سماعت تھا اس مقدمہ میں نامور وکلا اعتزاز احسن، شریف الدین پیرزادہ وغیرہ پیش ہوتے رہے۔ عین اُس وقت پر جب صدر کی اہلیت کا فیصلہ لکھا جانا تھا یا لکھا جا چکا تھا یا لکھا جا رہا تھا صدر مملکت پاکستان پرویز مشرف نے 3 نومبر کو ملک میں ایمرجنسی نافذ کر کے عدلیہ کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیا جس کے نتیجہ میں 70 سے زائد (سپریم کورٹ، ہائی کورٹس) کے ججوں کو فارغ کر دیا گیا انہیں PCO کے تحت حلف لینے کے لیے بلایا ہی نہ گیا۔ معزول چیف جسٹس اور دوسری نے ججز کو گھروں میں قید کر دیا گیا۔ پرویز مشرف کے اس عمل کے خلاف لوگوں میں بے چینی بڑھ گئی۔ وکلا نے اس سلسلہ میں ایک محترک تحریک چلائی۔ تا کہ 3 نومبر والے اقدامات کو اپنے انجام تک پہنچایا جائے۔

جب جمہوری حکومت قائم ہوئی تو PPP کے لیے وزیر اعظم جناب یوسف رضا گیلانی نے اپنے پہلے خطاب میں تمام قید ججز کو رہا کرنے کا اعلان کیا بعد ازاں معزول جسٹس خلیل الرحمن رمدے نے جیو میں ایک انٹرویو کے دوران انکشاف کیا کہ ایمرجنسی لگانے کے صدارتی آرڈر کو سپریم کورٹ نے پہلے ہی اپنے ایک فیصلے میں کالعدم اور خلاف قانون قرار دے دیا تھا اصل میں 3 نومبر کا اقدام مارشل لاء لگانے کا تھا موجودہ چیف جسٹس آف پاکستان عبدالحمید ڈوگر کی آئینی اور قانون حیثیت کوئی نہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ صدر کا 3 نومبر کا اقدام عدلیہ پر حملہ تھا اگر صدر کی اہلیت کے مسئلے پر ہم خاموش رہتے یا اس مقدمہ کو کھڑے لائین لگا دیتے تو مشرف ہرگز یہ کاروائی نہ کرتا۔

مگر ہمارا تصور یہ ہے کہ ہم نے اپنے ضمیر سے فیصلہ کیا ہمیں جائیدادیں دولت کی کوئی طلب نہ ہے۔ جب اُن سے ''جیو'' نے سوال کیا کہ چیف جسٹس آف پاکستان عبدالحمید خان ڈوگر آپ تمام کو ججز کے عہدے سے فارغ کر چکے ہیں تو اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ ان کے اس فیصلے کی کوئی قانونی اہمیت نہ ہے۔

مری، بھوربن ڈیکلریشن:

مسلم لیگ (ن) کے نواز شریف اور PPP کے چیرمین آصف علی زرداری نے اسمبلی کے اجلاس سے قبل مری میں ایک ڈیکلریشن پر دستخط کئے اس مین واضح اعلامیہ کا اعلان کیا گیا تھا کہ ایک ماہ کے عرصہ تک عدلیہ کو 3 نومبر والی اصلی حالت میں لایا جائے گا تمام معزول ججز کو بحال کر دیا جائے گا۔ وکلاء نے بھی اپنی عملی جدوجہد کو ایک ماہ کیلیے معطل کر دیا PPP نے معزول چیف جسٹس افتخار محمد چودھری سے گزارش کی کہ وہ پاکستان میں کسی بھی بار کونسل سے خطاب نہ کریں۔ لہٰذا انہوں نے انکی گزارش قبول کر لی بعد ازاں ایک ماہ بعد تک بھی ججز کو بحال کرنے میں کوئی خاطر خواہ پیش رفت دیکھنے میں نہ آئی۔ PPP کی حکومت نے عندیہ پیش کیا کہ اس مسئلہ کو ایک آئینی پیکج کے ذریعے حل کیا جائے گا۔ یہ آئینی پیکج تمام سیاسی جماعتوں کے اکابرین کو بھیجا جائے گا جس کی وہ توثیق کریں گے اس مین ردوبدل سیاسی جماعتوں کے قائدین کے مشورے سے ہی کیا جائے گا۔

مگر یہ سیاسی پیکج بھی بعض مصلحتوں کا شکار ہو گیا اور کوئی واضح ایجنڈا سامنے نہ آیا۔

بیرسٹر اعتزاز احسن اور بعض نامور قانون دان منیر اے ملک، علی احمد کرد وغیرہ اس امر پر زور دیتے رہے کہ ججز کو ایک ایگزیکٹو آرڈر کے ذریعے بحال کیا جا سکتا ہے۔ خواہ مخواہ پیکج کے مسئلہ مین الجھا کر حکومت اپنے مقاصد حاصل کر رہی ہے آئین دان عبدالحفیظ پیرزادہ نے قرار دیا کہ آئین میں ترمیم صرف آئین میں بیان کردہ آرٹیکلز کے تحت دی جانی چاہیے ورنہ ہر کوئی آئین کے بغیر اپنے من چاہے فیصلے دے کر آئین کو پامال اور اپنے عزائم کو تقویت دیتا رہے گا۔

اپوزیشن کے سربراہ شجاعت حسین اور پرویز الٰہی نے واشگاف الفاظ میں اخبارات میں بیان دیئے کہ موجودہ حکومت کبھی بھی ججز بحال نہ کرا سکے گی۔ ججوں کی بحالی کے لیے اسمبلی میں ہم قرارداد لائیں گے۔

جب مسلم لیگ (ن) نے اپنے دیئے گئے ٹارگٹ پر ججز کو بحال ہوتے ہوئے نہ پایا تو اس نے قومی اسمبلی سے اپنے وزراء کو استعفیٰ دینے کا حکم دیا بعد ازاں تمام لیگی وزراء کے استعفیٰ وزیراعظم کو پیش کر دیئے گئے مگر آصف علی زرداری نے ان استعفوں کو موخر کرنے کا حکم دے دیا۔ اس میں مزے کی بات یہ بھی کہ یہ وزراء بعد ازاں استعفیٰ دے کر بھی اپنی تنخواہوں اور مراعات سے لطف اندوز ہوتے رہے۔

نواز شریف اور بعض دوسری جماعتوں ANP وغیرہ نے صدر کے مواخذے کے بارے میں تحریک چلانے کا اعلان کیا مگر PPP والے مغالطے کا شکار ہو گئے۔ جون 2008ء میں شہباز شریف

دوسری طرف نواز شریف نے اعلان کیا کہ وہ PCO ججز کے سامنے اپنی اہلیت کو اپیل نہیں کریں گے مگر PPP کی حکومت نے بذریعہ اٹارنی جنرل سپریم کورٹ میں ان کی اپیل درج کرائی بعد ازاں پنجاب میں سلیمان تاثیر کو گورنر مقرر کر دیا گیا جس کا پنجاب حکومت نے خوب برا منایا۔ کیونکہ سلیمان تاثیر سرعام مسلم لیگ (ن) پر حرف طعن کرتے ہوئے بیان بازی کرنے میں مشہور تھے جس سے PPP اور مسلم لیگ (ن) میں اختلاف بڑھتا ہوا نظر آنے کا امکان تھا۔

دوسری طرف آصف علی زرداری کبھی تو سابقہ عدلیہ پر الفاظ بازی کرتے کہ جب وہ جیلمیں تھے تو عدلیہ سے انہیں کوئی انصاف نہ ملا خود چیف جسٹس نے ان کی ضمانت قبول نہ کی۔ کبھی کہتے کہ صدر مشرف کو چاہیے کہ وہ خود ہی استعفیٰ دے دیں عنقریب ہم ایک ایسا صدر قوم کے سامنے پیش کریں گے جو جئے بھٹو کے نعرے لگائے گا کیونکہ وہ از خود صدر بننا چاہتے تھے اور وہ بعد میں اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو گئے اور اپنے بعض بیانات میں صدر کو مواخذے کا بھی عندیہ دیئے لہٰذا ان کا کوئی واضح عمل سامنے نہ آ سکا۔ دوسری طرف جولائی 2008ء میں وکلاء نے لانگ مارچ کا اعلان کیا یہ لانگ مارچ لاکھوں افراد پر مبنی تھا جو کہ اسلام آباد میں پہنچ کر اور دل کی بھڑاس نکال کر واپس آ گیا۔ اب وکلا نے 14 اگست 2008 تک ججز کو بحال کرنے کا ٹائم ٹیبل دیا تھا کہ اگر معینہ مدت سے پہلے ججز بحال نہ ہوئے تو پھر لانگ مارچ سے بھی زیادہ زوردار قسم کی تحریک چلائی جائے گی اعتزاز احسن نے وزیراعظم گیلانی پر واضح کیا کہ وہ شہید بے نظیر بھٹو کی وصیت کو عملی جامہ پہنائیں اور ججز کو بحال کریں۔ 26 جولائی 2008ء میں وزیراعظم یوسف رضا گیلانی امریکہ کے دورے پر چلے گئے اس دورے پر جانے سے پہلے انہوں نے صدر مشرف سے ملاقات نہ کی۔ پیپلز پارٹی نے آہستہ آہستہ مشرف کے اقتدار کے گرد گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا۔ مشرف کے خلاف عدم اعتماد کی تحریک پیش کر دی گئی۔ مگر مشرف نے اپنی موجودہ صورتحال دیکھ کر 18 اگست 2008ء میں استعفیٰ دے دیا حالانکہ وہ اپنے آپ کو مضبوط صدر کہتے نہ تھکتے تھے انہوں نے اپنی الوداعی تقریر برملا کہا "ملک و قوم کو مزید بحران اور عدم استحکام سے دوچار نہیں کرنا چاہتا' مواخذہ پارلیمنٹ کا اور دفاع میرا حق ہے۔ مگر مواخذے کی ناکامی یا کامیابی دونوں صورتوں میں نقصان ملک کا ہوتا ہے اور پھر ایوان صدر کے تعلقات حکومت کے ساتھ کشیدہ ہی رہیں گے۔ میں نے مکمل مفاہمت کی اپیلیں کیں مگر انہیں نظر انداز کر دیا گیا۔ کیا یہ درست ہو گا کہ قومی وحدت کی علامت صدر کے عہدے کو مواخذے کے عمل سے گزارہ جائے"۔ ان کے بعد میاں محمد سومرو نے قائم مقام صدر کا عہدہ سنبھالا۔

بعدازاں حکمران اتحاد کا اجلاس ہوا (ن) لیگ نے صدارت کے لیے مینگل اور اچکزئی کا نام پیش کیا جبکہ PP نے فہمیدہ مرزا، فریال تالپور اور آفتاب شعبان میرانی کا نام پیش کیا۔

مگر پھر یکدم آصف علی زرداری (شوہر بے نظیر) کا عہدہ صدارت کے لیے نام سامنے آیا۔ اس وقت نواز مسلم لیگ اور PPP میں معاہدہ بھوربن سے بے وفائی کی وجہ سے دراڑ پڑ چکی تھی۔ نواز لیگ نے ریٹائرڈ جسٹس وجیہہ الدین کو صدارت کے لیے اپنا اُمیدوار منتخب کیا۔ مگر آخر کار زرداری صدر بن گئے۔ مگر ملک بدستور مشرف پالیسیوں پر ہی گامزن رہا۔ نہ تو عدلیہ کو بحال کیا جاسکا اور نہ ہی مغربی سرحدی علاقوں میں امن وامان کا سلسلہ درست ہوا۔ PPP حکومت نے آہستہ آہستہ معزول کیے ہوئے بعض ججز کو حلف لے کر بحال کر دیا۔ مگر چیف جسٹس افتخار محمد چودھری اور کچھ دوسرے ججز کا مسئلہ پہلے کی طرح کھٹائی میں پڑا رہا۔ بالآخر نواز لیگ نے کھل کر حکومت کی بعض پالیسیوں پر تنقید کرنا شروع کر دی۔ انہوں نے اپنی سیاست کو اصولوں کی سیاست قرار دیا اور واشگاف اعلان کیا کہ اگر حکومت مری ڈیکلریشن پر کاربند ہو جائے اور ججز کو بحال کر دے تو اس کے ساتھ بھرپور تعاون کیا جاسکتا ہے۔

بالآخر علی احمد کرد (صدر سپریم کورٹ بار) نے 12 مارچ 2009ء کو لانگ مارچ کی کال دے دی۔ صدر زرداری نے اس کے متعلق واشگاف بیان دیا کہ ہم وکلاء کو سبق سکھا دیں گے۔ مگر آتے آتے دیکھیے ہوتا کیا ہے؟ دوسری طرف امریکہ میں صدر بش رخصت ہو چکے تھے اور ان کی جگہ نئے صدر اوباما کی حکومت کی شروع ہوگئی مگر پھر بھی ملک میں ڈرون حملے بند نہ ہوئے۔ افغان پالیسی جوں کی توں رہی۔ بھارت کے شہر ممبئی میں بعض شر پسند عناصر نے تاج ہوٹل وغیرہ پر حملہ کر دیا۔ بھارت سرعام جنگ کی دھمکیاں دینے لگا۔ مگر وہ اپنے مقصد میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ دوسری طرف اسرائیل نے غزہ کے علاقے پر حملہ کر کے 200 سے اوپر نہتے معصوم لوگوں کو موت کی ابدی نیند سلا دیا۔ حکومت پاکستان نے کھل کر اس وحشیانہ مظالم کی خدمت کی۔ مگر ملکی سیاسی سلسلہ اب بھی اپنی منازل طے کر رہا ہے۔ ممبئی حملوں کے سلسلہ میں اجمل قصاب کا نام سامنے آیا جس کے متعلق مختلف قسم کے الزامات لگائے گئے تھے۔

مارچ 2009ء میں ایک عدالتی فیصلے کے تحت شریف برادران کو نااہل قرار دے دیا گیا یہ فیصلہ سپریم کورٹ آف پاکستان نے کیا تھا لہٰذا پنجاب میں مسلم لیگ (نون) کی حکومت ختم ہوگئی۔ صدر آصف علی زرداری نے پنجاب میں فوری طور پر گورنر راج کا نفاذ کر دیا۔ اس عدالتی فیصلے سے ملک ایک مرتبہ پھر نہ ختم ہونے والے سیاسی بحران کی نذر ہو گیا تھا۔ دوسری طرف وکلاء نے چیف جسٹس افتخار محمد

چودھری کو بحال کرنے کیلئے اپنی سرگرمیاں تیز کر دی تھیں اور 16 مارچ 2009ء کو لانگ مارچ کی کال دے دی۔ نواز شریف اور شہباز شریف نے سرعام جلسے کر کے PPP کی حکومت اور خاص طور پر صدر آصف علی زرداری پر خوب تنقید کی۔ مگر آصف علی زرداری اپنے اس مؤقف پر ڈٹے رہے کہ افتخار محمد چودھری سیاسی ہو چکے ہیں۔ ان کو کبھی بھی بحال نہ کیا جائے گا۔ 16 مارچ 2009ء کے وکلاء کے لانگ مارچ سے قبل دفعہ 144 نافذ کر دی گئی' پکڑ دھکڑ شروع ہوگئی۔ مگر میاں محمد نواز شریف نے ایک سچے پاکستانی ہونے کا ثبوت پیش کیا۔ انہوں نے جان ومال کی پرواہ کیے بغیر 16 مارچ کے لانگ مارچ کو اس وقت کامیاب بنا دیا جب وہ پولیس کی زبردست رکاوٹوں کے باوجود لانگ مارچ میں شامل ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ لوگوں کا ایک بہت بڑا سیلاب سڑکوں پر اُمڈ آیا۔ 17 مارچ کی رات جب یہ قافلہ کامونکی تک پہنچا تو چیف آف آرمی سٹاف کیانی صاحب نے وزیراعظم اور صدر سے ملاقات کی اور انہیں پیغام دیا کہ عوام کی امنگوں کے مطابق حکومت اپنا کردار ادا کرے۔ اس ضمن میں جنرل کیانی کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ بہرحال حکومت نے گھٹنے ٹیک دیئے اور 17 مارچ کو ہی وزیراعظم کے ایک نوٹیفکیشن کے تحت چیف جسٹس افتخار محمد چودھری اور دوسرے ججز بحال کر دیئے گئے۔ جب جسٹس عبدالحمید ڈوگر ریٹائرڈ ہو گئے تو انہیں 21 مارچ 2009ء سپریم کورٹ کا قلمدان سونپ دیا گیا۔ دوسری طرف سپریم کورٹ کے فیصلہ (نااہلی شریف برادران) کے تحت نظر ثانی (Review) پٹیشن جمع کرا دی گئی۔ جس نے Status quo دے دیا لہٰذا پنجاب میں ایک مرتبہ پھر (ن) لیگ کی حکومت بحال ہوگئی۔ (ق) لیگ کے 57 افراد نے فارورڈ بلاک بنا لیا تھا۔ ملک میں دہشت گردی اور مہنگائی کا جن سرعام ناچنے لگا۔ لبرٹی میں سری لنکا کی کرکٹ ٹیم پر حملہ، مناواں میں پولیس ٹریننگ سینٹر پر حملہ، اور سرحد میں بم دھماکے روز کا معمول بن گئے۔ 6 اپریل 2009ء کو خودکش حملے روکنے کے لیے حکمت عملی کے تحت صوبے میں 20، 20 ہزار نفری پر مشتمل خصوصی پولیس فورس قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ کیونکہ طالبان لیڈر بیت اللہ محسود نے پنجاب میں بڑا حملہ کرنے کی دھمکی دے دی تھی۔

سوالات

سوال نمبر 1۔ جنرل ضیاء کی وفات کے بعد صدر غلام اسحاق خان نے کن قسم کے فوری اقدامات کیے ان کو تفصیلاً بیان کریں۔

سوال نمبر 2۔ جونیجو حکومت ٹوٹنے پر باقاعدہ اس عمل کو عدالت سے رجوع کیا گیا تھا۔ عدالت نے اسمبلی

Pakistanstudy.pk

توڑنے کے صدارتی اقدامات کے متعلق کیا کہا؟

سوال نمبر3۔ضیاء حکومت کے بعد چھ بڑے حل طلب مسائل کیا تھے؟ کیا ان کو حل کرنے کی کوشش کی گئی؟ اگر کی گئی تو کس حد تک کامیابی حاصل ہوئی؟

سوال نمبر4۔1958ء کے انتخابات کی کی جانے والی انتخابی مہم، انتخابات کے نتائج اور واقعات کو تفصیلاً بیان کریں۔

سوال نمبر5۔بے نظیر دور حکومت کو پیش مسائل کا احاطہ کریں۔بے نظیر نے صدر کے ساتھ کس قسم کا رویہ رکھا۔نیز انہوں نے نواز شریف سے کیسا سلوک کیا؟ ان سارے عوامل پر سیر حاصل بحث کریں۔

سوال نمبر6۔فوج اور بے نظیر میں کش مکش کیسے منظر عام پر آئی؟ اس کو بیان کریں۔

سوال نمبر7۔بے نظیر حکومت کیوں برخاست کی گئی؟ اس کے پیچھے محرکات بیان کریں۔

سوال نمبر8۔1990ء کے انتخابات میں نواز حکومت کی کارگزاریاں بیان کریں۔

سوال نمبر9۔پاکستان کی سیاست میں صدر کا کردار بیان کریں۔

سوال نمبر10۔نواز شریف نے آٹھویں ترمیم ختم کرنے کے لیے کیا کوششیں کیں؟ نیز ان کی اسمبلی کیونکر ختم کردی گئی؟

سوال نمبر11۔بے نظیر کی دوسری مرتبہ حکومت میں جلد ہی اسمبلی کیوں توڑی گئی؟ اس کے پیچھے محرکات کو واضح کریں۔

سوال نمبر12۔1999ء کو نواز شریف کی حکومت کیوں توڑی گئی؟ کیا اس نے ملٹری کے خلاف کوئی پالیسی بنائی تھی؟ اگر بنائی تھی تو وہ پالیسی کیا تھی؟

سوال نمبر13۔پرویز مشرف حکومت کیونکر وجود میں آئی؟ اس نے اپنی حکومت کو کیسے مضبوط بنایا؟

سوال نمبر14۔مختصراً نوٹ لکھیں۔

(i) 9/11 واقعہ (ii) مشرف کا ریفرنڈم (iii) 3 نومبر 2007ء کا عدالتی بحران کا واقعہ

(iv) مری بھوربن ڈیکلریشن۔

☆☆☆

باب نمبر9

آئینی ترامیم کا مطالعہ

SUTDY OF THE CONSTITUTIONAL AMENDMENT

پس منظر:

Back Ground

1985ء میں صدر ضیاء الحق صدر نے تو انہوں نے صدارتی فرمان نمبر14 کے تحت 1973ء کے آئین میں کچھ تبدیلیاں کیں۔اس صدارتی فرمان کے زیر نظر مارشل لاء اٹھالیا گیا اور مارشل لاء کے سائے تلے سویلین حکومت قائم کردی گئی۔ 1985ء میں غیر جماعتی انتخابات کرائے گئے جنرل ضیاء الحق نے محمد خان جونیجو کو وزیر اعظم مقرر کیا بعد ازاں ضیاء نے انہیں بلیک میل کر کے اپنا فرمان نمبر14 اسمبلی سے منظور کرالیا اس سے قبل جب صدر نے آئین میں آٹھویں ترمیم کرنی چاہی تھی تو اسمبلی نے اس میں کچھ تبدیلی کر کے اسے منظور کرلیا۔آٹھویں ترمیم نے تو پارلیمنٹ نظام کا حلیہ ہی تبدیل کر دیا 1973ء کے آئین میں پارلیمنٹ کی سپریمسی کو واضح حیثیت حاصل تھی قومی اسمبلی آزادانہ طریقے سے صدر کی مرضی کے بغیر وزیر اعظم منتخب کرسکتی تھی مگر آٹھویں ترمیم کی وجہ سے صدر کو وزیر اعظم اور اسمبلی سے بالاتری حاصل ہوگئی اس سے صدارتی قسم کا ڈھانچہ سامنے آیا۔جس میں صدر ہی تمام اختیارات کا مرجع بنتا جارہا تھا۔ضیاء نے آئین کا حلیہ اس حد تک بگاڑ دیا کہ اس کو 1985 کا ضیائی دستور کا نام حاصل ہوگیا۔

آٹھویں ترمیم کے تحت صدر کا 58(2)b کا اختیار نے اسے بادشاہ بنادیا وہ صوابدیدی تحریک پر براہ راست بغیر کسی کے مشورے کے اسمبلیاں توڑ سکتا تھا۔

58(2)b کے تحت "(2) آرٹیکل 48 کی شق (2) میں شامل کی امر کے باوجود صدارتی صوابدید پر قومی اسمبلی کی توڑ سکے گا اس کی رائے میں (b) ایسی صورتحال پیدا ہوگئی ہو جس میں وفاق کی حکومت دستور کیا احکام کے مطابق چلائی نہ جاسکتی ہو اور انتخاب کنندگان نے فیصلہ چاہنا ضروری ہو"

18 اپریل 1993 کو جب صدر مملکت نے قومی اسمبلی کو توڑ دیا تو اس وقت کے وزیر اعظم

Pakistanstudy.com

میاں نواز شریف نے عدالت عظمیٰ میں اس کی بحالی کے لیے پٹیشن دائر کر دی اگرچہ 26 مئی 1993ء ایک جج کے علاوہ دس ججز کی اکثریت نے اپنی رائے کے ساتھ قومی اسمبلی کو بحال کر دیا تاہم مسٹر جسٹس سجاد علی شاہ نے ان کے موقف سے اختلاف کیا اور اپنے فیصلے میں لکھا کہ صدر کی رائے عدالت کی مرہون منت نہ ہے اگر صدر نے کوئی ایسی رائے اختیار کر لی ہو تو عدلیہ کو چاہیے کہ اس کے حکم کو برقرار رکھے اور مقتدر نے اپنے فیصلے میں قرار دیا کہ صدر کے قومی اسمبلی کے توڑنے کے اقدام سے نہ صرف آرٹیکل نمبر 17 کے تحت بنیادی حقوق متاثر ہوئے تھے بلکہ دستور کے آرٹیکل نمبر 14 کے پہلے حصے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے وزیراعظم کو معزول کیا گیا اس لیے میں قومی اسمبلی کو بحال کرنے کی آئینی درخواست کو منظور کرتا ہوں۔

b(2)58 کا پہلا شکار محمد خاں جونیجو ہوا جس کی حکومت 29 مئی 1988ء کو ختم کر دی گئی بعد ازاں اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے صدر غلام اسحاق خان نے بے نظیر کی حکومت یکم اگست 1990 میں اور بعد ازاں ان کی حکومت صدر فاروق لغاری نے 5 نومبر 1996ء کو برخاست کی نواز شریف کی حکومت بھی غلام اسحاق نے b(2)58 کے تحت 8 اپریل 1993ء کو ختم کی۔ صدر اکثر اوقات مختلف سیاسی اور دیگر مسائل کو انتخابات میں رکاوٹ قرار دے کر انتخابات کا عمل غیر معینہ مدت کے لیے ٹالتا رہا۔

پاکستان مسلم لیگ (ن) دوبارہ انتخابات میں آکر h(2)58 ختم کرنا چاہتی تھی کہ 12 اکتوبر 1999ء کو ان کی چھٹی کرا دی گئی۔

1973 کے آئین میں تیرھویں ترمیم

THIRTEENTH AMENDEMENT IN 1973

یکم اپریل 1997ء کو سینٹ اور قومی اسمبلی (دونوں ہاؤسز) نے اکٹھے یک خیال ہو کر ایک بل پاس کر دیا جس کو تیرھویں ترمیم ایکٹ برائے سال 1997 کہا جاتا ہے اس ایکٹ کے تحت صدر کے اختیارات برائے تحلیل اسمبلی، برخاست اسمبلی اور سروس چیفس مقرر کرنے کو ختم کیا گیا جب یہ بل پاس ہوا تو یہ صورتحال سامنے آئیں۔

1۔ آرٹیکل 58 کلاز (2) ذیلی دفعہ (b) جو ایسی پڑھی جائے

''ایک ایسی صورتحال پیدا ہو جائے کہ مرکزی حکومت آئینی دفعات کے تحت حکومت چلانے

کے قابل نہ رہے تو انتخابات کرانے کی اپیل کرے۔

2۔ آرٹیکل نمبر 101 کی دفعہ (1) میں الفاظ ''اصلاح مشورے کے بعد'' کو ''کے مشورے پر سے'' تبدیل کر دیا گیا اس سے صدر اب Bound ہو چکا تھا کہ وہ صوبے کے گورنرز کو وزیراعظم کے مشورے سے مقرر کرے۔

3۔ آرٹیکل نمبر 112 کی کلاز (2) ذیلی دفعہ (b) میں درج تھا ''ایسی صورت حال پیدا ہو گئی ہو جس میں صوبے کی حکومت دستور کے احکام کے مطابق چلائی نہ جا سکتی ہو اور انتخاب کنندگان سے فیصلہ چاہنا ضروری ہو تو اس سلسلہ میں اپیل نہیں کی جا سکتی'' کو حذف کر دیا گیا۔

4۔ آرٹیکل نمبر 243 کلاز (2) ذیلی سیکشن (c) کے الفاظ ''کی صوابدید پر'' کو حذف کیا گیا اب صدر کو صوابدیدی اختیار نہ رہا تھا کہ وہ اپنی مرضی کے ساتھ آرمی چیف کو منتخب کر سکے۔

آئین میں چودھویں ترمیم

30 جون 1997ء سینٹ نے بغیر قومی اسمبلی کی مرضی کے ایک بل متعارف کرایا جسے بعد میں یکم جولائی 1997ء کو قومی اسمبلی نے منظور کر لیا اس بل کے ذریعے فلور کراسنگ، ہارس ٹریڈنگ اور سیاسی کارکنوں کو بلیک میلنگ سے محفوظ بنانا تھا۔ اس بل کو پاس کرانے کے بعد توقع ظاہر کی جا رہی تھی کہ اس سے ملک میں سیاسی استحکام میں بہتری آئے گی ہر رکن اسمبلی آزادانہ مرضی سے اپنے فیصلے کر سکے گا اور ماضی میں ان لعنتوں سے جو سیاسی ابتری منظر عام پر آئی تھی اس کا خاتمہ ہو سکے گا۔

اس ایکٹ کے تحت نیا آرٹیکل A-63 کے مطابق ''اگر کسی پارلیمانی پارٹی کا کوئی ممبر انحراف کا مرتکب ہوا تو پارٹی کا سربراہ اس کے نام تحریری نوٹس جاری کر کے یا سربراہ کی طرف سے کوئی بااختیار شخص جسے پارٹی کے سربراہ نے ایسا اختیار تفویض کیا ہو ایسا نوٹس جاری کر کے اسے سات دن کے اندر اظہار وجوہ کے لیے کہے گا کہ اس کے خلاف کیوں نہ اعلامیہ جاری کیا جائے شق ہذا کے تحت نوٹس جاری کیے جائے کی صورت میں متعلق ایوان کے صدر نشین کو اس امر کی اطلاع دی جائے گی''

اس ترمیم کے ذریعے نواز شریف نے باور کرایا تھا کہ اب ملک میں غلط سیاسی کلچر ختم ہو جائے گا اور بہتر سیاسی ماحول جنم لے گا۔

یہ ایک اچھا قدم تھا مگر پھر بھی ماہرین نے اس پر سوالات اٹھائے مادر سے کہ چودھویں ترمیم کو

PakistanStudy.com

(اکتوبر1997) میں سپریم کورٹ نے معطل کر دیا تھا بعد ازاں 1998 میں سپریم کورٹ نے اپنا فیصلہ واپس لیتے ہوئے اسے بحال کر دیا تھا۔

پندرھویں ترمیم کا مطالعہ

28 اگست 1998 کو اسمبلی میں 15 ویں ترمیم کا بل قومی اسمبلی میں پیش کیا گیا۔ بل کے تحت آرٹیکل 2A کے بعد آرٹیکل 2b اور آرٹیکل 239 کے بعد دفعات نمبر 3c.3b.3c اور 3d کا اضافہ کیا گیا اس ترمیم کے ذریعے پاکستان میں قرآن وسنت کو سپریم لاء کا درجہ دے دیا گیا وفاقی حکومت کو ذمہ داری سونپ دی گئی۔ کہ وہ ملک میں شریعت کے نفاذ کے لیے زکوۃ کے انتظام وانصرام کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو فروغ دے کرپشن کے خاتمہ کے لیے اور اسلامی اصولوں کے تحت سماجی وہ معاشی انصاف مہیا کرنے کے اقدامات کرنے پر زور دیا گیا اس ترمیم کی رو سے غیر مسلمانوں کے ذاتی قانون، مذہبی آزادی رواجات متاثر نہیں ہوں گے۔

دستوری ترامیم

دستور میں اب تک کل 18 ترامیم شامل کی جا چکی ہیں۔ ان ترامیم کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

ترمیم نمبر1:

(i) ان پاکستان کے مشرقی حصے کی علیحدگ اور مملکت کے علاقے سے حذف کیا جاتا۔
(ii) پارلیمنٹ کے اجلاسوں کے لئے کل دنوں کا تعین۔
(iii) سیاسی جماعتوں کے بارے میں قوائد۔

ترمیم نمبر2:

(i) مسلمان کی تعریف۔ (ii) احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینا۔

ترمیم نمبر3:

(i) ہنگامی حالات کے نفاذ کے متعلق فیصلے۔
(ii) امتناعی نظر بندی کے قوانین میں ردوبدل۔

ترمیم نمبر4:

(i) قومی اسمبلی میں اقلیتوں کی نشستوں میں اضافہ۔
(ii) امتناعی نظر بندی کے اصولوں میں تبدیلی۔

ترمیم نمبر5:

(i) صوبائی گورنروں کا تقرر اور معیار عہدہ۔
(ii) سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے عہدہ کی معیاد اور ریٹائرمنٹ کی شرائط۔
(iii) ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کے عہدہ کی معیاد اور ریٹائرمنٹ کی شرائط۔
(iv) امتناعی نظر بندی کے حوالے سے ہائی کورٹ کے اختیارات میں کمی۔
(v) ہائی کورٹ کے ججوں کی تبدیلی، معیاد عہدہ اور ریٹائرمنٹ کے اصولوں میں ردوبدل۔
(vi) عدلیہ اور مقننہ میں علیحدگی پیدا کرنے کے لئے معیاد میں اضافہ۔

ترمیم نمبر6:

(i) سپریم کورٹ کے چیف جسٹس اور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس صاحبان کی ریٹائرمنٹ کی عمر میں ردوبدل۔

ترمیم نمبر7:

(i) استصواب رائے کے انعقاد کے بارے میں صدر کے اختیارات استصواب رائے کا طریق کار۔
(ii) ہائی کورٹ کے اختیارات میں کمی۔

ترمیم نمبر8:

(i) صدر اور وزیر اعظم کے اختیارات میں توازن۔
(ii) سینٹ کے ارکان میں اضافہ۔
(iii) پارلیمنٹ کے اختیارات میں اضافہ۔
(iv) گورنر اور صوبائی وزارت کی تشکیل نو اور انہیں مرکزی نظام سے ہم آہنگ کرنا۔

PakistaniStudy.com

ترمیم نمبر9:

(i) اس ترمیم کے ذریعے قرآن وسنت کو سپریم لاء قرار دیا گیا۔علاوہ ازیں سود کے خاتمے کے لئے عملی اقدامات کا فیصلہ ہوا۔

ترمیم نمبر10:

(i) یہ ترمیم 1987ء میں جونیجو دور حکومت میں کی گئی۔اس ترمیم کے تحت سینٹ کے اجلاس کی کاروائی کا دورانیہ 160 دن سے کم کر کے 130 دن کر دیا گیا۔

ترمیم نمبر11:

(i) اس ترمیمی بل کو نواز شریف کے پہلے دور حکومت میں پیش کیا گیا۔جسے سینٹ نے منظور کر لیا جبکہ قومی اسمبلی میں اس بل کو پیش نہ کیا جا سکا۔کیونکہ نواز شریف کی حکومت برطرف کر دی گئی تھی۔اس لیے یہ ترمیم آئین کا حصہ نہ بن سکی۔یہ ترمیمی بل "شریعت بل" کے نام سے مشہور ہوا۔

ترمیم نمبر12:

(i) سپریم کورٹ اور ہائی کورٹس کے ججوں کی تنخواہ میں اضافہ۔

(ii) مرکز کو فوری انصاف کی عدالتوں کے قیام کی اجازت۔

(iii) انسداد دہشت گردی کی عدالتوں کا قیام بھی اسی ترمیم کے ذریعے عمل میں لایا گیا۔

ترمیم نمبر13:

(i) 1997ء میں ترھویں ترمیم منظور کرتے ہوئے پارلیمنٹ نے آٹھویں ترمیم کے بعض حصوں کو دستور سے نکال دیا۔تیرھویں ترمیم نے وزیراعظم کے اختیار بحال کر دیئے اور صدر کے اختیارات میں کمی کر دی۔

ترمیم نمبر14:

(i) اس ترمیم کی رو سے کسی رکن اسمبلی کو حق حاصل نہیں رہا کہ وہ اپنی سیاسی وفاداری بدلے اور اس سیاسی جماعت کے موقف کے خلاف رائے کا اظہار کرے جس کے ٹکٹ پر انتخاب میں

اسے کامیاب قرار دیا گیا ہو۔

ترمیم نمبر15:

(i) اس ترمیمی بل کو نواز شریف کے دوسرے دور حکومت میں منظوری کے لئے قومی اسمبلی کے سامنے پیش کیا گیا جسے 9 اکتوبر 1998ء کو قومی اسمبلی نے منظور کر لیا جبکہ سینٹ میں نہ بھیجا جا سکا۔اس طرح یہ ترمیمی بل بھی آئین کا حصہ نہ بن سکا۔اس ترمیمی بل کے تحت قرآن وسنت کو ملک کا سپریم لاء کا درجہ دیا گیا تھا۔

ترمیم نمبر16:

(i) یہ ترمیم نواز شریف کے دوسرے دور حکومت میں 27 جولائی 1999ء کو پاس ہوئی اور آئین کا حصہ قرار پائی۔اس ترمیم کے ذریعے سرکاری ملازمتوں میں کوٹہ سسٹم بحال کر دیا گیا اور آئین کے آرٹیکل 27 میں ترمیم کر کے لفظ 20 کو 40 میں بدل دیا گیا۔ترمیم میں قرار دیا گیا کہ کوٹہ سسٹم 2013ء تک بحال رہے گا۔

ترمیم نمبر17:

پارلیمنٹ میں سترھویں ترمیم منظور کروائی گئی جس کی رو سے درج ذیل فیصلے ہوئے۔

(i) 12 اکتوبر 1999ء سے سترھویں ترمیم کی منظوری تک صدر پرویز مشرف کے تمام احکامات اقدامات، تقرریوں وغیرہ کو دستور کے تحت Validation حاصل ہو گئی۔

(ii) ججوں کی معیاد میں توسیع واپس لے لی گئی۔

(iii) قومی سلامتی کونسل کو دستور کے تحت تشکیل نہ دینے کا فیصلہ ہوا۔

(iv) صدر کو 58(2)B کے تحت وزیراعظم کو ہٹانے اور قومی اسمبلی توڑنے کا اختیار مل گیا۔

(v) صدر اسمبلیوں سے اعتماد کا ووٹ لیں گے۔

(vi) مقامی حکومتوں کو چھ سال تک دستوری تحفظ حاصل رہے گا۔

آئین پاکستان میں اٹھارہویں ترمیم:

اٹھارہویں ترمیم کا بل 1973ء کے آئین کے 70 آرٹیکلز میں 102 ترامیم کے متعلق تھا۔

Lawyersnotes.com

جسے پاکستان کی قومی اسمبلی نے 8 اپریل 2010ء کو منظور کیا۔ قومی اسمبلی کے 342 اراکین میں سے 292 اراکین نے بل کی حمایت میں ووٹ دیا۔ سینٹ سے یہ بل 15 اپریل 2010ء کو منظور ہوا۔ اس بل پر صدر پاکستان آصف علی زرداری نے 19 اپریل 2010ء کو دستخط کیے یوں یہ بل آئین پاکستان کا حصہ بن گیا۔ اس بل میں درج ذیل اہم ترامیم کی گئیں۔

(i) اس بل کی بدولت صدر کا قومی اسمبلی توڑنے کا اختیار ختم کر دیا گیا۔ صدر کا قومی اسمبلی توڑنے کے اختیار کے متعلق آئین میں موجود آرٹیکل 58(2)B کو حذف کر دیا گیا۔

(ii) صوبہ سرحد کا نام شمال مغربی سرحدی صوبہ سے تبدیل کر کے صوبہ خیبر پختونخواہ رکھا گیا۔

(iii) اس بل کی بدولت جنرل ضیاء الحق اور جنرل پرویز مشرف کے دور کے آئین میں کیے گئے ماورائے آئین اقدامات کو ختم کر دیا گیا۔

(iv) اس ترمیم کی بدولت صدر پاکستان نے اپنے بہت سے اختیارات وزیراعظم پاکستان اور پارلیمنٹ کو تفویض کیے۔

(v) وزیراعظم اور وزیراعلیٰ پر دو دفعہ سے زائد مرتبہ منتخب کرنے پر پابندی کو ختم کر دیا گیا۔

(vi) چیف آف سٹاف کمیٹی اور تینوں افواج کے سربراہان کے تقرر کے لئے صدر کو وزیراعظم کے مشورہ کا پابند کیا گیا۔

(vii) سینٹ کے ارکان کی تعداد 100 سے بڑھا کر 104 کر دی گئی۔ ہر صوبہ سے ایک اقلیتی رکن کا اضافہ کیا گیا۔

(viii) صوبوں میں ایمرجنسی کا صدارتی اختیار ختم کر دیا گیا۔ صوبوں میں ایمرجنسی کے نفاذ کے لئے صوبائی اسمبلی سے پاس قرارداد کو ضروری قرار دیا گیا۔

(ix) اس بل کی بدولت اسلام آباد ہائی کورٹ کا قیام عمل میں لایا گیا۔

(x) وزیراعظم قائد حزب اختلاف کی مشاورت سے تین نام چیف الیکشن کمشنر کی تقرری کے لئے پارلیمانی کمیٹی کو بھیجے گا۔ ان تینوں میں سے ایک نام کو پارلیمانی کمیٹی چیف الیکشن کمشنر کے لئے منتخب کرے گی۔

(xi) قومی اسمبلی کی پارلیمانی کمیٹی سپیکر کی مدد سے بنائی جائے گی۔ پارلیمانی کمیٹی کی 50 فیصد اراکین قومی اسمبلی میں موجود مخالف جماعتوں سے منتخب ہوں گے۔

(xii) اس بل کی بدولت 16 سال تک کے تمام بچوں کی تعلیم کو لازمی قرار دیا گیا۔

(xiii) قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کی کابینہ کے اراکین کی تعداد کل اراکین کے 11 فیصد سے زائد نہیں ہوگی۔

(xiv) اٹارنی جنرل آف پاکستان کی پرائیویٹ پریکٹس پر پابندی عائد کر دی گئی۔

(xv) سپریم کورٹ، ہائی کورٹس اور فیڈرل شریعت کورٹ کے ججوں کی تقرری کے لئے ایک جوڈیشل کمیشن کا قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ جوڈیشل کمیشن کے اراکین کی تعداد سات ہوگی۔ یہ اراکین درج ذیل میں ہوں گے۔ چیف جسٹس آف پاکستان اس کمیشن کا چیئرمین ہوگا۔

☆ چیف جسٹس آف پاکستان	چیئرمین
☆ جج آف سپریم کورٹ	ممبر
☆ جج آف سپریم کورٹ	ممبر
☆ سابق چیف جسٹس آف سپریم کورٹ	ممبر
☆ وفاقی وزیر قانون	ممبر
☆ اٹارنی جنرل آف پاکستان	ممبر
☆ پاکستان بار کونسل سے متعین ایک سینیئر ایڈووکیٹ آف سپریم کورٹ	ممبر

سپریم کورٹ کے ججوں کے تقرر کے لئے ناموں کے انتخاب کے لئے ایک پارلیمانی کمیٹی کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔ پارلیمانی کمیٹی کے اراکین کی تعداد 8 ہوگی۔

سوالات

Questions

سوال نمبر 1۔ آئین میں ترامیم کیونکر کی گئیں؟ ان کے پیچھے کیا مقاصد کارفرما تھے؟

سوال نمبر 2۔ آئین میں کی گئی تیرھویں ترمیم کو مدلل انداز میں پیش کرو۔

سوال نمبر 3۔ آئین میں کی گئی چودھویں ترامیم کا مقصد کیا تھا؟ کیا اس سے نتائج حاصل ہوئے سیر حاصل بحث کریں۔

سوال نمبر 4۔ آئین میں پندرھویں ترمیم کا مختصر جائزہ لیں۔ کیا اس ترمیم سے کچھ مقاصد حاصل کیے گئے؟

☆☆☆

PakistaniStudy.com

معلوماتِ پاکستان (ایک نظر میں)

سوال 1: پاکستان کے قیام کے مقاصد لکھئے۔

جواب: 1۔اسلامی نظام کا قیام 2۔معاشی عدل وانصاف
3۔پاکستان اسلام کا قلعہ 4۔رواداری اور جمہوریت
5۔مثالی نظام حکومت کا قیام 6۔ہندو اجارہ داریوں سے چھٹکارا

سوال 2: دوقومی نظریہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: دوقومی نظریہ برصغیر کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے۔حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ، سرسید احمد خاں اور اقبالؒ نے اسے واضح کیا کہ برصغیر میں کم از کم دو قومیں آباد ہیں اور مسلمان اپنی خصوصیات کے اعتبار سے ایک مکمل قوم ہیں۔قائداعظم نے فرمایا تھا کہ

"مسلمان اقلیت نہیں۔وہ ایک قوم ہیں اور قوم کی ہر مکمل، مستند اور جامع تعریف پر پورا اترتے ہیں۔"

سوال 3: پاکستان میں دستور سازی کے حوالے سے ابتدائی مشکلات پر چند سطور لکھئے۔

جواب:

1۔ مشرقی ومغربی پاکستان کے درمیان کا 1600 کلومیٹر کا فاصلہ۔
2۔ آبادی کا دونوں حصوں میں فرق۔
3۔ پاکستانی کا دستور اسلامی ہو یا سیکولر۔
4۔ پاکستان کی خالق جماعت مسلم لیگ میں انتشار۔
5۔ انتخابات جداگانہ ہوں یا مخلوط۔
6۔ مرکز اور صوبوں میں اختیارات کی تقسیم کیسے ہو۔
7۔ صدارتی نظام اپنایا جائے یا پارلیمانی۔
8۔ زبان کے مسئلہ نے مشرقی اور مغربی حصے میں وسیع خلیج پیدا کردی۔

9۔ صوبائی اور علاقائی تعصبات نے جنم لے لیا۔

سوال 4: قرارداد مقاصد 1949ء کے چیدہ چیدہ نکات لکھئے۔

جواب:

☆ اقتدار اعلیٰ اللہ پاک کی ذات اعلیٰ کو حاصل ہوا۔
☆ قرآن وسنت کے مطابق پاکستان کا دستور بنایا جائے گا۔
☆ اسلامی قدروں مثلاً رواداری، معاشرتی انصاف، جمہوریت اور مساوات کو فروغ حاصل ہوگا۔
☆ اقلیتوں کو آئین کی رو سے تحفظ حاصل ہوگا، وہ آزاد ہوں گی۔
☆ عدلیہ کو مضبوط اور خودمختار درجہ ملے گا تاکہ لوگوں کے حقوق محفوظ رہیں۔
☆ ملک کے پسماندہ علاقوں کی ترقی کے لئے خصوصی کوششیں ہوں گی۔

سوال 5: قرارداد مقاصد پر تنقید کرنے والوں میں کون شامل تھے؟ وجوہ کیا تھیں؟

جواب:

1۔ ہندو ارکان جو مشرقی پاکستان میں منتخب ہوئے تھے تنقید کرتے رہے کہ قرارداد کے مقاصد کے تحت ملک میں مسلمانوں کی حکومت ہوگی اور ہندو دیگر غیر مسلموں کو دوسرے درجے کا شہری بنا دیا جائے گا۔وہ مذہب اور سیاست کو علیحدہ رکھنے کا مطالبہ کرتے رہے۔

2۔ میاں افتخار الدین نے تنقید کی کہ قرارداد میں معاشی انصاف کے لئے کوئی واضح نقطہ موجودہ تھا۔وہ پاکستان میں معاشی عدم مساوات اور دولت کی ناانصافانہ تقسیم کو ختم دیکھنا چاہتے تھے۔

سوال 6: بنیادی اصولوں کی کمیٹی کی پہلی رپورٹ کب اور کس نے پیش کی؟ ردعمل کیا تھا؟

جواب: پہلے وزیراعظم نوابزادہ لیاقت علی خان نے دستور کے بنیادی اصولوں کے حوالے سے تجاویز ایک رپورٹ کی شکل میں 1950ء میں ایوان میں پیش کیں۔رپورٹ کو مشرقی پاکستان کے سیاست دانوں نے ناپسند کیا۔بڑے ہنگامے ہوئے اور وزیراعظم نے رپورٹ کو نئے سرے سے ترتیب دینے کا اعلان کردیا۔ہنگاموں کی وجہ تھی کہ رپورٹ میں مشرقی پاکستان کی اکثریت کو اقلیت میں بدل دیا گیا تھا۔

سوال 7: بنیادی اصولوں کی دوسری رپورٹ کس نے پیش کی؟

جواب: دوسرے وزیراعظم خواجہ ناظم الدین نے 7 دسمبر 1952ء میں تیار کی لیکن اس رپورٹ کے خلاف

Pakistanstudy.pk

پنجاب میں آواز اٹھی۔ سیاسی حالات نے خراب رخ اختیار کیا۔1953ء میں تحریک ختم نبوت چلی جو خواجہ ناظم الدین کی وزارت عظمیٰ کے خاتمہ کا باعث بنی اور ساتھ رپورٹ بھی ختم ہوگئی۔

سوال 8: محمد علی بوگرہ فارمولا کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

جواب: خواجہ ناظم الدین کے بعد محمد علی بوگرہ وزیر اعظم بنے اور انہوں نے ایک فارمولا پاکستان کے دستور کے لئے ترتیب دیا۔ فارمولا میں وفاقی نظام، دو یوانی مقننہ اور پارلیمانی طرز حکومت تجویز کی گئی۔ دو یوانی مقننہ میں ایوان بالا میں 50 نشستیں وفاقی یونٹوں میں برابر تقسیم کی گئیں اور ایوان زیریں کی 300 نشستیں تقسیم کرتے ہوئے 165 مشرقی پاکستان اور 135 مغربی پاکستان کے یونٹوں کے لئے مختص ہوئیں۔ فارمولا دونوں حصوں میں پسند کیا گیا لیکن گورنر جنرل ملک محمد غلام نے پہلی دستور ساز اسمبلی کو برطرف کر دیا اور تمام پیش رفت جو ہوئی تھی، ختم ہوگئی۔ فارمولا یہ تھا:۔

ناظم الدین فارمولا..... نشستوں کی تقسیم

	ایوان بالا میں نمائندگی	ایوان زیریں میں نمائندگی	
مشرقی پاکستان	60	200	260
پنجاب	27	90	117
سندھ	8	30	38
سرحد	6	25	31
قبائلی علاقہ	3	17	20
بلوچستان	6	5	11
بہاولپور	2	13	15
بلوچ ریاستیں	2	5	7
خیرپور	2	4	6
کراچی	4	11	15
	120	400	520

محمد علی بوگرہ فارمولا..... نشستوں کی تقسیم

تفصیل	ایوان بالا	ایوان زیریں	کل
مشرقی پاکستان	10	165	175
پنجاب	10	75	85
سندھ اور خیرپور	10	19	29
بلوچستان، بلوچ ریاستیں، بہاول پور	10	19	29
سرحد، قبائلی علاقے۔ قبائلی ریاستیں	10	22	32
	50	300	350

سوال 9: دوسری دستور ساز اسمبلی کیسے قائم ہوئی؟

جواب: فیڈرل کورٹ کی ہدایات پر انتخاب ہوئے۔ گورنر جنرل محمد نے پہلے صوبائی انتخاب کروائے اور بعد میں صوبائی اسمبلیوں کے ذریعے دوسری دستور ساز اسمبلی منتخب کرائی گئی۔ دستور ساز اسمبلی کے ارکان 80 تھے جو دونوں حصوں سے برابر لئے گئے۔1954ء میں اسمبلی وجود میں آئی۔

سوال 10: ون یونٹ (وحدت مغربی پاکستان) پر نوٹ لکھیں۔

جواب: بوگرہ کے بعد چودھری محمد علی وزیر اعظم بنے۔ گورنر جنرل غلام محمد، چودھری محمد علی نے مل کر ایک نئی سکیم پر عمل کیا اور مغربی پاکستان کے تمام صوبوں اور ریاستوں کو باہم مدغم کر کے ایک یونٹ بنا دیا۔ دونوں حصوں کے سیاست دانوں نے تعاون کیا اور پاکستان دو صوبوں یعنی مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کا وفاق بن گیا۔ ون یونٹ 14 اکتوبر 1955ء کو قائم ہوا۔

سوال 11: 1956ء کے دستور کی چیدہ چیدہ خصوصیات لکھئے۔

جواب: چودھری محمد علی وزیر اعظم تھے اور دستور ترتیب دیا گیا۔ دستور ساز اسمبلی نے 23 مارچ 1956ء کو نافذ کرنے کی منظوری دی۔

☆اسلامی آئین ☆وفاقی آئین ☆پارلیمانی آئین

Pakistanstudy.com

☆ یک ایوانی مقننہ ☆ اختیارات کی تقسیم ☆ اردو بنگالی دو قومی زبانیں

☆ پیریٹی کا اصول (نشستیں دونوں حصوں میں برابر تقسیم کی گئیں 150+150=300)

☆ تحریری وغیر لچک دار آئین۔

سوال 12: 1956ء کے دستور کی ناکامی کے اسباب:

جواب: ☆ انتخابات کا التواء ☆ سیاسی جماعتوں کا رویہ ☆ غیر مستحکم وزارتیں

☆ ملک غلام محمد اور اسکندر میرزا کا کردار ☆ عوامی رجحانات

☆ فوجی انقلاب 1958ء

پہلا دستور 23 مارچ 1956ء کو نافذ ہوا اور 7 اکتوبر 1958ء کو توڑ دیا گیا۔

سوال 13: آئین 1962ء کی خصوصیات لکھئے۔

جواب 1958ء میں پاکستان کے کمانڈر انچیف ایوب خان نے 1956ء کے دستور کو ختم کر کے مارشل لاء نافذ کر دیا۔ 1959ء میں بنیادی جمہوریتوں کا نظام رائج کیا اور 1962ء میں خود ایک دستور بنا کر نافذ کر دیا۔

☆ اسلامی آئین ☆ تحریری وغیر لچک دار آئین ☆ اسلامی مشاورتی کونسل

☆ وفاقی آئیں ☆ یک ایوانی مقننہ ☆ عدلیہ کی آزادی

☆ مساوات (پیریٹی کا اصول) ☆ بالواسطہ انتخابات

یہ آئین جنرل یحییٰ خان نے 1969ء میں ختم کر کے مارشل لاء نافذ کر دیا۔

سوال 14: دوسرے آئین 1962ء کی ناکامی کے اسباب کیا تھے؟

جواب: ☆ فرد واحد کا آئین ☆ عوام میں سخت عدم اطمینان

☆ جمہوریت کا ڈھونگ ☆ مشرقی پاکستان میں شدید بے چینی

☆ اختیارات کا ارتکاز ☆ ملک گیر ایوب کی مخالف تحریک

سوال 15: بنیادی جمہوریتیں کیا تھیں؟

جواب: بنیادی جمہوریتوں کا نظام ایوب خان نے رائج کیا۔ ان کے ذریعے صدر اور قومی و صوبائی

اسمبلیاں چنی گئیں۔ یہ لوکل حکومتی اداروں کے طور پر بھی کام کرتی تھیں۔

سوال 16: 1973ء کا دستور کب اور کس نے نافذ کیا؟

جواب: جنرل یحییٰ خان نے 7-1970ء میں عام انتخابات کروائے۔ قانون ساز اسمبلی کا اجلاس بلا کر ملتوی کر دیا مشرقی پاکستان میں زبردست تحریک ابھری۔ بھارت نے فوجی مداخلت کی اور ملک ٹکڑے ہو گیا۔ انتخابات کے نتیجے میں مغربی پاکستان سے سب سے بڑی ابھرنے والی پارٹی پاکستان پیپلز پارٹی تھی جس کے لیڈر ذوالفقار علی بھٹو کو ایئر مارشل رحیم اور جنرل گل حسن نے حکومت دینے کی دعوت دی۔ بھٹو نے اقتدار سنبھالتے ہی دستور سازی کی طرف خصوصی توجہ دی۔ یہ دستور 1973ء میں 14 اگست کو نافذ کیا گیا 1973ء کا دستور پوری قوم، تمام سیاسی جماعتوں اور سارے سیاستدانوں نے متفقہ طور پر منظور کیا۔

سوال 17: 1973ء کے دستور کے چیدہ چیدہ نقاط لکھئے۔

جواب: ☆ اسلامی دستور ☆ قرارداد مقاصد ☆ پارلیمانی دستور

☆ وفاقی دستور ☆ غیر لچک دار تحریری دستور ☆ براہ راست انتخابات

☆ اختیارات کی تقسیم ☆ پالیسی کے اصول ☆ سنگین غداری

☆ دو ایوانی مقننہ

سوال 18: 1973ء کے دستور میں ترمیم کا طریقہ کار کیا ہے؟

جواب: قومی اسمبلی کے 2/3 اور سینٹ کی 2/3 اکثریت دستور میں ترمیم کر سکتی ہے۔

سوال 19: 1973ء کے دستور کے تحت قائم ہونے والے اہم اداروں اور عہدوں کے نام لکھئے۔

جواب: ☆ صدر ☆ وزیر اعظم ☆ چیئرمین سینٹ

☆ سپیکر ☆ سینٹ ☆ قومی اسمبلی

☆ صوبائی اسمبلی ☆ گورنر ☆ مرکزی پبلک سروس کمیشن

☆ مشترکہ مفادات کی کونسل ☆ سپریم کورٹ ☆ ہائی کورٹس

☆ اسلامی نظریاتی کونسل ☆ الیکشن کمیشن

☆ اٹارنی جنرل ☆ آڈیٹر جنرل ☆ ایڈووکیٹ جنرل

Pakistanistudy.pk

سوال 20: پاکستان دستور کے تحت اختیارات کی تقسیم کے لئے کتنی فہرستیں بنائی گئی ہیں؟

جواب: ☆وفاقی اختیارات: (i) فہرست اول (ii) فہرست دوم

☆متصلہ اختیارات: مندرجہ بالا فہرستوں میں جو امور شامل نہیں کئے گئے ہیں وہ صوبائی حکومتوں کو حاصل ہوں گے۔

سوال 22: وفاقی امور فہرست اول میں شامل امور میں سے پانچ اہم کا ذکر کیجئے۔

جواب: ☆دفاعی افواج کی تنظیم ☆امور خارجہ

☆زرمبادلہ، قرضے، بیرونی امداد، بینکنگ ☆جہاز رانی بندرگاہیں

☆کسٹم ڈیوٹی ☆انکم ٹیکس

سوال 23: وفاقی امور کی فہرست دوم میں شامل چند امور لکھئے۔

جواب: ☆معدنی تیل، قدرتی وسائل ☆ریلوے ☆مرکزی صنعتیں

☆واپڈا ☆مشترکہ مفادات کونسل

سوال 24: متصلہ امور کی فہرست میں شامل چند امور کا ذکر کیجئے۔

جواب: ☆ضابطہ فوجداری۔ضابطہ دیوانی ☆ٹرسٹ جائیدادیں

☆آبادی۔منصوبہ بندی۔سماجی بہبود ☆انتقال جائیداد، رجسٹریشن۔متروکہ املاک

☆لیبر ☆ٹرانسپورٹ

☆تعلیمی معیاد اور اسلامی تعلیمات ☆زکوٰۃ واوقاف

سوال 25: صوبائی خودمختاری کے حوالے سے مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے تعلقات پر ایک مختصر نوٹ لکھئے۔

جواب: صوبائی خودمختاری کا مسئلہ حل کرنے کے لئے درج ذیل اقدام اٹھائے گئے ہیں۔

☆باقی ماندہ اختیارات صوبوں کے حوالے ہیں۔

☆سپریم کورٹ کا بااختیار بنایا گیا ہے تاکہ صوبوں کے حقوق کا دفاع ہو سکے۔

☆مشترکہ مفادات کی کونسل، قومی مالیاتی کمیشن اور قومی اقتصادی کونسل میں صوبوں کو بھرپور نمائندگی دی گئی ہے تاکہ وسائل منصفانہ طور پر تقسیم ہو سکیں۔

☆صوبائی ترقی کے لئے صوبوں کو مرکز کی جانب سے گرانٹس ملتی ہیں۔

☆آڈیٹر جنرل مرکزی اور صوبائی مالیاتی نظام کی چیکنگ کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔

☆اگر کوئی صوبہ چاہے تو اپنا علیحدہ ریڈیو سٹیشن بنا سکتا ہے۔

☆صوبوں کے تحفظ کے لئے مرکز ہنگامی حالات میں مداخلت کر سکتا ہے۔

سوال 26: پاکستان میں اب تک کتنی ترامیم دستور میں شامل کی گئی ہیں؟

جواب: تاحال 17 ترامیم دستور میں شامل کرنے کی تجاویز آئیں ماسوائے چند کے باقی آج دستور کا مکمل حصہ ہیں۔ تفصیل درج ذیل ہے۔

ترمیم 1: مشرقی حصے کی علیحدگی کی منظوری۔سیاسی جماعتوں کے قواعد۔

ترمیم 2: مسلمان کی تعریف۔احمدیوں کا غیر مسلم اقلیت قرار پانا۔

ترمیم 3: ہنگامی حالات کے نفاذ کے متعلق فیصلے۔

ترمیم 4: قومی اسمبلی کی نشستوں میں اضافہ۔

ترمیم 5: گورنر کے تقرر سپریم کورٹ اور ہائی کورٹس کے چیف جسٹس کی ریٹائرمنٹ شرائط۔ہائی کورٹ کے ججوں کی تبدیلی۔

ترمیم 6: سپریم کورٹ اور ہائی کورٹس کے چیف جسٹس کی ریٹائرمنٹ کی عمر میں ردوبدل۔

ترمیم 7: استصواب رائے اور صدر کے اختیارات، طریقہ کار، ہائی کورٹ کے اختیارات میں کمی۔

ترمیم 8: صدر اور وزیراعظم کے اختیارات میں توازن۔

ترمیم 9: سینٹ کے ارکان میں اضافہ۔قرآن پاک اور سنت نبوی کو سپریم لاء ہونا۔

ترمیم 10: سینٹ کے اجلاس کی مدت 160 روز سے کم کر کے 130 روز کر دی گئی۔

ترمیم 11: شریعت بل لایا گیا لیکن قومی اسمبلی میں پیش نہ ہو سکا۔اس کی معیاد ختم ہو گئی۔

ترمیم 12: سپریم کورٹ اور ہائی کورٹس کے ججوں کی تنخواہوں میں اضافہ۔انسداد دہشت گردی عدالتوں کا قیام۔

ترمیم 13: وزیراعظم کے اختیارات میں اضافہ۔58(2)B کا دستور سے اخراج۔

PakistaniStudy.pk

ترمیم 14: رکن اسمبلی کے وفاداری بدلنے پر پابندی۔

ترمیم 15: ترمیم قومی اسمبلی میں منظوری کے بعد سینٹ میں پیش نہ کی جاسکی۔ مطلوبہ اکثریت موجود نہ تھی۔

ترمیم 16: صوبوں کے لئے اعلیٰ سرکاری ملازمتوں میں کوٹ سسٹم۔

ترمیم 17: صدر کا اعتماد کا ووٹ لینا۔ قومی وصوبائی اسمبلی کو توڑنے کا صدر کا اختیار 58(2)B کو بحال کرنا۔ ججوں کے عہدوں کی عمر گھٹانا۔ مقامی وضلع کونسلیں۔

ترمیم 18: سرحد کا نیا نام خیبر پختون خواہ۔ 58(2)B کا خاتمہ سینٹ کے ارکان میں اضافہ 104 تعداد مقرر کی گئی ہے۔

سوال 27: سترھویں ترمیم پر نوٹ لکھئے۔

جواب: آٹھویں ترمیم میں صدر کے اختیارات 58(2)B کے تحت بہت بڑھا دیئے گئے تھے۔ 13ویں ترمیم میں انہیں ختم کر دیا گیا۔ 17ویں ترمیم میں دوبارہ 58(2)B بحال کر دی گئی ہیں۔ اہم نقاط یہ ہیں۔

☆ قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کو توڑنے کے اختیار صدر کو دیتے ہوئے b(2)112 اور b(2)58 کو بحال کر دیا گیا۔

☆ سپریم کورٹ کے ججوں کی ریٹائرمنٹ کی عمر LFO کے تحت 68 سال اور ہائی کورٹس کے ججوں کی عمر 65 کر دی گئی تھی۔ بالترتیب دوبارہ 65 اور 62 سال کر دی گئی ہیں۔

☆ صدر تینوں افواج کے سربراہوں اور جائنٹ چیف آف سٹاف کا تقرر وزیراعظم کے مشورے سے کرے گا۔

☆ صدر کو اعتماد کا ووٹ لینے کا اختیار دیا گیا۔ صدر قومی اسمبلی، سینٹ اور چاروں صوبائی اسمبلیوں سے اعتماد کا ووٹ لیں۔

☆ مقامی وضلعی کونسلوں کے نظام کے قیام کی منظوری۔

☆ LFO کے تحت اور جنرل پرویز مشرف کے اقتدار سنبھالنے کے بعد کئے گئے اقدامات کا جائز قرار پانا۔

سوال 28: صدر پاکستان کے عہدہ کی شرائط لکھئے۔

جواب: ☆ مسلمان ہو اور ختم نبوت کا قائل ہو۔ ☆ ذہنی اور جسمانی طور پر صحت مند ہو۔

☆ عمر کم از کم 45 سال ☆ منفعت بخش عہدہ پر فائز نہ ہو۔

☆ قومی اسمبلی کی رکنیت کا نااہل ☆ دیوالیہ نہ ہو۔

سوال 29: صدر پاکستان کا انتخاب کس طرح ہوتا ہے؟

جواب: پاکستان کی پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں اور چاروں صوبائی اسمبلیوں کے ارکان پانچ سال کے لئے چنتے ہیں انتخابی عمل کی نگرانی الیکشن کمیشن کرتا ہے ایک فرد صرف دو بار مسلسل صدر رہ سکتا ہے۔ اگر تیسری بار حصہ لینا چاہے تو 5 سال کا وقفہ ضروری ہے۔

سوال 30: صدر کو عہدے سے کیسے علیحدہ کیا جاسکتا ہے؟

جواب: (i) صدر فوت ہو جائے۔ (ii) سپیکر کے نام پر استعفیٰ بھیج دے۔

(iii) پارلیمنٹ علیحدہ کر دے۔

اگر صدر نے دستور کی خلاف ورزی کی ہو، کوئی سنگین بدعملی کی ہو، جسمانی وذہنی اعتبار سے فرائض ادا کرنے کے قابل نہ ہو۔ سینٹ یا قومی اسمبلی کے کل ارکان کی اکثریت چیئرمین/ سپیکر کو تحریری طور پر اطلاع دیتی ہے۔ تین دن کے اندر الزامات کی فہرست فراہم کر دیتی ہے۔ دونوں ایوانوں کا مشترکہ اجلاس ایک ہفتہ سے دو ہفتہ کے درمیان سپیکر بلاتا ہے۔ صدر کو بذات خود یا وکیل کے ذریعے صفائی کا موقع دیا جاتا ہے۔ اگر 2/3 اکثریت علیحدگی کے حق میں ووٹ دے دے تو صدر عہدے سے ہٹ جاتا ہے۔ اگر صدر کو ہٹا دیا جائے، طویل رخصت ہو یا بیمار ہو تو چیئرمین سینٹ قائم مقام صدر کے فرائض ادا کرتا ہے۔

سوال 31: صدر کا حلف نامہ لکھئے۔

جواب: دستور کی تیسری جدول میں حلف دیا گیا۔

(i) مسلمان ہو۔

(ii) رسول پاک ﷺ کو آخری نبی سمجھتا ہو۔

(iii) پاکستان کی وفاداری کا حلف لے گا۔

(iv) اسلامی نظریہ کو پروان چڑھائے گا۔

PakistanStudy.com

(v) ذاتی مفادات پر قومی مساوات کو ترجیح دے گا۔ سب سے مساویانہ سلوک کرے گا۔

سوال 32: دستور پاکستان میں دی گئی اہم اسلامی دفعات بیان کیجئے۔

جواب: (i) مملکت کا نام۔ اسلامی جمہوری پاکستان۔

(ii) صدر اور وزیراعظم مسلمان۔

(iii) سرکاری مذہب اسلام۔

(iv) اسلامی انداز زندگی کا فروغ۔

(v) اسلامی نظریاتی کونسل۔

(vi) اسلامی قانون کے بنیادی ماخذ، قرآن پاک وسنت نبویؐ۔

(vii) قرارداد مقاصد آئین کا باقاعدہ حصہ۔

(viii) جواء، شراب نوشی اور سود خوری کی ممانعت۔

(ix) غلطیوں سے پاک قرآن پاک کی طباعت۔

(x) اسلامیات اور عربی کو لازمی مضامین قرار دینا۔

سوال 33: دستور کے تحت مسلمان کی تعریف کیا بیان کی گئی ہے؟

جواب: مسلمان کیلئے ضروری ہے کہ وہ

(i) اللہ تعالیٰ کی وحدت کا قائل ہو اور کسی اور ہستی کو عبادت کے لائق نہ سمجھتا ہو۔

(ii) رسول پاک ﷺ کو اللہ پاک کا بھیجا ہوا آخری نبی مانتا ہو۔

(iii) اللہ پاک کی بھیجی ہوئی الہامی کتب، تمام پیغمبروں، فرشتوں اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہو۔

سوال 34: صدر مملکت کے اختیارات وفرائض پر مختصر نوٹ لکھئے۔

جواب: 1973ء میں دستور بنا تو صدر کے اختیارات بہت محدود تھے۔ 1985ء میں ساتویں ترمیم کے تحت صدر کو بہت زیادہ اختیارات ملے۔ 13ویں ترمیم میں دوبارہ صدر کے اختیارات گھٹا دیئے گئے۔ 17ویں ترمیم کے تحت صدر کے اختیارات بحال کر دیئے گئے لیکن 18ترمیم کے ذریعے اختیارات میں ایک بار پھر کمی لائی گئی ہے اور وزیراعظم کو برتر حیثیت مل گئی ہے۔

☆ روائتی اختیارات ☆ تقرر کے اختیارات

☆ خارجہ امور ☆ دفاعی اختیارات

☆ عدالتی امور ہنگامی اختیارات ☆ قانون ساز کے اختیارات

- پارلیمنٹ کے دونوں یا کسی ایک کا اجلاس طلب کرنا، پیغام بھیجنا۔
- مسودات کی حتمی منظوری۔
- قومی اسمبلی کی تنسیخ کا اختیار۔

☆ انتظامی اختیارات

- وزیراعظم کا چناؤ اور کابینہ کی منظوری وبرطرفی۔
- ریفرنڈم کا اختیار۔
- آرڈیننس کا اختیار۔

سوال 35: مولانا تمیز الدین کیس اور پہلی دستور ساز اسمبلی کا خاتمہ پر مختصر نوٹ لکھیں۔

جواب: گورنر جنرل غلام محمد ملک نے پہلی دستور ساز اسمبلی کو منسوخ کیا تو سپیکر مولانا تمیز الدین نے سندھ ہائی کورٹ میں فیصلے کے خلاف کیس کر دیا۔ سندھ ہائی کورٹ نے سپیکر کے حق میں فیصلہ دیا تو وفاقی حکومت نے فیڈرل کورٹ میں کیس کر دیا۔ جہاں گورنر جنرل کے اقدام کو درست قرار دیا گیا۔

سوال 36: وزیراعظم کے عہدے کی شرائط لکھیے۔

جواب: ☆ مسلمان ہو (ختم نبوتؐ پر یقین رکھتا ہو)

☆ قومی اسمبلی کا رکن ہو۔

☆ کم از کم عمر 35 سال ہو۔

☆ نظریہ پاکستان کو دل سے تسلیم کرتا ہو۔

سوال 37: وزیراعظم کا انتخاب کیسے ہوتا ہے؟

جواب: وزیراعظم کو قومی اسمبلی اکثریت کے ساتھ منتخب کر سکتی ہے۔ 8ویں ترمیم کے تحت یہ اختیار صدر مملکت کو حاصل تھا۔ وزیراعظم بعد ازاں قومی اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ حاصل کرتا تھا۔

Pakistanstudy.pk

سوال 38: وزیراعظم کی علیحدگی پر نوٹ لکھیں۔

جواب: ☆ صدر جب دیکھے کہ وزیراعظم کی کارکردگی مناسب نہیں اور وزیراعظم کا ہٹایا جانا ضروری ہے تو وہ وزیراعظم اور کابینہ کو برطرف کرسکتا ہے۔

☆ قومی اسمبلی کی اکثریت وزیراعظم کو اُس کے عہدے سے تحریک عدم اعتماد کے ذریعے ہٹا سکتی ہے۔ اگر بجٹ پیش ہوگیا ہو تو تحریک عدم اعتماد پیش نہیں کی ہوسکتی ہے۔

سوال 39: وزیراعظم کا حلف نامہ لکھئے۔

جواب: وزیراعظم اپنے حلف نامے میں مسلمان ہونے اور نبی آخرالزمان صلعم پر یقین رکھنے کا اعلان کرتا ہے۔ قرآن وسنت پر اُس کا ایمان ہے۔ اسلامی نظریہ کے مطابق عمل کرنے کا اعلان کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ اپنے قومی مفاد کو ذاتی مفادات پر ترجیح دے گا۔ وہ پاکستان سے وفادار رہنے کا بھی عہد کرتا ہے۔

سوال 40: کابینہ کی تشکیل میں وزیراعظم کن پہلوؤں کا دھیان رکھتا ہے؟

جواب: ☆ مختلف صوبوں کی مناسب نمائندگی ہو۔

☆ پارٹی کے سرکردہ راہنماؤں کو کابینہ میں جگہ ملے۔

☆ اہلیت کی بناء پر محکمے تقسیم کیے جائیں۔

☆ 1/4 ارکان سینٹ سے لیے جاتے ہیں۔

وفاقی وزراء کی دو اقسام ہیں:۔

(i) وزیر (ii) وزیرمملکت

وزیر مکمل طور پر اپنے محکمے کے اعتبار سے بااختیار ہوتا ہے۔ وزیرمملکت کو جو شعبہ دیا جاتا ہے اُس کی نگرانی وزیراعظم کرتا ہے۔ تمام وزراء ایک ٹیم کے طور پر کام کرتے ہیں۔ وہ اکٹھے آتے ہیں اور عموماً اکٹھے جاتے ہیں۔

سوال 41: وزیراعظم کے اختیارات وفرائض لکھئے۔

جواب: 8ویں ترمیم سے پہلے وزیراعظم بہت زیادہ بااختیار اور صدر برائے اختیارات کا مالک تھا۔ 8ویں ترمیم کے ذریعے جنرل ضیاء الحق نے وزیراعظم کے اختیارات کو بہت محدود کردیا۔ 13ویں ترمیم

نے دوبارہ وزیراعظم کے اختیارت کو بڑھا دیا لیکن 17ویں ترمیم کے ذریعے جنرل پرویز مشرف نے وزیراعظم کے اختیار کم کردیئے اور 58(2)B کو بحال کردیا۔ اپریل 2010ء میں 18ویں ترمیم کے ذریعے 58(2-B) کو ختم کردیا اور وزیراعظم کو وہی حیثیت حاصل ہوگئی جو 1973ء کے آئین میں تھی۔

اختیارات یہ ہیں:۔

☆ انتظامی سربراہ ☆ نظم ونسق

☆ قائدایوان ☆ قومی اسمبلی کی تنسیخ کا اختیار

☆ تقرر کے اختیارات ☆ اعزازات کی تقسیم

☆ پاکستان کی سرحدوں کا دفاع ☆ خارجہ اختیارات

☆ عوامی بہبود ☆ صدر سے رابطہ

سوال 42: کیا پاکستان میں مکمل پارلیمانی نظام رائج ہے؟ تبصرہ کریں۔

جواب: پارلیمانی نظام میں وزیراعظم حقیقی حکومتی سربراہ ہوتا ہے۔ قانون ساز اسمبلی کی تنسیخ کا اختیار اُس کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہوتا۔ سربراہ مملکت اُس کے مشورے کا پابند ہوتا ہے۔ سربراہ مملکت ازخود وزیراعظم کو الگ نہیں کرسکتا۔ اصلی اختیارات کا استعمال وزیراعظم خود کرتا ہے۔ ایسا مکمل نظام بھارت اور برطانیہ میں ہے۔ 18ویں ترمیم کے بعد پاکستان میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ پارلیمانی نظام ہے۔

سوال 43: پاکستان کی قانون ساز اسمبلی کا نام اور دونوں ایوانوں کی تشکیل لکھئے۔

جواب: پارلیمنٹ (مجلس شوریٰ)۔

☆ ایوان بالا (سینٹ)

☆ ایوان زیریں (قومی اسمبلی)

سینٹ کی تشکیل

صوبہ	عام نشستیں	ماہرین وعلماء	خواتین	اقلیتی	کل نشستیں
پنجاب	14	04	04	1	22

PakistanStudy.pk

سندھ	14	04	04	1	22
خیبر پختونخواہ	14	04	04	1	22
بلوچستان	14	04	04	1	22
اسلام آباد (دارالحکومت	02	01	01		04
فاٹا	08	—	—		08
کل نشستیں=	**66**	**17**	**17**	**4**	**104**

قومی اسمبلی کی تشکیل

صوبہ	عام نشستیں	خواتین	کل نشستیں
پنجاب	148	35	183
سندھ	61	14	75
خیبر پختونخواہ	35	08	43
بلوچستان	14	03	17
فاٹا	12	—	12
وفاقی دارالحکومت	02	—	02
اقلیتیں	—	—	10
کل نشستیں=	**272**	**60**	**342**

سوال 44: صوبائی اسمبلیوں میں نشستوں کی کیا صورتحال ہے؟

جواب:

صوبہ	عام نشستیں	خواتین	اقلیتیں	کل نشستیں
پنجاب	297	66	08	371

سندھ	130	29	09	168
خیبر پختونخواہ	99	22	03	124
بلوچستان	51	11	03	65

سوال 45: سینٹ کے ارکان کا چناؤ کتنی مدت کیلئے اور کیسے ہوتا ہے؟

جواب: سینٹ کے 104 ارکان ایک ساتھ نہیں چنے جاتے۔ ہر رکن کی معیاد 6 سال ہوتی ہے۔ تین سال بعد آدھے ارکان ریٹائر ہو جاتے ہیں اور نئے آدھے چن لئے جاتے ہیں۔ یوں یہ ادارہ مسلسل قائم رہتا ہے۔ سینٹ کے ارکان کو صوبائی اسمبلیوں کے ارکان منتخب کرتے ہیں۔ وہ براہ راست عوام کے ذریعے منتخب نہیں ہوتے۔ قبائلی علاقوں کے قومی اسمبلی کے ارکان اپنے علاقوں کے سینٹروں کو چنتے ہیں۔ قومی اسمبلی اسلام آباد دارالحکومت کے سینٹروں کو چنتی ہے۔

سوال 46: سینٹ کے امیدوار کیلئے شرائط لکھئے۔

جواب: ☆ پاکستان کا شہری ہو۔

☆ عمر کم از کم 30 سال ہو۔

☆ جس صوبے یا علاقے سے الیکشن میں حصہ لینا چاہتا ہو وہیں سے تعلق رکھتا ہو۔

☆ پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے دیگر قوانین پر پورا اترتا ہو۔

☆ نااہل قرار نہ پا چکا ہو۔ دماغی مریض یا دیوالیہ نہ ہو۔

☆ کسی سرکاری نیم سرکاری ادارے کا تنخواہ دار ملازم نہ ہو۔

علماء اور ماہرین کیلئے درج ذیل شرائط ضروری ہیں:۔

☆ اخلاقی جرم اور جھوٹی شہادت میں سزا نہ پا چکا ہو۔

☆ اچھی شہرت اور چال چلن کا مالک ہو۔ پرہیزگار اور متقی ہو۔

☆ کبیرہ گناہ کا مرتکب نہ ہو چکا ہو۔

☆ اسلامی علوم سے اچھی طرح واقف ہو۔

Javedtanveer.com

☆ نماز، روزے اور دیگر اسلامی فرائض کا پابند ہو۔

سوال 47: سینٹ کے چیئرمین پر مختصر نوٹ لکھیں۔

جواب: سینٹ کا سربراہ چیئرمین ہے جو ایوان کی صدارت کرتا ہے اس کی غیر حاضری میں ڈپٹی چیئرمین فرائض ادا کرتا ہے۔ دونوں کے سینٹ کے ارکان تین سال کیلئے چنتے ہیں۔ دونوں انتخابات کے بعد اپنے اپنے عہدے کا حلف لیتے ہیں۔ چیئرمین/ڈپٹی چیئرمین کو سینٹ اکثریتی ووٹوں کے ساتھ برطرف کرسکتی ہے وہ خود بھی استعفیٰ بھیج سکتے ہیں۔

☆ چیئرمین سینٹ کے اجلاسوں کی صدارت کرتا ہے۔

☆ صدر اپنے عہدے کے فرائض ادا کرنے سے قاصر ہو قائم مقام صدر کے طور پر کام نبھاتا ہے۔

☆ صدر اور سپیکر سے رابطے قائم رکھتا ہے۔

سوال 48: قومی اسمبلی کے سپیکر کے بارے میں چند سطور لکھئے۔

جواب: سپیکر اور ڈپٹی سپیکر کو قومی اسمبلی کے ارکان اپنے انتخابات کے فوراً بعد قومی اسمبلی کے ارکان میں سے بعد میں منتخب کرتے ہیں۔ جب تک قومی اسمبلی چاہتی ہے سپیکر اور ڈپٹی سپیکر کو عہدے پر قائم رکھتی ہے۔ سپیکر نئے سپیکر کے انتخاب تک اپنے عہدہ پر فائز رہتا ہے۔ وہ خود چاہے تو عہدے سے مستعفی ہوسکتا ہے۔ سپیکر کے فرائض درج ذیل ہیں:۔

☆ ایوان کی صدارت اور نظم وضبط کا قیام۔

☆ سوالات اور تحریکوں کی منظوری۔

☆ قائم مقام صدر (اگر صدر اور چیئرمین دونوں صدارتی فرائض ادا کرنے سے قاصر ہوں)

☆ فیصلہ کن ووٹ کا استعمال۔

☆ صدر اور چیئرمین سینٹ سے رابطہ۔

☆ اجلاس بلانا اور ملتوی کرنا۔

☆ فیصلہ کرنا کہ کوئی مسودہ مالی نوعیت کا ہے یا نہیں۔

اکثریتی پارٹی سپیکر جماعتی بنیادوں پر منتخب کرکے عہدہ نبھاتا ہے۔ پاکستان میں برطانیہ کی طرح

غیر جانبداری کی روایت قائم نہیں ہوسکی۔

سوال 49: قومی اسمبلی کے امیدواروں کی شرائط لکھیں۔

جواب: ☆ پاکستانی شہری۔

☆ پاگل نہ ہو۔

☆ عمر کم از کم پچیس سال۔

☆ اخلاقی بے راہ روی کے جرم میں کم از کم 2 سال سزا پچھلے پانچ سال سے نہ بھگت رہا ہو۔

☆ ووٹروں کی فہرست میں نام درج ہو۔

☆ پارلیمنٹ کے قوانین کے تحت اہل ہو۔

☆ نظریہ پاکستان، افواج پاکستان اور عدلیہ کے وقار کے خلاف یا بیان نہ دے چکا ہو۔

سوال 50: قومی اسمبلی کی رکنیت سے علیحدگی کے بارے میں چند سطور لکھئے۔

جواب: ☆ استعفیٰ دے سکتا ہے۔

☆ ایک وقت میں قومی اسمبلی کی دو نشستوں سے جیت جائے تو ایک سے مستعفی ہوتا ہے۔

☆ بیک وقت صرف قومی اسمبلی یا سینٹ یا صوبائی اسمبلی کا رکن رہ سکتا ہے۔

☆ 40 دن سے ایوان سے وجہ بتائے غیر حاضر رہے تو عہدہ خالی قرار پاتا ہے۔

سوال 51: پارلیمنٹ کے ارکان کی مراعات لکھئے۔

جواب: ☆ رکن کے خلاف ایوان میں تقریر کی وجہ سے مقدمہ دائر نہیں ہوسکتا۔

☆ ایوان میں تقریر کے حوالے سے عدلیہ میں طلب نہیں کیا جاسکتا۔

☆ پارلیمنٹ کے ارکان اپنے طریق کار خود طے کرتے ہیں۔

☆ سہولتوں اور مراعات میں کمی نہیں ہوسکتی۔

☆ ارکان کو تنخواہ اور الاؤنسز دیئے جاتے ہیں۔

☆ پارلیمنٹ کے اجلاس میں شرکت کرکے آنے جانے والے رکن کو گرفتار نہیں کیا جاسکتا۔

سوال 52: پارلیمنٹ کے اختیارات، فرائض مختصراً لکھئے۔

Pakistanstudy.pk

جواب: ☆ قانون سازی:

(i) مرکزی امور کی فہرست میں شامل امور۔

(ii) متصلہ امور کے بارے میں قانون سازی۔

(iii) کسی صوبائی اسمبلی درخواست پر قانو سازی۔

☆ **ہنگامی حالات:** مرکزی حکومت خصوصی حالات میں ہنگامی صورت حال کا اعلان کرسکتی ہے۔ بنیادی حقوق معطل کرسکتی ہے۔صدر پارلیمنٹ کا اجلاس بلا کر ہنگامی حالات کے نفاذ کی توثیق حاصل کرتا ہے۔

☆ **مالیاتی اختیارات:** بجٹ، آمدن اوراخراجات پر مکمل کنٹرول ہے۔

☆ **آئین میں ترمیم:** دونوں ایوان 2/3 اکثریت کے ساتھ آئین میں ترمیم کرسکتی ہے۔

☆ **انتخابات:** سینٹ اپنے چیئرمین اور ڈپٹی چیئرمین کو اور قومی اسپیکر اور ڈپٹی اسپیکر کو منتخب کرتی ہے۔ پارلیمنٹ کے دونوں ایوان چاروں صوبائی اسمبلیوں کے ساتھ مل کر صدر منتخب کرتے ہیں۔

☆ **عام کی شکایت کا ازالہ:** ☆ انتظامیہ پر کنٹرول۔

(i) سوالات (ii) تحریک عدم اعتماد

(iii) تحریک التواء (iv) تحریک مذمت

(v) تحریک استحقاق (vi) قراردادیں

☆ **عدالتی واحتسابی اختیارات:**

☆ صدر کو عہدے سے الگ کرسکتی ہے۔

☆ ججوں کی تعداد کا تعین کرتی ہے۔

سوال 53: صوبائی گورنر پر ایک مختصر تحریر لکھیے۔

جواب: ہر صوبے میں گورنر سربراہ ہے جسے صدر وزیراعظم کی مشاورت سے نامزد کرتا ہے۔ گورنر وفاقی حکومت کی صوابدید تک عہدے پر فائز رہتا ہے۔ کوئی معیاد مقرر نہ ہے صوبے میں گورنر کی وہی حیثیت ہے جو مرکز میں صدر کی ہوتی ہے۔ گورنر کے عہدے پر فائز کئے جانے والے پاکستانی شہری کیلئے لازمی ہے کہ وہ

عمر میں کم از کم 35 سال کا ہو کسی سرکاری وغیر سرکاری عہدہ پر فائز نہ ہو اور وہ قومی اسمبلی کی رکنیت کا اہل ہو۔

اختیارات وفرائض:

☆ گورنر اپنے فرائض وزیراعلیٰ کے مشورے سے ادا کرتا ہے۔

☆ گورنر محض رسمی اختیارات نہیں رکھتا۔ سترھویں ترمیم نے گورنر کی آٹھویں ترمیم والی حیثیت کو بحال کر دیا ہے۔ گورنر صدر کی ہدایت پر صوبائی اسمبلی کو منسوخ کرسکتا ہے نیز وزیراعلیٰ اور کابینہ کو برطرف کرسکتا ہے۔

☆ ہنگامی صورتحال میں گورنر کو بہت زیادہ اختیارات وفاقی حکومت کی طرف سے مل جاتے ہیں۔

☆ صوبائی پبلک سروس کمیشن کے چیئرمین ارکان، ایڈووکیٹ جنرل اور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس اور ججوں کو وزیراعلیٰ کے مشورے سے منتخب کرتا ہے۔

☆ گورنر صوبائی اسمبلی کے اجلاس بلاتا ملتوی کرتا اور خطاب کرسکتا ہے۔ وہ پیغام بھی بھیج سکتا ہے۔

☆ وزیراعلیٰ کے کہنے پر وہ صوبائی اسمبلی کو توڑ دیتا ہے۔ اگر 48 گھنٹے میں وہ ایسا نہیں کرتا تو اسمبلی خود بخود ٹوٹ جاتی ہے۔

☆ آرڈیننس جاری کرتا ہے۔

☆ بجٹ صوبائی اسمبلی میں منظوری کے بعد گورنر کی توثیق کیلئے بھیجا جاتا ہے۔ عام مسودات کو گورنر سات دن کے اندر منظور کرتا ہے ورنہ اپنے آپ منظور ہوتا ہے۔

☆ مرکزی حکومت کی صوبے میں نمائندگی کرتا ہے۔

سوال 54: وزیراعلیٰ پر مختصر نوٹ لکھیے۔

جواب: وزیراعلیٰ صوبہ کا انتظامی سربراہ ہے۔ دستور کے تحت فرائض صوبائی سطح پر وزیراعلیٰ انجام دیتا ہے۔ وزیراعلیٰ کی صوبہ میں وہی حیثیت ہے جو ملک میں وزیراعظم کی ہے۔

صوبائی اسمبلی اپنے انتخابات کے بعد وزیراعلیٰ کا چناؤ کرتی ہے۔ وزیراعلیٰ ایوان میں اکثریت کی حمایت کے ساتھ عہدہ سنبھالتا ہے۔ وہ صوبائی اسمبلی کے ارکان میں سے اپنی کابینہ منتخب کرتا ہے۔ کسی ایسے فرد کو کبھی وزیراعلیٰ چھ ماہ کیلئے وزیر بنا سکتا ہے جو صوبائی اسمبلی کا ممبر نہ ہو۔ وزیراعلیٰ اپنے عہدے کا

Pakistanstudy.pk

حلف گورنر کے روبرو اٹھاتا ہے۔صوبائی کابینہ کی تشکیل اور ذمہ داریوں کے اصول مرکزی کابینہ جیسے ہی ہیں۔وزیراعلیٰ کو صوبائی عہدے سے تحریک عدم اعتماد کے ذریعے ہٹا سکتی ہے۔گورنر بھی صدر مملکت کی ہدایت پر ایسا کرسکتا ہے۔وہ مستعفی بھی ہوسکتا ہے ایسی صورت میں دو ہفتوں کے اندر اندر نئے وزیراعلیٰ کے چناؤ کا عمل شروع ہوجاتا ہے۔

سوال 55: وزیراعلیٰ کے اختیارات مختصراً لکھیں۔

جواب: دستور کے تحت تمام صوبائی امور وزیراعلیٰ اور اُس کی کابینہ صوبے میں چلاتی ہے۔

☆ صوبہ میں نظم ونسق کا قیام۔امن وامان برقرار رکھنا۔

☆ اہم عہدیداروں کا تقرر جن میں وزراء، ایڈووکیٹ جنرل شامل ہیں۔

☆ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس اور ججوں کا تقرر کرتے وقت صدر مملکت چیف جسٹس سپریم کورٹ، گورنر اور وزیراعلیٰ کا مشورہ لیتا ہے۔

☆ قانون ایوان کے فرائض ادا کرنا۔اجلاس بلانا، ملتوی کرنا۔نوے فی صد مسودات وزیراعلیٰ یا اُس کی طرف سے وزراء پیش کرتے ہیں۔

☆ اسمبلی کی تنسیخ کیلئے وہ گورنر کو کہہ سکتا ہے اگر گورنر 48 گھنٹے کے اندر اقدام نہ اٹھاتے تو اسمبلی خود بخود منسوخ تصور ہوتی ہے۔

☆ مالیات، بجٹ، محصولات اور ادائیگیوں کے حوالے سے بنیادی پالیسی وزیراعلیٰ ہی بناتا ہے۔

☆ مرکزی حکومت چاہے تو مخصوص کام وزیراعلیٰ کو سونپ سکتی ہے۔

سوال 56: پاکستان میں عدالتی نظام کی خصوصیات مختصراً تحریر کیجئے۔

جواب: ☆ عدلیہ کو آزاد اور غیر جانبدار مقام دیا گیا ہے۔

☆ ججوں کے عہدے کی شرائط، تنخواہ، مراعات، پنشن اور سہولتیں بہت زیادہ ہیں۔

☆ جج غلطی کرے تو اسے ججوں پر مشتمل اعلیٰ عدالتی کونسل کی سفارش پر ہی عہدے سے برطرف کیا جاسکتا ہے۔

☆ وفاقی نظام کی ضرورت ایک اعلیٰ عدلیہ ہے سپریم کورٹ کو اعلیٰ ترین مقام دیا گیا ہے جو

دستوری اور بین الحکومتی، جھگڑوں کو نپٹاتی ہے۔

☆ پورا عدالتی نظام اوپر سے نیچے تک ایک اور مربوط ہے۔

☆ عدلیہ کو انتظامیہ سے علیحدہ رکھنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

☆ جوڈیشل ریویو کا اختیار سپریم کورٹ کو حاصل ہے۔

سوال 57: سپریم کورٹ کی تشکیل کیسے کی جاتی ہے؟

جواب: ایک چیف جسٹس اور کچھ ججوں پر مشتمل ہے۔ججوں کو صدر مملکت چیف جسٹس کے مشورے سے مقرر کرتا ہے۔چیف جسٹس کا تقرر بھی صدر ہی کرتا ہے۔سپریم کورٹ کا مرکز اسلام آباد اور مستقل بنچ لاہور اور کراچی میں ہیں۔جج کیلئے ضروری ہے کہ وہ

(i) پاکستان کا شہری ہو۔

(ii) 5 سال ہائی کورٹ کا جج یا 15 سال تک سپریم کورٹ/ہائی کورٹ میں وکالت کرتا رہا ہو۔

(iii) جج 65 سال کی عمر پر ریٹائر ہوجاتا ہے۔اُسے معقول تنخواہ، مراعات اور سہولتیں حاصل ہوتی ہیں۔

سوال 58: سپریم کورٹ کے اختیارات وفرائض لکھئے۔

جواب: ☆ ابتدائی اختیارات۔ایسے مقدمات جو کسی اور عدالت میں سماعت نہیں ہوسکتے۔

☆ بین الحکومتی تنازعات۔
☆ دستور کی تشریح۔
☆ دستور کی حفاظت۔جوڈیشل ریویو کا اختیار۔
☆ مشاورتی اختیارات۔
☆ نظر ثانی کا اختیار۔
☆ اپیل کے اختیارات۔
☆ قانون سازی۔
☆ بنیادی حقوق کا تحفظ۔
☆ نچلی عدالتوں کی نگرانی۔

سوال 59: ہائی کورٹ کی تشکیل کیسے ہوتی ہے؟

جواب: چاروں صوبوں کی اپنی ہائی کورٹ ہے۔جو چیف جسٹس اور چند ججوں پر مشتمل ہے۔قانون کی رو سے تعداد مقرر کی جاتی ہے۔چیف جسٹس کا تقرر صدر مملکت متعلقہ گورنر چیف جسٹس اور وزیراعلیٰ کی سفارش پر اور عام ججوں کا تقرر ان کے علاوہ چیف جسٹس ہائی کورٹ کی سفارش پر کرتا ہے۔عارضی جج بھی

PakistanStudy.pk

مقرر کئے جاسکتے ہیں۔ جج کیلئے ضروری ہے کہ وہ پاکستانی شہری ہو۔ عمر 40 سال سے کم نہ ہو، ہائی کورٹ میں بطور ایڈووکیٹ 10 سالہ تجربہ یا 10 سال کسی عدالتی عہدے پر فائز رہا ہو یا 3 سال ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج رہا ہو جج کو 62 سال کی عمر پر ریٹائر کر دیا جاتا ہے۔ جج کو معقول تنخواہ، مناسب سہولتیں ومراعات، الاؤنسز اور مناسب پنشن دی جاتی ہے۔ ججوں کو ایک ہائی کورٹ سے دوسری ہائی کورٹ میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

سوال 60: ہائی کورٹ کے اختیارات وفرائض بیان کیجیے۔

جواب: ☆ ابتدائی اختیارات ☆ اپیل کے اختیارات
☆ نچلی عدالتوں کو ہدایت ☆ حکم امتناعی جاری کرنا
☆ نچلی عدالتوں کی نگرانی ☆ قانون سازی
☆ توہین عدالت پر سزا ☆ بنیادی حقوق کی حفاظت

سوال 61: اعلیٰ عدالتی کونسل کی تشکیل اور فرائض لکھئے۔

جواب: اعلیٰ عدالتی کونسل پانچ ججوں پر مشتمل ہے۔ چیف جسٹس سپریم کورٹ دو سپریم کورٹ کے سینئر جج اور دو ہائی کورٹس کے سینئر چیف جسٹس۔ مقام واختیارات کے لحاظ سے کونسل بڑا منفرد ادارہ ہے جس کی مثال برطانیہ اور امریکہ میں بھی نہیں ملتی۔ اگر سپریم کورٹ/ہائی کورٹ کے کسی جج کو قصوروار قرار دے دے تو اُسے عہدے سے ہٹا دیا جاتا ہے۔ متعلقہ جج کو اپنا کیس خود پیش کرنے یا وکیل کے ذریعے لڑنے کی اجازت ہے۔

سوال 62: وفاقی شرعی عدالت کی تنظیم اور فرائض مختصراً بیان کیجیے۔

جواب: وفاقی شرعی عدالت ایک چیئرمین اور آٹھ ارکان پر مشتمل ہے۔ صدر کے حکم سے 3 سال کیلئے مقرر کیا جاتا ہے۔ ہائی کورٹ کے کسی جج کا شرعی عدالت میں تقرر ہوسکتا ہے۔ چیئرمین ایسے فرد کو مقرر کیا جاتا ہے جو سپریم کورٹ کا جج ہو یا رہ چکا ہو۔

اختیارات:

عدالت خود اپنی تحریک پر یا پاکستان کے کسی شہری یا وفاقی حکومت یا کسی صوبائی حکومت کی درخواست پر اس سوال کا جائزہ لیتی ہے کہ آیا کوئی قانون یا قانون کے تحت کوئی حکم ان اسلامی احکامات کے منافی ہے یا نہیں۔ جس طرح اس کا تعین قرآن پاک یا حدیث نبوی صلعم میں کیا گیا ہے۔ وفاقی شرعی

عدالت کسی بھی ایسے قانون کو ختم کرنے کا اختیار رکھتی ہے جو اس کے خیال میں قرآن وسنت کے منافی ہو۔ وفاقی شرعی عدالت کسی قانون، مالیاتی قانون، محصول، بنکاری، بیمہ اور مسلم پرسنل لاء کے متعلق مقدمہ کی سماعت کرتی ہے۔

وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف اپیل سپریم کورٹ میں کی جاسکتی ہے۔

سوال 63: پاکستان میں نچلی عدالتوں کے نام لکھئے۔

جواب: ☆ ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن کورٹ ☆ دیوانی عدالتیں
☆ فوجداری عدالتیں ☆ مال گزاری عدالتیں
☆ مصالحتی عدالتیں ☆ انتظامی ٹریبونل
☆ خصوصی عدالتیں ☆ اینٹی ٹیررسٹ عدالتیں

سوال 64: اسلامی نظریہ کی کونسل کی تشکیل اور اختیارات بیان کیجیے۔

جواب: اسلامیہ جمہوریہ پاکستان میں قوانین کے ڈھانچے کو قرآن پاک اور احادیث مبارکہ ﷺ کے مطابق ڈھالنے کیلئے ایک اہم ادارہ اسلامی نظریاتی کونسل کے نام سے قائم ہے۔ اسے یکم ستمبر 1977ء میں بنایا گیا۔ دوبارہ تشکیل 9 جون 1981ء کو ہوئی۔ جو ایک چیئرمین اور کچھ ارکان پر مبنی ہے۔ تعداد 20 سے کم اور 8 سے زیادہ ہوتی ہے۔ صدر انہیں نامزد کرتا ہے۔ ضروری ہے کہ ارکان اسلامی فقہ اور قرآن وسنت کی آگہی رکھتے ہوں۔ جدید معاشیات سے آگاہ ہوں۔ ارکان میں کم از کم ایک خاتون کا ہونا لازم ہے۔ چیئرمین اور ارکان تین سال کیلئے چنے جاتے ہیں۔ صدر مقرر کرتا ہے لیکن انہیں از خود ہٹا نہیں سکتا۔

فرائض واختیارات:

☆ مشاورت دیتی ہے۔ صدر، گورنر، پارلیمنٹ یا صوبائی اسمبلی مشورے لے سکتی ہے۔
☆ اگر کوئی قانون جلدی میں بنوانا مقصود ہو تو اس کے نفاذ کے بعد بھی کونسل کی رائے لی جاسکتی ہے۔
☆ کونسل کا فرض ہے کہ ایسا قانونی ڈھانچہ تیار کرنے میں مدد دے جو مسلمانوں کو انفرادی و اجتماعی زندگی اسلام کی روح کے مطابق ڈھالنے میں مدد دے۔
☆ کونسل رپورٹ دیتی ہے کہ کون کون سے قوانین اسلامی قوانین کے مطابق نہیں ہیں اور کون

PakistanStudy.pk

کون سے قوانین اسلامی ضابطوں کے نفاذ کیلئے ضروری ہیں۔

☆ کونسل تحقیقی کام جاری رکھتی ہے۔

سوال 65: اٹارنی جنرل پر نوٹ لکھئے۔

جواب: وزیراعظم کے مشورے سے صدر اٹارنی جنرل کو مقرر کرتا ہے۔ یہ مرکزی حکومت کا قانونی مشیر ہوتا ہے۔ اٹارنی جنرل کے عہدہ کی اہلیت ہے کہ فرد سپریم کورٹ کا جج بن سکے۔ وہ پاکستان کا شہری کم از کم 5 سال ہائی کورٹ کا جج رہا ہو بطور ایڈووکیٹ 15 سالہ ہائی کورٹ کا تجربہ رکھتا ہو۔ اٹارنی جنرل کے عہدے کی کوئی معیاد نہیں۔ وزیراعظم کے کہنے پر صدر جب چاہے اُس عہدے سے سبکدوش کرسکتا ہے۔

(i) قانونی مشورے وفاقی حکومت کو دیتی ہے

(ii) دونوں ایوانوں میں کارروائی میں شریک ہوسکتا ہے۔ بحث میں حصہ لے سکتا ہے لیکن ووٹ نہیں دے سکتا۔

(iii) مرکزی حکومت کی جانب سے تمام قانونی کارروائیاں اٹارنی جنرل کرتا ہے اُس کے ماتحت کا فی عملہ ہوتا ہے۔

سوال 66: ایڈووکیٹ جنرل کسے کہتے ہیں؟

جواب: صوبائی حکومت کا قانونی مشیر ہوتا ہے۔ گورنر وزیراعلیٰ کے مشورے کے ساتھ اسے مقرر کرتا ہے۔ عہدے کی کوئی معیاد نہیں۔ وزیراعلیٰ کے کہنے پر گورنر جب چاہے اُسے ذمہ داریوں سے سبکدوش کرسکتا ہے ایڈووکیٹ جنرل کے عہدے کی شرط ہے کہ امیدوار ہائی کورٹ کا جج بننے کی تمام شرائط پوری کرتا ہے۔

(i) صوبائی حکومت کا قانونی مشیر ہے۔ کسی عدالت میں جاسکتا ہے۔

(ii) صوبائی حکومت کے تمام مقدمات کی پیروی کرتا ہے۔

(iii) صوبائی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کرسکتا ہے۔

سوال 67: آڈیٹر جنرل کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

جواب: مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے حسابات کو چیک کرنے کیلئے آڈیٹر جنرل اور اس کے ماتحت ایک بڑا دفتر کام کرتا ہے۔ صدر مملکت اسے وزیراعظم کے مشورے سے مقرر کرتا ہے۔ ملازمت کے اصول و

وقواعد پارلیمنٹ طے کرتی ہے۔ صدر آڈیٹر جنرل کو مقرر کرنے کے بعد ہٹانے کا اختیار نہیں رکھتا۔

(i) وفاقی اور صوبائی حسابات رکھنے کا طریقہ تجویز کرتا ہے۔

(ii) دونوں حکومتوں کی آمدن اور اخراجات کی پڑتال کرتا ہے۔

(iii) سالانہ رپورٹ تیار کرتا ہے۔

سوال 68: مرکزی پبلک سروس کی تنظیم اور اختیارات لکھئے۔

جواب: پاکستان کی مرکزی اعلیٰ ملازمتوں کیلئے مقابلے کے امتحان کا انعقاد مرکزی پبلک سروس کمیشن کرتا ہے۔ یہ ایک آزاد اور غیر جانبدار ادارہ ہے۔ چیئرمین اور ممبران کا تقرر وزیراعظم کے مشورے کے تحت صدر کرتا ہے۔ عموماً ارکان سول سروس سے لئے جاتے ہیں۔ تین سالہ معیاد ہے۔ اس سے پہلے عہدے سے ہٹایا نہیں جاسکتا۔

(i) مقابلے کے امتحان منعقد کرتا ہے۔

(ii) سالانہ رپورٹ ترتیب دیتا ہے۔

(iii) مرکزی ملازمتوں کے حوالے سے سفارشات مرتب کرتا ہے۔

سوال 69: الیکشن کمیشن پر ایک مختصر پیراگراف لکھئے۔

جواب: صدر پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات الیکشن کمیشن منعقد کرواتا ہے۔ یہ چیف الیکشن کمشنر اور دو ارکان پر مشتمل ہوتا ہے۔ صدر چیف جسٹس آف پاکستان کے مشورے سے مقرر کرتا ہے۔ معیاد 3 سال ہے۔ صدر چیف الیکشن کمشنر اور کمشنروں کو عہدوں سے ہٹا نہیں سکتا۔ اگر کوئی وجہ ہو تو مقدمہ اعلیٰ عدالتی کونسل میں جایا جاتا ہے۔ کونسل سفارش کرے تو چیف الیکشن کمشنر کو عہدے سے ہٹا دیا جاتا ہے۔ ذمہ داریاں یہ ہیں:۔

(i) عام انتخابات کا انعقاد (ii) عذرداریوں کی سماعت

(iii) انتخابی فہرستوں کی تیاری (iv) رپورٹ کی تیاری

سوال 70: قومی اقتصادی کونسل کی تشکیل اور فرائض لکھئے۔

جواب: قومی اقتصادی کونسل وزیراعظم اور دیگر ارکان پر مشتمل ہے۔ ارکان کا تقرر صدر کرتا ہے۔ صوبائی

PakistanStudy.pk

حکومتوں کو بھی کونسل میں نمائندگی حاصل ہوتی ہے۔صوبائی ارکان کو وزرائے اعلیٰ مقرر کرتے ہیں۔

(i) ملک کی معاشی حالت کا جائزہ لیتی ہے۔

(ii) مرکز اور صوبوں میں باہمی معاشی تعاون کیلئے منصوبہ بندی کرتی ہے۔

(iii) مرکز اور صوبوں میں محصولات سے حاصل ہونے والی رقوم کی تقسیم کا فیصلہ کرتی ہے۔

سوال 71: قومی مالیاتی کمیشن پر نوٹ لکھئے۔

جواب: کمیشن میں مرکزی حکومت اور چاروں صوبوں کے وزرائے خزانہ شامل ہوتے ہیں۔بعض ارکان وزیراعظم کی جانب سے گورنروں کی سفارش پر شامل کئے جاتے ہیں۔

(i) ترقیاتی پروگراموں کیلئے منصوبہ بندی کی جاتی ہے۔

(ii) آمدن کے ذرائع کو مختلف صوبوں میں کوٹہ کے مطابق تقسیم کیا جاتا ہے۔

(iii) سالانہ رپورٹ تیار کرتا ہے جو مرکزی اور صوبائی حکومتوں کو بھیجی جاتی ہے۔

(iv) قرضوں کی وصولی اور طریق کار کا فیصلہ کرتا ہے۔

سوال 72: مشترکہ مفادات کونسل پر نوٹ لکھئے۔

جواب: چاروں صوبوں کے وزرائے اعلیٰ اور چار وفاقی وزراء اس کونسل کے ارکان ہوتے ہیں۔کونسل کی صدارت وزیراعظم کرتا ہے۔پارلیمنٹ کونسل کا طریق کار طے کرتی ہے۔

فرائض واختیارات:

(i) بین الصوبائی تنازعات پر غور کرتی ہے۔

(ii) توانائی، پانی، گیس، بجلی کی ترسیل کے مسائل حل کرتی ہے۔قومی پالیسی بناتی ہے۔

(iii) مرکز، صوبوں اور قبائلی علاقوں کے درمیان مسائل کو نپٹاتی ہے۔

(iv) پارلیمنٹ بعض کام کونسل کو کبھی کبھی سپرد کرتی رہتی ہے۔

سوال 73: جنرل پرویز مشرف کی طرف سے لائی گئی 17ویں ترمیم پر ایک نوٹ لکھئے۔

جواب: ☆ حتمی پیکج کا اعلان 21 اگست کو کیا گیا۔

☆ 58(2)B کو بحال کر دیا گیا جسے نواز شریف کے دور میں 13ویں ترمیم کے ذریعے ختم کیا گیا تھا۔

☆ قومی وسلامتی کونسل کا ایک ادارہ آئین کی بجائے قانون کے تحت قائم کیا گیا۔

☆ صدر کو قومی اسمبلی اور گورنر کو صدر کی زیر ہدایت صوبائی اسمبلیاں توڑنے کا اختیار ملا۔

☆ صدر مملکت کا اختیار ملا کہ وہ مسلح افواج کے سربراہوں کو اپنی صوابدید پر مقرر کریں گے۔گورنر کا تقرر وزیر اعظم کے مشورے سے ہوگا۔

☆ سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے ججوں کا تقرر صدر کریں گے۔

☆ مالیاتی مسودات پر بھی غور وخوض کرنے اور فیصلہ کن کردار ادا کرنے کا اختیار ملا۔

☆ رائے دہندہ کی عمر 21 سے کم کر کے 18 کر دی گئی۔مخلوط انتخابی طریقہ اپنانے کا فیصلہ ہوا۔

☆ سینٹ، قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلی کے ارکان کیلئے گریجوایٹ ہونے کی شرط لازمی قرار دی گئی۔

☆ قومی احتساب بیورو NAB اور سٹیٹ بنک آف پاکستان کو خود مختار ادارے بنا دیا گیا۔

سوال 74: قومی سلامتی کونسل کی تشکیل بیان کیجئے۔

جواب: قومی سلامتی کونسل کا سربراہ صدر مملکت ہے۔وزیراعظم، چاروں وزرائے اعلیٰ، قومی اسمبلی کے سپیکر، سینٹ کے چیئرمین، قومی اسمبلی میں حزب اختلاف کے سربراہ چیئرمین، جوائنٹ چیف آف سٹاف کمیٹی کا چیئرمین اور تینوں افواج کے سربراہ کو کونسل کے ارکان کا درجہ دیا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

PakistanStudy.pk

کتابیات

Bibliography

1. Abbot, F, (1966) Pakistan and The Securer Slate, Princeton University Press.
2. Ahmad, A.S. (1986) Pakistan Society; Islam, Ethemicity, and Leadership, New York,: Oxford.
3. Ahmad, M. (1990), My Chief, Lahore: Long mans, Green and Company.
4. Amin, T. (1995), Pakistan 1994: The Political of Confrontation. Quaid-e-Azam University.
5. Ayub Khan, M. (1967) Friends not maslers: A Political Auto biography, New York, My: Oxofd University, Press.
6. Butto, B. (1989) Daughter of Denting, New York, Ny: Simon and Schuster.
7. Burki, S. J. (1991) Pakistan: The Continuing Search for Nationhood, Boulder, Colo, West view Press.
8. Collard, K. (1957) Pakistan: A Political Study, London: Allen And Unwin
9. Felman, H. (1955), A constitution for Pakistan, Karachi. Oxford University Press.
10. Hussain, A. (1979) Elite Politics in an ideological state, Folkston: Dawson.
11. Mehmood, D.D. (1992) The Judiciary and Politics in Pakistan, Lahore: Idora Mutalia-e-Tareekh.
12. Taseer, S. (1979), Bhutto: A Political Biography, London. Ithaca Press.

Pakistanstudy.pk